ریاستِ میسور میں اردو کی نشو و نما

از

ڈاکٹر حبیب النساء بیگم ولی اللہ
(ایم اے - فارسی (میسور یونیورسٹی) ایم اے - اردو (عثمانیہ یونیورسٹی))
پی ایچ ڈی (دہلی یونیورسٹی)
اردو پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز میسور یونیورسٹی

مطبوعہ ترقی اردو پریس بنگلور ۱

اشاعت اول ۱۹۶۲

تعداد ۱۰۰۰

قیمت دس روپے

میرے شوہر مرحوم محمد ولی اللہ صاحب
کے نام جن کی تعلیم و تربیت نے مجھے
اس پیش کش کے قابل بنایا۔

حبیب النساء بیگم

فہرست مضامین

باب چہارم (۲۵۷ - ۲۹۳)

باب پنجم (۲۹۴ - ۳۶۴)

باب ششم (۳۶۵-۳۸۴)

باب ہفتم ۳۸۵

تعارف

از محترم معین الوارث سجادہ الحاج الے.کے سید تاج پیران صاحب قادری، وظیفہ یاب میسور سیول سروس بنگلور ۔ خلف الرشید عالیجناب سراج العلماء الحاج مولانا سید شہاب الدین صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ ۔

اردو ادب کی آج تک بیسیوں تاریخیں لکھی گئیں، جن میں اردو کی نشو و نما اور اس کے ادب کی رفتار کا عہد بہ عہد تجزیہ کیا گیا ہے، اور اس کی ترقی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ آج تک کسی بھی تاریخ ادب اردو میں میسور کی ادبی خدمات کا ذکر نہیں ملتا، حالانکہ میسور میں حیدر علی، ٹیپو سلطان شہید کی حکومت سے پیشتر ہی اردو ادب کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور آج تک یہاں کے شعرا ادبا اردو زبان و ادب کی خدمت میں، دن رات مصروف ہیں

یہ ایک نیک فال ہے کہ محترمہ ڈاکٹر حبیب النساء بیگم صاحبہ نے اس کی طرف توجہ دی، اور یہ کتاب لکھی ہے جس میں تفصیلی طور پر میسور کی ادبی خدمات کا تذکرہ ہے، امید ہے کہ اس سے اردو زبان کی تاریخ میں بیش بہا اضافہ ہو سکا۔ یہ کتاب صرف میسور کی ادبی خدمات کا تعارف ہی نہیں بلکہ یہ ایک سنگ میل ہے جو ریسرچ کی نئی راہوں کی طرف اشارہ

کررہا ہے، اس کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ریاست میسور
میں بھی کتنے بڑے بڑے شاعر اور ادیب گزرے ہیں جن کے
کارناموں سے آج تک ہماری نظریں ناآشنا ہیں۔

ڈاکٹر حبیب النساء بیگم کی یہ کوشش لائق صد تحسین ہے
کہ انہوں نے اپنے مخصوص انداز بیان میں جو صاف سیدھا اور
رنگین ہے، ہمارے ملک کی اور ہمارے آباؤ اجداد کی علمی خدمات
کواز سر نو زندہ کیا۔ وہ ہستیاں جو کہ زمانہ کی بے قدری اور
لاپرواہی کی وجہ سے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھیں پھر سے
روشنی میں آگئی ہیں، مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے
اردو میں ریسرچ کرنے والوں کو نئی راہیں ملیں گی، اور خصوصاً
ہمارے نوجوان اس کتاب میں جتنے شعرا و ادبا کا مجملاً ذکر کیا گیا
ہے ان کی ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

آج سے چند برس پہلے تک یہ عالم تھا کہ شمالی ہندوستان
والے جنوبی ہندوستان اور خصوصاً ریاست میسور جیسی دور دراز
سرزمین میں اردو کے وجود سے تک ناواقف تھے، اور شمالی ہند
والوں کی احساس برتری اور جنوب والوں کی احساس کمتری کے
باعث اور رسل ورسائل کے محدود وسائل کی وجہ سے میسور کی
ادبی خدمات وکارناموں کو کبھی پورے طور پر سے ظاہر ہونے کا
موقعہ ہی نہ مل سکا لیکن اب ہندوستان کی آزادی کے بعد جبکہ
مساوات و رواداری کا دور دورہ ہے میسور کے اردو داں
اہل قلم بھی اب آگے آرہے ہیں اب اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کی
تخلیقات شمالی ہند کے اکثر رسالوں میں شائع ہورہی ہیں جن کا
تعلق میسور یا اس کے قرب وجوار سے ہے، اس کے باوجود بھی

ہمارے ان قدیم خزینوں کو وہ شہرت نصیب نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ خود ہم ان سے ناواقف ہیں۔ موجودہ زمانہ کی معاشی بد حالی اور پریشانی کی وجہ سے لوگوں میں علم کا ذوق مفقود ہو چکا ہے ایسی صورت حال میں ڈاکٹر حبیب النساء کی یہ کتاب ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اپنے مٹے ہوئے ذوق وشوق کی رہبری کر سکتے ہیں۔ اس سے کم از کم یہ علم تو ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کی میراث کیا تھی اور انہوں نے شعر وسخن کی کیسے آبیاری کی ہے،

حیدر علی و ٹیپو سلطان کا عہد حکومت گو مختصر تھا لیکن ان چھتیس برسوں میں انہوں نے علم و ہنر کی ترقی کے نیئر رو وقت کوشاں رہے، اور ملک کی اقتصادی، معاشی اور اخلاقی حالت کو کافی بدل ڈالا عہد سلطنت خداداد میں صرف زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت کی ہی ترقی نہیں ہوئی بلکہ شعر و سخن کی بھی کافی قدر دانی ہوئی جس کا بین ثبوت ان کا قلمی کتب خانہ اور یہ کتاب ہے جس میں اس زمانے کے شعراء وادبا کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، اس عظیم سلطنت کی تباہی کے بعد جب علم وفن کا شیرازہ بکھر گیا تو تو اکثر اہل فن تلاش معاش میں اس ریاست میں چاروں طرف بکھر گئے اور اس بحرانی دور میں بھی اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتے رہے اور یہ ذوق رفتہ رفتہ مفقود ہوتا گیا، اور اب یہ نوبت آگئی ہے کہ ہم خود اپنے آباواجداد کے ان علمی کارناموں سے بے بہرہ ہیں، ایسی صورت حال میں یہ امر باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے میسور یونیورسٹی میں پوسٹ گراجویٹ اور ریسرچ کا محکمہ قائم کیا ہے۔ جس کی صدر ڈاکٹر حبیب النسا منتخب ہوئی ہیں اب ہمیں امید ہے کہ آپ کی فاضل نگرانی میں اردو ریسرچ کے لئے باب کھلیں گے اور اردو کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ ہوگا۔

سید تاج پیراں سجادہ عفی عنہٗ ۱۶

پیش لفظ

ریاست میسور میں اردو کی نشو ونما ایک ایسا موضوع ہے جس پر ابھی تک وسیع پیمانے پر تحقیق نہیں کی گئی ۔ اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دو چار متفرق مضامین یا ایک چھوٹی سی کتاب تک محدود ہے ۔ جو "میسور میں اردو" کے نام سے ۱۹۴۲ء میں اعظم اسٹیم پریس سے شائع ہو چکی ہے ۔ ابھی تک ایسی کوشش نہیں کی گئی جس میں قلمی اور غیر مطبوعہ مواد کے ذریعہ ایک کڑی سے دوسری کڑی کو ملایا جاتا یا اس اہم علاقے کی لسانی و ادبی خدمات کا پورا جائزہ لیا جاتا اور اس تصویر کو اردو ادب کے بڑے مرقعے میں اس طرح سجایا جاتا کہ جزو سے کل کی اہمیت واضح ہو جاتی ۔

ہم نے اس موضوع کا انتخاب اس لئے نہیں کیا کہ ہمیں میسور سے وطنی تعلق ہے بلکہ اس لئے کیا ہے کہ میسور کو اردو کے ابتدائی دور سے لے کر موجودہ زمانہ تک قریبی تعلق رہا ہے اور اس کے طبعی اور تہذیبی ماحول نے اردو زبان و ادب کی تشکیل میں مدد دی ہے ۔ دراصل اس کے مصنفوں کی تخلیقی کوششوں نے اردو کے اس دھارے کو وسعت دی ہے جو وقت کے مختلف میدانوں سے گذرتا ہوا بالآخر مشترکہ ہندوستانی ادب کا لائق رشک حصہ بن جاتا ہے ۔

یہاں ریاستِ میسور سے ہمارا مقصد وہ کرناٹک نہیں جو جدید صوبجاتی تشکیل کے بعد معرض وجود میں آیا ہے اور نہ جنوبی ہندوستان کا وہ حصہ ہے جو عہدِ سرکارِ خداداد میں یا اس سے پہلے میسور کہلاتا تھا ۔ بلکہ وہ حصہ مراد ہے جس کو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے حد بندی کر کے میسور کے نام سے موسوم کیا تھا

زیر نظر موضوع کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ دکنی ادب کا مطالعہ بغیر ان مرکزوں کی ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے ممکن نہیں جنہوں نے خاص تاریخی حالات کے تحت اردو کے رنگ و آہنگ کو متعین کرنے میں مدد کی شمالی ہندوستان کی ادبی خدمات ہمارے لئے سرمایۂ نازش ہیں۔ لیکن ان کا مطالعہ بھی دکن کی متوازی تحریکوں کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اس زنجیر کی ایک اہم کڑی میسور بھی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے متعلق بیشتر مواد ہمارے سینوں اور سفینوں میں دفن ہے۔ اردو ادب کی مروجہ تاریخیں اس پر روشنی نہیں ڈالتیں۔

ہم نے شمالی ہندوستان اور انگلستان کے معروف کتب خانوں کے علاوہ میسور کے قدیم علمی ذخیروں سے استفادہ کیا ہے اور ریاست مذکور کے پرانے خاندانوں کے افراد سے مل کر وہ اہم مواد جمع کیا ہے جو عام دسترس سے باہر ہے اور جو ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لئے یکسر معدوم ہو جاتا۔

مقالۂ ہذا کا پہلا حصہ تمہیدی ہے جس میں قدیم زمانے میں جنوبی ہندوستان اور عرب کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح یہ ایک دوسرے کے تمدن اور زبان سے روشناس ہو چکے تھے۔ شمالی ہندوستان سے پہلے ہی جنوبی ہند ساحلی ملیبار کی طرف سے ایرانیوں اور عربوں کی زبانوں سے روشناس ہو چکا تھا۔ لیکن یہاں کی مروجہ دراویڈی زبانوں کے مقابلے میں ان کی اجنبیت بڑی حد تک محسوس ہونے لگی۔ بہمنی سلطنت کے قیام، ریاست وجیانگر میں مسلمانوں کا عمل دخل، سلاطین بہمنی کی دہلی سے رقابت اور ان کے جذبۂ قومیت کی وجہ سے شمالی ہندوستان سے لائی ہوئی نوخیز زبان کو روز افزوں فروغ حاصل ہوا اور بہت جلد یہ زبان صوفیوں اور درویشوں کی تکیہ گاہوں سے نکل کر شاہی محلوں کی زینت بن گئی اور دکنی اردو کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اس زبان کی خصوصیات سے بحث کرتے ہوئے اس کے ہریانی، پنجابی اور کھڑی بولی کے عناصر پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر یہ دکنی زبان شمالی ہند پہنچتی ہے۔ اور وہاں سے

بھی سجائی دوبارہ جنوب میں لوٹ آئی ہے۔ یہی وہ زبان ہے جس کا تعلق میسور میں سرکارِ خداداد کے عہد کی اردو سے براہِ راست قائم ہوتا ہے۔

مقالے کا دوسرا حصہ تحقیق ہے جو چھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ باب اول میں میسور کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ میسور معتد بہ حصہ عادل شاہی حکومت کے زیر فرمان تھا۔ چنانچہ عہد سرکار خداداد سے پہلے ہی دکنی ادب نے اپنے قدم یہاں مضبوطی سے جما لئے تھے۔ اور اس کا اور یہاں کی صوبجاتی کنڑی زبان کا لین دین شروع ہو چکا تھا۔

عہد سرکارِ خداداد میں اردو زبان کے فروغ و اشاعت سے بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اس زمانے میں حسی اور جمالیاتی قدروں کی بجائے اخلاقی قدروں پر زور دیا جاتا تھا۔ مذہب کی چھاپ ایرانیت اور ہندوستانیت کی آمیزش اس دور کی خصوصیات ہیں۔ اس دور میں الفاظ کے خزانے جمع کئے جاتے تھے اور جمع شدہ دفینوں کے استعمال کا خوبصورت طریقہ دوسرے دور کے لئے مخصوص تھا۔

ہماری تحقیق وتنقید اور دید و دریافت کا اصل میدان ٹیپو سلطان کے زمانے اور شہادت کے بعد انیسویں صدی میں میسور کے اردو ادب کا ارتقاع ہے ہم نے اس عہد زریں کی علمی تحریکوں اور تخلیقی کارناموں کا پورا جائزہ لیا ہے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کی ہے۔ اس کے بعد کرشن راج وڈیر کے پچاس سالہ عہد پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس عام افسردگی و مایوسی کی تشریح کی ہے جو اس وقت ٹیپو سلطان جیسے اولوالعزم بادشاہ کی شہادت اور انگریزوں کی محکومی کی مدد سے دلوں پر طاری تھی۔ اس زمانے کی قلمی بیاضوں میں لکھی ہوئی نظمیں اہل میسور کے تاثرات قلبیہ کی آئینہ دار ہیں۔ اس دور کی نثر بھی اہم ہے جس میں بعض حقائق و معارف استعارہ مسلسل کے طور پر یا فلسفیانہ انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

میسور میں کمیشن کا پچاس سالہ عہد چھاپے خانوں، اخبارات اور مدارس کے اجراء کے لئے مشہور ہے۔ اس کے ساتھ اردو زبان کی خدمت کے جذبے نے

ارباب ذوق کے دلوں کو گرمائے رکھا۔ اس وقت ادب کا جمالیاتی پہلو جلوہ گر ہونے لگا۔ شاعروں کی مدبھری تانوں نے وجدانی کیفیت پیدا کر دی۔ انیسویں صدی کے آخری حصے کی خصوصیت عورتوں کی ذہنی و علمی بیداری ہے۔ اس کے علاوہ اردو کی ترقی میں اخبارات اور سرکاری مدارس کا نمایاں حصہ ہے۔ ان دونوں موضوعات کی وسعت اور اہمیت کے پیش نظر ان پر علٰحدہ بحث کی گئی ہے۔

آخر میں بیسویں صدی عیسوی میں میسوری ادب کی ترقی پر بحث کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ یہ منجمد اکائی نہیں بلکہ ارتقائی زنجیر کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ خاتمہ کلام کے طور پر اس ادب کو جو تنقیدی اہمیت حاصل ہے اور اس کا جو مرتبہ اردو کی تاریخ میں ہے اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ اس طرح ہماری ادبی تاریخ کے وہ گوشے جو غیر معتبر روایتوں کی گرد سے اٹے ہوئے تھے مستند مآخذ کی مدد سے صاف ہو گئے یا نئے نقش و نگار سے آراستہ ہو گئے ہیں۔

مقدمہ

ہندوستان کے ساتھ عربوں کے تعلقات

ابنِ خرداذبہ ۲۵۰ھ میں اپنی تصنیف المسالک الممالک میں پہلی مرتبہ ہندوستان اور اس کے باشندوں کا ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ کہ یہ خود ہندوستان نہیں آیا تھا۔ لیکن اس کی بہت کچھ معلومات محکمۂ ڈاک اور خفیہ اطلاعات کے سرکاری اطلاعات پر مبنی ہیں۔ جس کا وہ ایک افسر تھا۔ سلیمان تاجر ۲۳۷ھ میں ہندوستان کے ساحل کے ملکوں کا ذکر کرتا ہے۔ سلیمان سب سے پہلا عرب سیاح ہے جس کا سفرنامہ ہندوستان کے متعلق ہر قسم کی معلومات سے پر ہے۔ ابو زید حسن سیرافی ۲۶۴ھ میں۔ مسعودی سیاح ۳۰۳ھ میں۔ ابو دلف مسعر بن مہلہل ینبوعی ۳۳۱ھ میں۔ بزرگ بن شہریار ۳۰۰ھ میں۔ اصطخری ۳۴۰ھ میں۔ ابنِ حوقل ۳۳۱ھ میں (۹۴۳ء)۔ البیرونی ۴۲۰ھ میں اپنی تصانیف میں محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں سے پہلے ہی ہندوستان کے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بذاتِ خود ہندوستان کی سیاحت کی اور یہاں کے چشم دید واقعات بیان کئے۔

یہ تو کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ شمالی ہندوستان کی بہ نسبت جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کا قیام قدیم تر ہے۔ عربوں نے تجارت کے سلسلے میں جنوبی ہند میں محمود غزنوی کے حملوں سے پہلے ہی سکونت اختیار کرلی تھی۔ ساحل

کے متفرق حصوں پر ان کی نو آبادیاں قائم تھیں۔ ان کے علاوہ صوفیوں اور درویشوں کے جھنڈ کے جھنڈ سراندیپ (لنکا) نقش قدم کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے چونکہ ظہور اسلام سے پہلے ہی عربوں کی یہاں آمد و رفت جاری تھی۔ لہذا سراندیپ کے راجہ کو پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا اور فرشتہ کا کہنا ہے کہ ۲۰۰ھ ہی میں یہاں کا راجہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جائے گا۔ کہ جنوبی ہند کے جزائر اور ساحلوں پر مسلمانوں کی نو آبادیاں ظہور اسلام کے ساتھ ساتھ ہی قائم ہونے لگیں اور یہاں کے ہندو راجہ ان کے ساتھ نہایت ہی عزت اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے انہوں نے یہاں نہ کہ صرف شادی بیاہ کے رشتے قائم کئے بلکہ ان کے برابر دائی اسیروں کی ایک معتد بہ تعداد نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا ساحل ملیبار کی موپلا قوم انہیں لوگوں کی یادگار ہے الغرض عربوں کی جنوبی ہند میں آمد و رفت اور ان کے مسلمان کے ساتھ تجارتی مذہبی اور علمی تعلقات کا اثر دونوں ملکوں کی زبانوں پر پڑا۔ مولانا سید سلیمان[1] صاحب ندوی نے قرآن پاک میں تین ہندی الفاظ مسک (مشک)، زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) اور کافور (کپور) کی جو ہندوستان کی مخصوص خوشبوئیں ہیں۔ ان کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ پھر عربی لغت میں بعض ہندی الاصل الفاظ کی شمولیت ثابت کی ہے مثلاً

عربی (۱)	ہندی	اردو
کافور	کپور	کافور
مسک	موشکا	مشک
زنجبیل	زرنجاسرا	سونٹھ ادرک
ہیل	ایل	الائچی
سب (کپڑوں کی قسم)	چھینٹ	
موز	موچ	کیلا
نارجیل	ناریل	

۱۔ عرب و ہند کے تعلقات، از مولانا سید سلیمان ندوی الہ آباد ہندوستانی اکیڈمی

الغرض ہندوستان کی بندرگاہوں اور تجارتی مرکزوں میں اسلام نے بغیر لڑائی جھگڑے کے پورے امن اور چین کے ساتھ اپنے قدم آہستہ آہستہ بڑھانے شروع کئے۔ اہلِ ہند اور اہلِ عرب ایک دوسرے کے مذہب، زبان اور طور و طریق سے واقف ہونے گئے۔ عرب و ہند کے تعلقات میں لکھا ہے کہ "آج سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے قرآن پاک کا ترجمہ ہندی یا سندھی میں ایک ہندو راجہ کے حکم سے کیا گیا تھا۔"

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب عجائب الہند مصنفہ بزرگ بن شہریار کے حوالے سے نقوشِ سلیمانی میں لکھتے ہیں کہ اس ملے جلے ایرانی عرب جہازراں بزرگ بن شہریار کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک عرب جہازراں ابو محمد حسن نے کہا کہ "میں ۲۸۸ھ/۹۰۰ء میں منصورہ میں تھا وہاں مجھ سے معتبر بزرگوں نے بیان کیا کہ الرا (الرائے) کے راجہ نے جو ہندوستان کا بڑا راجہ تھا ۲۷۰ھ میں منصورہ کے بادشاہ عبداللہ کو لکھا کہ اسے اسلامی شریعت کی تفصیل سے آگاہ کیا جائے۔ عبداللہ نے منصورہ میں ایک عراقی کو پایا جو بہت بڑا طبع اور خوش فہم تھا اور شاعر بھی اور جس نے ہندوستان میں نشو و نما پائی تھی اور جو اہلِ ہند کی مختلف زبانوں سے واقف تھا۔ اس نے ایک قصیدہ لکھ کر راجہ کو بھیجا۔ راجہ نے اسے طلب کیا اور اس کے حکم سے اس نے قرآن کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔"

فاضل مصنف کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر آمد و رفت رکھنے والے ایرانی اور عرب یہاں کی زبانوں کو سمجھتے اور بولتے تھے اور یہ ہندوستانی اور اسلامی زبانوں کے باہمی اختلاط اور میل جول کے امکان کا پہلا واقعہ ہے جو سفرناموں اور تاریخوں میں مذکور ہے۔

مسلمانوں کا جنوبی ہند میں داخلہ اور یہاں کی اقوام سے انکا میل جول

ہندوستان سے ایران، عرب، فلسطین اور مصر کے تجارتی تعلقات بہت ہی قدیم ہیں۔ یونانی اور رومی قدیم مصنفوں نے ہندوستان کے جغرافیہ

۱۔ نقوشِ سلیمانی از سید سلیمان ندوی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۵۲

کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے ۔ اسی طرح ۱۲۰ء سے ۷۹۱ء تک کے رومی بادشاہوں کے متعدد سکے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں یقین کیا جاتا ہے کہ چھٹویں صدی عیسوی میں خسرو نوشیرواں کے زمانے میں ایران و ہند کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے ۔ بقول ورجل[1] ہندوستانی اور عربی ملاحوں نے انطونی اور قلوپطرا کی حمایت میں جنگ کی تھی ۔ طلوع اسلام اور شام و ایران کی فتح کے بعد مسلمان ہندوستانی ساحل سے قریب تر ہوگئے ۔ ان کے جہاز عرب و ایران کی جنوبی بندرگاہوں سے نکل کر ملیبار آتے ۔ اور پھر ملایا مشرقی جزائر اور چین چلے جاتے ۔ محمد[2] بن قاسم کی فتح سندھ سے پہلے ہی ایران و عرب کے مسلمان تاجر نے ساحل ہند پر مقیم ہو کر یہاں کی عورتوں سے شادی کا رشتہ قائم بھی کیا تھا ۔ ہنری ولکس کے قول کے موافق جنوبی "لبا" قوم عرب کے اس ہاشمی خاندان سے ہے جس کے افراد کو حجاج بن یوسف گورنر عراق نے جلا وطن کیا تھا ۔ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے ملیبار میں قیام کا تحریری ثبوت کولم کے ایک قبرستان میں ایک پرانی قبر کے کتبے سے ملتا ہے جس پر علی بن اودھرمان (UDTHRMAN) کا سن انتقال ۱۶۶ھ لکھا ہے

عرصۂ دراز سے مسلمان یہاں باعزت زندگی بسر کر رہے تھے اور نویں صدی عیسوی سے پہلے وہ تمام مغربی ساحل پر پھیلے ہوئے تھے اس زمانے میں جنوبی ہند میں مختلف عقائد میں کشمکش تھی جس پرانی طاقت کو کھو رہے تھے اور نئی سلطنتیں بن اور ابھرتی جا رہی تھیں ۔ اس زمانے میں ہندو جہاز رانی کو پاپ سمجھتے تھے ۔ اس لئے مسلمانوں نے جہاز رانی اور

---

1. Influence of Islam on Indian Culture by Tarachand, Printed at The Indian Press Alhabad in 1936, page 29

2. تاریخ فرشتہ حصہ اول مخطوطہ (یہ نسخہ میرے کتب خانے میں ہے)

تجارت کی بدولت ہندو راجاؤں میں کافی عزت و وقار حاصل کرلیا تھا
لنکا میں مسلمانوں کے نشانات ان کے جنوبی ہند کے قیام
سے پہلے بھی ملتے ہیں اور یہ یقین کیا جاتا ہے کہ عربوں اور سندھ کے راجہ
کے درمیان دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے ان جہازوں
کو لوٹ لیا تھا۔ جس میں لنکا سے آنے والی مسلمان عورتیں اور بچے سوار تھے
اور دراصل یہی سبب محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے کا تھا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ کالی کٹ کے حاکم ضامرن نے اسلام
قبول کرلیا تھا۔ اور حبیب بن دینار نے اس کا اسلامی نام عبدالرحمٰن سامری
رکھا تھا۔ ہمیں اس روایت کے مشکوک یا صحیح ہونے سے بحث نہیں۔ صرف
یہ کہنا مقصود ہے کہ نویں صدی عیسوی کے اوائل سے ہی مسلمانوں نے
ہندوستانی ساحلوں پر اہمیت حاصل کرلی تھی کہ کنکلور، منگلور، کالیکوٹ
اور کولم میں مسجدیں تعمیر کی گئی تھیں اور ساتھ ہی لگائے گئے تھے۔ اور مسلمان
خاندان وہاں آسائش تمام رہنے سہنے لگے تھے۔ رفتہ رفتہ ملبار کے دوسرے
حاکموں نے بھی مذہب اسلام اختیار کرنا شروع کردیا اور ضامرن نے
اشاعت وتبلیغ اسلام میں مسلمانوں کی کافی مدد کی

مسعودی نے ۹۱۴ء میں ہندوستان کا سفر کیا۔ شام عمان اور بصرہ
بغداد کے تقریباً دس ہزار مسلمانوں کی "سی مور" میں اقامت کا ذکر کرتا ہے۔ اور
بندرگاہ سی مور کی مسجدوں کے متعلق لکھتا ہے۔

ان کے علاوہ ابن سعید (تیرھویں صدی میں) ابوالفدا۔ اور
ابن بطوطہ نے ساحل ملبار کی خوبصورت مساجد اور مسلمانوں کی
اقامت گاہیں۔ ان کی دولت تجارت وحکومت کا ذکر کیا ہے۔ مغربی ساحل
پر مسلمانوں کی اقامت گاہ تنر اور لی میں کابل ذکر تھی۔ جہاں سب سے زیادہ لوگ
آباد ہیں۔ کالڈویل (CALDWELL) نے یہاں بہت سے پرانے برتن اور

مسلمانوں کے سکے جن کی تاریخ سنہ ۷ ء سے سنہ ۱۳۰۰ء تک کی ہے برآمد کیے ہیں
تقی الدین عبدالرحمٰن محمد طیبی ملبار کے بہت بڑے تاجر تھے ۔ وہ یہاں کے ایک
ہندو راجہ کے منیجر تھے ان کے بھتیجے ملک اعظم فخرالدین کو اس راجہ نے اپنا سفیر
بنا کر چین بھیجا تھا اور ان کے بھائی ملک الاسلام جمال الدین طیبی اجارہ داروں
کے جنرل تھے ۔ عربی اور ایرانی گھوڑے یہاں کے راجاؤں کو بیچا کرتے تھے ۔ جنوبی ہند
اور خلیج فارس کی تجارت ان دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھی ۔ راجہ نے تقی الدین
کو ان کی خدمات کے صلے میں ناگپٹن ۔ کاویری پٹن ، کایل اور چند گاؤں عنایت کئے
تھے ۔ جہاں انہوں نے پہلی اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی
سندریا پانڈیا کے انتقال کے بعد سنہ ۱۲۹۳ء میں جلال الدین نے اپنی
خود مختاری کا اعلان کیا ۔ اور تقی الدین کو اپنا لفٹننٹ بنالیا ۔ اس طرح اہل اسلام
کی ایک سلطنت جنوب میں علاءالدین کے حملۂ دکن سے پہلے ہی قائم ہو چکی تھی ۔
سنہ ۱۳۰۶ء میں جلال الدین نے وفات پائی ۔ راجہ نے ان کی جائداد ضبط کرنی چاہی
لیکن ان کے فرزند سراج الدین نے دس ہزار دینار پیش کر کے منصب وزارت حاصل کرلیا
سنہ ۱۳۰۹ء راجہ جب اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کے دونوں بیٹوں میں خانہ جنگی
شروع ہوئی اس وقت ملک کافور ایک بڑی فوج کے ساتھ یہاں آرہا تھا ۔ ایک
بیٹے نے اس کی پناہ چاہی اور دوسرے نے سنہ ۱۳۱۱ء میں اس کا مقابلہ کرکے شکست
پائی ۔ اور اس کو پانسو بارہ ہاتھی ۔ پانچ ہزار عربی گھوڑے اور پانسو من جواہرات
ملک کافور کی نذر کرنا پڑا ۔ اس پرآشوب زمانے میں جلال الدین کے بیٹے سراج الدین
کا تمام اثاثہ لٹ گیا تو نظام الدین ابن سراج الدین نے دہلی جاکر فریاد کی تو سلطان
علاءالدین نے اس کو ملیبار کا سلطان مقرر کیا ۔ اس طرح کاویری پٹن اور ناگپٹن میں
عرب آباد ہو گئے ۔ اور سنگاریٹن میں ایک مسجد تعمیر کی جس کے کتبے پر سنہ ۱۳۳۲ء کندہ ہے

---

[1] حیدر علی خاں و ٹیپو سلطان کے شاہکار ۔ مصنفہ آر عبدالقادر مرحوم میسوری

جمال الدین کے اہلِ خاندان آج بھی کایل پٹن میں آباد ہیں۔

ابنِ بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں غیاث الدین الدمغانی کو مدورا کا حاکم وقت بتایا ہے۔ اور امیر خسرو نے جنوبی ہند کے تامل ملکوں میں مسلمانوں کی بود و باش کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے محمد بن تغلق کے ہمراہ ۱۳۲۶ء میں فتح ملیبار کے موقع پر جنوبی ہند کا سفر کیا تھا۔ چنانچہ ملیبار کی بربادی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بہ بے نیازی او کعبہ خستہ و خوار است۔ بیاد بیں کہ خرابش چوں ملیبار است"

دکن کی زبان

آریہ قوم ایک خاص تمدن اور زبان لے کر ہندوستان میں داخل ہوئی اس نے کچھ تو اثرات یہاں کے رہنے والے دراوڑی قبائل پر ڈالا اور کچھ خود ان کی زبان اور تمدن سے متاثر ہوئی اور پھر فاتح و مفتوح اقوام نے مل جل کر قدیم ہندو تہذیب و تمدن کی عمارت تعمیر کی لیکن دراوڑی اقوام کے جو قبائل آریوں کے خوف سے یا احساس کمتری کی بدولت وندھیاچل کی پہاڑیوں کو پار کر کے جنوبی ہندوستان میں داخل ہو گئے تھے انہوں نے اپنی زبان الگ تھلگ ہی رکھی۔ لہٰذا اس وقت بھی جنوبی ہندوستان میں ۲۵ فیصدی دراوڑی،[1] اس بولنے والے قبائل موجود ہیں۔ گریرسن دراوڑی زبانوں کی تقسیم یوں کرتا ہے۔[2]

اصلی دراوڑی زبان
دراوڑی زبان — آندھرا زبان — براہوی
ٹوڈو — کوڑاگو — کنارس — تلگو — کولامی
ملیالم — تامل
بڈاگا — کوٹا — ٹوڈا
کوئی
گونڈی
مالتو — کوروخ
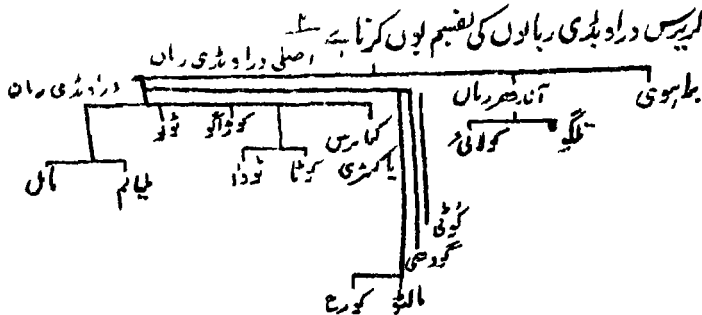
1- Languages Linguistic problems by S.K Chaterji Page 8
2- Grierson's Linguistic Survey of India Vol 1 part-1

ان میں سے چار ترقی یافتہ اور ادبی زبانیں کنڑی۔ تامل۔ تلگو اور ملیالم ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور دراویڈی زبانوں کی ۲۳ اقسام کے نام بتاتے ہیں[1]۔

تامل زبان[2] اپنی قدامت اور عظمت کی وجہ سے بہت اہم ہے۔ تامل کی قدیم تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان کم از کم بارہ ہزار سال قبل مدغاسکر سے جاوا تک تقریباً سولہ لاکھ مربع میل کے علاقے میں بولی جاتی تھی اور دس ہزار سال پیشتر یہ علاقہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ تامل ناڈ کے علاقے پر پانڈیا خاندان حکمراں تھا۔ اس دور میں تامل کا مرکز قدیم مدورا تھا۔ اسی زمانے ہی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم ہوا۔ اس دور کی اکثر تصنیفات نظموں کی صورت میں تھیں۔ جو اس وقت نایاب ہیں۔ صرف ان کے نام بتائے جاتے ہیں۔ ۳۰۰ء سے ۶۰۰ء تک ٹمل ادب پر بدھ اور جین مذہب کا اثر نمایاں ہے لیکن اس زمانے کی پانچ اہم تصانیف ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ٹمل ناڈ کے علاقے کی اصلیت کی حامل ہیں اور شمال کی کسی زبان کے اثرات اس میں نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ انہیں ٹامل زبان کے تاریخ ہیرے کہا جاتا ہے۔ ۹۰۰ء سے ۱۳۰۰ء تک عوام میں ہندو مذہب مقبول ہونے لگا۔ بدھ اور جین مذہب کے اثرات زائل ہونے لگے۔ اس کا اثر ٹامل ادب پر بھی ہوا سنسکرت کی کتابوں کے ٹامل میں ترجمے ہونے لگے۔ جنوبی ہند میں مسلمانوں کی مستقل اقامت کے بعد انہوں نے بھی ادب کی ترقی میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں چنانچہ عمر نے "سیرا پرانم" نامی تصنیف میں حضور صلعم کی سیرت اور اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مسلمان شاعروں اور ادیبوں نے اس زبان کی ترقی میں اہم حصہ لیا ہے

ٹمل اور ملیالم ایک ہی زبان کی دو شاخیں ہیں۔ ملیالم کی بول چال اور

---

[1] ہندوستانی لسانیات از ڈاکٹر سید محی الدین زور مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن۔ بار اول صفحہ ۹۔

[2] ٹمل ادب کا ارتقا

ادبی زبان میں فرق ہے۔ ادبی زبان تامل سے قریب تر ہے۔ اس زبان کو حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں تھی لہٰذا یہ ابتدائی ترقی میں بہت سست رفتار رہی آٹھویں[1] صدی عیسوی میں تھولن نامی ایک نمبودری برہمن نے ملیالم اور سنسکرت کے ملے جلے الفاظ میں چند اشلوک لکھے۔ اس سے ملیالم زبان میں سنسکرت کے الفاظ کی شمولیت ہوتی گئی اور تمل سے اس کے تعلقات کم ہونے لگے چیرو سری نامی شاعر نے جس کو ملیالم زبان کا سورداس کہا جاتا ہے۔ "کرشنا گاتا" سلیس ملیالم زبان میں مرتب کرکے پیش کیا۔ ملیالم زبان میں نثر نگاری کا آغاز چودھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ جب کہ جنوب مسلمان طاقتور ہو چکے تھے۔ اور دکنی اردو ان کی بول چال کی زبان تھی۔ اس وقت تک چونکہ ملیالم کو معیاری درجہ نہیں ملا تھا۔ لہٰذا دکنی اردو اور ملیالم ایک دوسرے سے بے نیاز ہی رہیں۔ ملیالم جنوبی ہند کے مغربی ساحل میں مروج ہے۔ تلگو بولنے والے صوبہ مدراس کے شمالی حصہ اور آندھرا کے جنوب مغربی اضلاع میں آباد ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی کے بعد تلگو زبان کتبوں میں پائی جانے لگی اس زبان کو پرانی تلگو کہا جاتا ہے۔ جنوبی ہند کی تمل اور کنڑی زبانوں سے قریب تر معلوم ہوتی ہے۔ اس میں سنسکرت عنصر بہت کم پایا جاتا ہے نویں صدی کے درمیانی عہد ہی سے نظم کے کتبے ملتے ہیں۔ دسویں صدی عیسوی کے بعد تلگو زبان کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ سنسکرت بحروں کا استعمال کیا گیا۔ اور بہت سے سنسکرت الفاظ اور محاوروں کو اپنا کر یہ زبان وسیع ہو گئی پھر جنوبی ہندوستان میں اسلامی حکومت کے دوران میں تلگو میں بہت سے ہندوستانی الفاظ داخل ہو گئے

کنڑی زبان جنوبی ہندوستان کی اہم زبانوں میں ایک ہے۔

۱۔ جنوبی ہند کا سہ ہزار ادب ملیالم ادب (ارلسا پورا ناکرشنن) صفحہ ۱۹۹

ریاستِ میسور۔ مدراس، بمبئی، حیدرآباد اور کرگ میں اس کے بولنے والے تقریباً دو کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں۔ اب تک کی بعض تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مہابھارت اور رامائن کے زمانے میں ہی کنڑی علاقوں کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ موہن جوڈارو کے تاریخی مقامات کی کھدائی سے جو چیزیں ملی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان اس وقت ترقی یافتہ صورت میں موجود تھی۔ اس سے قطع نظر نویں صدی عیسوی میں کنڑی کی قدیم تصانیف کا پتہ چلتا ہے پانچویں اور بارھویں صدی کے درمیان کا دور قدیم یا کلاسیکل کنڑی کا پہلا دور ہے۔ دوسرا دور ویراشیوا دور کہلاتا ہے۔ یہ بارھوں صدی عیسوی سے شروع ہوکر پندرھویں صدی عیسوی پر ختم ہوتا ہے۔ گیارہویں اور بارہویں صدی کے درمیان ر سنسکرت آمیز کنڑی کا رواج تھا پھر اس کی مخالفت کی گئی۔ بارہویں صدی عیسوی میں بسوا اور اس کے پیرؤں نے عوامی زبان میں اپنی تخلیقات پیش کیں۔ کنڑی ادب میں "وچنا" یعنی عوامی طرزِ بیان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا

کنڑی زبان میسور اور اس سے ملحقہ کوئمبتور کے حصوں سیلم۔ اننت پور بلاری اور حیدرآباد کے جنوب مغربی علاقہ میں بیدر تک ستارہ کے انتہائی جنوب مشرق اور مغرب میں کولہاپور تک بولی جاتی ہے۔ اس کے شمال اور مغرب میں مرہٹی مشرق میں تلنگی اور ٹامل اور جنوب میں ٹامل کوڈگو اور تولو بولی جاتی ہیں[2]۔

ان چاروں زبانوں کو جنوبی ہند کی مختلف ہندو حکومتوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ اور دراوڑی اقوام آریاؤں کے نفرت آمیز سلوک سے

۱۔ کنڑی ادب کے تین اہم دور از نرسمہا جنوبی ہند کا بہترین ادب

۲۔ ہندوستانی لسانیات

بد دل ہو کر جنوبی ہند وستان میں ایسے بکھرے ہوئے تمدن کی شیرازہ بندی کر رہی تھیں۔ چھٹویں صدی قبل مسیح میں مہاویر اور گوتم بدھ نے جین اور مذاہب کی بنا ڈالی معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں آریہ جنوبی ہندوستان سے روشناس ہو چکے تھے۔ اگرچہ یونانی سفیر میگاستھنیز اور چندر گپتا کے وزیر چانکیا نے جنوبی ہند کی سیاست کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دراصل اشوک کے عہد سے جنوبی ہند کی تاریخ پر روشنی پڑنے لگتی ہے۔ اس کے لاٹ اور کتبے موجودہ ریاست میسور کے جنوبی حصے تک پائے جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ اشوک نے اپنے ایک کتبے میں انتہائی جنوبی ہند کی ریاستوں کے نام گنائے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے انتقال کے بعد جنوبی ہند کی ڈراوڈی ریاستیں پھر سے خود مختار بن گئیں۔ پہلی یا دوسری صدی عیسوی۔ دکن میں پانڈیہ کے راجگوں کے عروج کا زمانہ تھا انہوں نے خاص طور سے تامل زبان کی سرپرستی فرمائی ۶۲۰ء میں چالوکیا کے ایک راجہ پولکس ثانی نے شمالی ہند کے راجہ ہرشا کو دریائے نربدا کے کنارے شکست دی تھی۔ یہ خاندان کنڑی زبان کا سرپرست تھا۔ کلیانی چالوکیا خاندان علم و فضل کا بڑا قدردان تھا۔ یادوا خاندان جنوب میں ۱۳۱۸ء تک علاء الدین کے جنوبی ہند پر حملوں تک حکمراں رہا۔ ہوسلا خاندان جو دوار سمدر پر حکومت کرتا تھا یہ بھی ملک کافور کے حملوں کی نذر ہو گیا۔ تاہم کچھ عرصہ بعد ہی بہت شکست خوردہ دراوڑی اقوام نے مل جل کر سلطنت وجیانگر کی بنا ڈالی جو کامل دو سو سال حکومت کرنے کے بعد بہمنی سلاطین کے متحدہ حملوں کا شکار بن گئی۔ باوجود اس سیاسی انتشار کے دراوڑی اقوام نے اپنی زبانوں ادب و تمدن کو زمانے کی دستبرد سے بچائے رکھا۔

شمالی ہند کی فوجوں کا
جنوبی ہند میں داخلہ اور
سلطنت بہمنی کا قیام

علاء الدین خلجی کا زمانہ دکن کی سیاسی و ادبی تاریخ میں
بہت ہی اہم ہے علاء الدین نے جو اپنے چچا جلال الدین خلجی کے زمانے میں بنگال
کے ایک صوبے کڑہ کا حاکم تھا دیوگری پر حملہ کر دیا اور قلعہ کو فتح کر وہاں کے راجہ
رام دیو سے بہت سا مال حاصل کر واپس ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی لشکر دکن
کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ پھر علاء الدین کی تخت نشینی کے بعد اسلامی فوجیں پے درپے
دکن میں داخل ہونے لگیں۔ ملک کافور کی سرقیادت دیوگری، ورنگل، دوار سمدر اور
ملیبار فتح ہوئے۔ دکن کے ہوسلا، کاکتی، یادو، اور پانڈیہ نامی قدیم
خاندانوں کی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطنت ہوسلا اور یادو دہلی کی باجگذار بن گئیں
۱۳۱۶ء میں علاء الدین نے وفات پائی اور اس کے جانشین مبارک خاں قطب الدین
کے عہد حکومت میں دیوگری میں ایک مسلمان گورنر مقرر کیا گیا۔ ۱۳۲۳ء میں ورنگل کی
ہندو حکومت بھی ختم ہو گئی ملک کافور جب دکن کے بعد دہلی واپس ہوا تو ان مفتوحہ
علاقوں کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے مسلمان گورنروں اور سپاہیوں کی کثیر تعداد
یہاں چھوڑا گیا۔ محمد بن تغلق ۱۳۴۶ء میں ہوسلا کی راجدھانی دوار سمدر کو فتح کر کے
سیلون کی فتح کے ارادے سے آگے بڑھا۔ بل آدم کی مرمت کروائی۔ پھر اس نے اپنا
ارادہ منسوخ کر دیا اور جنوبی اضلاع میں اپنا گورنر مقرر کر واپس ہوا۔ بعد ازاں محمد
بن تغلق نے جنوب کی دور دراز سلطنتوں کے پیش نظر دولت آباد (دیوگری) کو اپنا

دارالخلافہ بنانا چاہا۔ اس ناکام کوشش کی وجہ سے اس کی قوت لوٹ گئی۔
مرکزی حکومت کے کمزور ہوتے ہی ملتان، ملبار اور ورنگل میں بغاوتیں پھیل گئیں۔

دہلی سے دولت آباد آئے ہوئے لوگوں میں حسن نامی ایک شخص نے جنوبی ہندوستان کی ابتر حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطنت بہمنی کی بنیاد ڈالی اور سلطان علاء الدین حسن گنگو کے نام سے ۱۳۴۷ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کا پائے تخت گلبرگہ قرار پایا

اس سے دس گیارہ سال پیشتر جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی ہندو ریاست وجیانگر کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ہری ہر اس ریاست کا پہلا راجہ تھا شمال میں سلاطین دہلی کی کمزوری اور جنوب میں ہوسلا کی ملک کافور کے ہاتھوں بربادی اس سلطنت کی وسعت و فروغ کا موجب ہوئیں۔ سلاطین بہمنی اور اس ریاست میں ہمیشہ رقابتی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ کرشنا دیو رایا ریاست کے اکثر اضلاع پر قابض تھا۔ یہ راجہ کنڑی سنسکرت اور تلگو زبانوں کی سرپرستی کے لئے مشہور روزگار تھا۔ بہمنی سلاطین میں محمود شاہ فارسی اور عربی زبانوں کا ماہر، علم دوست اور فیاض بادشاہ گذرا ہے۔ اسی کی دعوت پر خواجہ حافظ شیرازی نے دکن آنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے یتیموں کی تعلیم کے لئے گلبرگہ۔ بیدر۔ قندھار ایلچپور۔ دولت آباد وغیرہ مقاموں میں سرکاری مدارس کھولے تھے۔ بہمنی سلطنت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ آندھرا کے کئی صوبے، بمبئی کے کئی حصے اور مدراس کے شمالی اضلاع اس کی سلطنت میں شامل تھے۔ بادشاہ جنوبی ہندوستان کی بیشتر زبانوں میں گفتگو کرتا تھا اہلِ کمال کی خوب آؤ بھگت ہوتی تھی شعر و شاعری کے علاوہ تفسیر، حکمت اور فلسفہ سے بھی بادشاہ کو خاص دلچسپی تھی۔

حرمِ شاہی میں عربی و ایرانی بیگمات اور لونڈیوں کے علاوہ ترکی، فرنگی

---

[1] تاریخ فرشتہ حصہ سوم صفحہ ۴۷

خطائی، افغانی، راجپوت، بنگالی، گجراتی، ملنگی، کنڑی اور مرہٹی بیگمات کے گروہ تھے

اسی بادشاہ کے عہد میں سید محمود گیسو دراز دہلی سے دکن تشریف لائے۔ بادشاہ نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اس کے بھائی احمد خان خانخاناں نے آپ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کروائی

نیز بہمنی خاندان کا مشہور بادشاہ محمد شاہ ثانی صاحب علم اور علم دوست گذرا ہے اس نے ایک لشکر عظیم محمود گاواں کی سرکردگی میں دکن کے قلعے فتح کرنے کے لئے روانہ کیا تھا سلطنت بہمنی کے زوال کے بعد بیجاپور، گولکنڈہ، احمدنگر، بیدر، اور برار کی پانچ اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں۔

۱۴۹۰ء سے ۱۶۸۶ء تک بیجاپور میں عادل شاہی حکومت قائم رہی اور قطب شاہی خاندان ۱۵۱۸ء سے ۱۶۸۷ء تک گولکنڈہ میں حکمراں رہا۔ کرشنا دیو رایہ کے بعد سلطنت وجیانگر کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلاطین بیجاپور، گولکنڈہ، برار اور احمدنگر نے مل کر ۱۵۶۵ء میں تلکوٹے کی جنگ میں اس کا خاتمہ کر دیا اس سلطنت کے کئی حصے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور متعدد جاگیردار اور چھوٹے چھوٹے راجہ میسور کے مختلف مقامات پر قابض ہو گئے۔ اس وقت قدیم یادوا کے ایک قابل فرد راجہ وڈیر نے (۱۵۷۸ء تا ۱۶۱۷ء تک) میسور میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور سرنگا پٹن سے وجیانگر کے نام نہاد گورنر کو نکال کر خود تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

وجیا نگر کے تعلقات دکن کی مسلم ریاستوں سے

سلاطین بہمنی میں فیروز شاہ تاج الدین نے ۱۳۹۷ء میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ وجیا نگر کے راجہ دیو رایا کی لڑکی سے شادی کر لی اور برہمنوں کو اپنی سلطنت میں بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اس نے دکن کو عراق و ایران کے اثر سے بچا کر ایک خاص ملکی تمدن کا مرکز بنانا چاہا۔ بادشاہ کی اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ ایک[2] مرتبہ مشرقی صوبجات کے رڈیوں نے وجیا نگر کی ہندو ریاست کے خلاف اس کی مدد کی تھی۔

فیروز شاہ کے بعد اس کے جانشین احمد نے بھی دکن میں ایک ملے جلے تمدن کی بنا ڈالنی چاہی اس کا ثبوت ہمیں بادشاہ کے سالانہ عرس سے ملتا ہے۔ عموماً یہ عرس ہندو کیلنڈر کے مطابق منایا جاتا ہے۔ ٹھیک اس تاریخ سے جب کہ ہولی کی عید منائی جاتی ہے۔ عرس کی رسوم کا آغاز ہوتا ہے۔ گلبرگہ میں مدھیال کے لنگایتوں کا سردار تین سو آدمی اور بہت سے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ مسلمان فقراء کے لباس میں بیدر آتا ہے۔ عرس کے تمام رسوم وہی بجالاتا ہے۔ اس عرس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہوتے ہیں نیز وجیا نگر کی عمارتوں میں بھی بہمنی اثر

1- History of India part II of The Madieval India By K. A. Nilakanta Shastry Printed at the Central Arts Press, Madras in 1952 Page 13

2 The Bahmanis of The Deccan By Haroon Khan Sharani, Page 194 Published By Internation Printers Hyderabad Deccan March 30, 1956.

پایا جاتا ہے ایک زمانہ کے ملٹ پر ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ء میں دیوا رایا دوم وجیا نگر کو سورانا یا سلطان کہا گیا ہے

بہمنی سلاطین بغیر کسی مذہبی تعصب کے اہل علم وفضل کے قدر دان تھے ۔ اور رعایا کے ساتھ ہندو مسلم کی تفریق کے بغیر سلوک کیا کرتے تھے ۔ دوسری طرف وجیانگر کی ریاست میں بھی مختلف عہدوں پر مسلمان فائز تھے ۔ دیو رائے کے مصاحبوں میں سے ایک مسلمان احمد خاں نامی تھا۔ ۱۳۴۳ء میں دیو رائے دوم نے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی تو اس میں بہت سے مسلمانوں کو داخل کیا خصوصاً تیراندازی کا کام مسلمانوں کے سپرد تھا۔ ہندو مسلمان بڑے ملاپ سے رہتے تھے ۔ اکثر مسلمان تجارتی جہریں لے کر یہاں آتے اور راجہ ان کی کافی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا

ریاست میسور ۔ رفتہ رفتہ میں وجیانگر کے تابع فرمان تھی ۔ یہاں بھی مسلمان اطمینان سے رہتے تھے ۔ چنانچہ ریاست میسور کے ایک پرانے شہر سمہ گنڈ میں ایک سنگین مسجد تقریباً ساڑھے چار سو برس پرانی ہے اس میں کنڑی زبان میں ایک سنگین کتبہ نصب ہے ۔ جس پر یہ عبارت کندہ ہے ۔ سنہ سالونہ لکھا ہے ۔ ۱۴۵۹ء یا دستی اور مطابق ۱۵۳۷ء میں پالیگار رنگیا نائک نے یہ مسجد تعمیر کی اور سبو پور جاگیر چھوڑی ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت وجیانگر میں مسلمانوں کا اثر وعمل ودخل خاصہ تھا کنڑی زبان میں عربی لفظ سنہ کی موجودگی اس بات کی شاہد ہے کہ عربی بولنے والے مسلمان یہاں اس وقت کافی عرصہ پیشتر ہی موجود تھے

---

۱ ۔ یہ مواد جناب مولوی آر عبدالقادر صاحب مصنف شاہکار حیدرعلی و ٹیپو سلطان کے مسودات سے حاصل کیا گیا ہے ۔

دکن میں صوفیائے کرام کی سرگرمیاں اور ان کی زبان

بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی کتاب[1] "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں شیخ حمید الدین ناگوری (ولادت ۵۹۰ھ مطابق ۱۱۹۴ء اور سنہ وفات ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء) کے حالات لکھتے ہوئے سرور الصدور صفحہ ۲۴ کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس زمانہ میں ان صوفیائے کرام کے گھروں میں ہندی بول چال کا رواج تھا اور اسی کو یہ اپنی تعلیم و تلقین کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے اور یہ زبان ہندی کے نام سے موسوم تھی۔

حضرت شاہ برہان الدین غریب (وفات ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) کو جب حضرت نظام الدین اولیاء نے دکن کی جانب عطا کر کے یہاں روانہ کیا تو آپ بابا فرید شکر گنج کی صاحبزادی بیوی عائشہ کی بیٹی کو دیکھ کر متبسم ہوئے تو بیوی عائشہ نے ملتانی زبان میں کہا[2] "ای برہان الدین ساؤس دھیہ کہ کہیا بندا ہے" چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اولیاء اللہ اپنی مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف استعمال کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین کے خلیفہ اور جانشین حضرت شیخ نصیر الدین

۱۔ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام صفحہ ۹

۲۔ " " " " " " " صفحہ ۱۴

چراغ دہلوی تھے اور آپ کے خلیفہ و مرید حضرت سید محمد ابن یوسف الحسنی دہلوی (متوفی ۸۲۵ھ) تھے۔ جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد گجرات سے ہوتے ہوئے اپنے بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ ۸۱۵ھ میں گلبرگہ آئے۔ فیروز شاہ بہمنی نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ اور اس کا بھائی احمد خان خانخاناں جو اس کے بعد بادشاہ بنا ان کا بڑا معتقد بن گیا۔ آپ بڑے عالم و فاضل اور صاحب تصنیف بزرگ گذرے ہیں فارسی اور عربی کے علاوہ آپ نے دکنی زبان میں بھی متعدد رسالے لکھے ہیں۔ جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں دکنی زبان میں لکھے ہوئے آپ کے متعدد رسالوں کے نام درج کئے ہیں۔ "تلاوت الوجود۔ درالاسرار۔ شکار نامہ۔ تمثیل نامہ۔ ہشت مسائل اور آپ کی لکھی ہوئی دو ایک غزلوں وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے اور آپ کا ایک رسالہ معراج العاشقین شائع بھی ہو چکا ہے۔

میرے پاس بھی آپ کے متعدد رسالے ہیں جو مجھے تحقیق زبان کے زمانے میں میسور[1] کے ایک قدیم کتب خانہ سے ملے تھے۔ ان میں سے ایک رسالہ حضرت حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس اللہ سرہ کے نام سے منسوب ہے۔ اس کی عبارت کا نمونہ یہ ہے

"قال اللہ تعالیٰ ہوالاول۔ ہوالظاہر۔ ہوالباطن، خدا کہا کہ اول بھی ایچہ تھا۔ آخر بھی ایچہ۔ ظاہر بھی ایچہ ہوں۔ باطن بھی ایچہ ہوں۔ یوں کہے تو لیس فی الدارین الا ہو

نہیں اس دونو جہاں لغیر از خدا۔ یہی اول و آخر، ظاہر و باطن اس چار رو جا کا دہجہ ہے۔ کیونہ کہی تو اس کے ایک وجود سوں پانچہ حال پیدا

[1] یہ کرم خوردہ رسالہ میسور کے آصفی خاندان سے ملی جو ٹیپو سلطان شہید کے زمانے میں وہاں برسر حکومت تھا

ہوی۔ اس پانچہ حال کوں پانچہ مقاماں کرنانوں رکھنا ھی۔ اس پانچو
"حال کی بانچہ مقامانکا لذت لینے کی واسطہ بانچہ مقامانکی موافق پانچواں
وجوداں لیا سو قدرت بی معین ہوئی ہیں ایاال لے تھائی س اول حدا
اپی تھا سو مقام ہوآ یا جس لذت کوں سوں کا بیاں ہور اوسکی بانچو حالاں
کا بانچہ وجوداں کا بیاں یہاں سوں کہتا ہوں۔ س اول گنج مخفی سوں بیود
ہوا تھا۔ اس بیودی کو ہاہوت کرنا نانؤں رکھا ہوا بیودی سوں ہوش کا
نظر لیا سو ہوشکی نظر کوں لاہوت کرنانوں رکھیا ہور اوس ہوشکے نظر سوں
عرفان میں آکر بہار آئی منگیا سو عرفان کی منگی میں سوں اربع عناصر ذات
میں سوں پیدا ہوئی سو عناصر"

اس کے علاوہ متعدد رسالے جو خواجہ بندہ نواز کے نام سے
منسوب ہیں۔ اس بیاض میں ہیں چونکہ ان رسالوں کے آخر میں ان کے نام یا
مصنف کے نام مندرج نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ تاہم ان کی
بعض ابیات جو اس بیاض میں منقول ہیں حسب ذیل ہیں

اس کا نور دو بھایے نا یا	حق ہوا ہے لطف سدا
حطری جو کیسے طرف سو چلی آئیں	اس شمع بوجیوں پینگ لی جائیں
یہ جو تیرا نچہ آئینہ ہے	سب اوسکے بیچ معائنہ ہے
جاہل کہی لوڑنا ہے یہ بعض	کامل کے توڑنا ہے یہ بعض
اس نور سوں نور جور سوں جور	یعنی کہ لوں نفس کوں نکو چھور

اس کے علاوہ اس بیاض میں ایک اور رسالہ بنام خلاصۂ توحید تصنیف خواجہ
بندہ نواز گیسو دراز موسوم ہے اس کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے
کہتے کہ اًمخفی کے حال کوں ذات صرف ذات لاشرط لا بشرایط و
لاتعین غیب الغیب و وجود البحت مجہول النعت عین الکافور ذات مبارج
منطلق الاشارات غیب الہویت عین المطلق۔

ذات بلا اعتبار ہو مرتبہ ہویت بولتے ہیں اور یہی ناہیا بہوت ہیں
ہور اس استطلاحات کوں اولیائے کامل و محققان کامل بیچ استطلاح
دکھن کے اس حال کا ناؤں این دیکھ بولتے ہیں جسوقت دیکھ تصرف میں
نیں آیا تھا او دیکھے بھی بولتے ہیں ہور سمج بھی بولتی ہیں۔ بیچ گنج مخفی
کے دو صفتوں سوں تہا این دیکھ این شاہد دیکھ ذات شاہد صفات این
نور مصدر دو نوں کا اوس مصدر کے تیں حقیقت محمدی بولتے ہیں این دیکھ
ذات نی بیچہ آینہ این شاہد صفات کی دیکہا یعنی دیکھا اپنا سو چ نور دستا
پنا سوجہ شاہد دستے پنے میں دسیا سوجہ روح الروح منفہم یعنی سمہ
آینہ دستے بنے کے اپنا چہ عکس دسا سو روح مبہم ہیں

الغرض یہ کوئی سات صفحوں کا رسالہ ہے۔ آپ کے بعد آپ کے
پوتے سید عبداللہ حسینی نے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی کتاب
"نشاط العشق" کا دکنی زبان میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح بھی لکھی
تھی۔ شیخ شمس العشاق شاہ میراں جی متوفی ۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ء جو مکہ معظمہ سے
ہندوستان آکر شاہ کمال الدین محمد بیابانی کے حلقۂ ادب و ارادت میں
داخل ہوئے تھے اردو زبان کی بڑی خدمت کی ہے۔ آپ کے کئی رسالے
دکنی زبان میں موجود ہیں جن میں ایک نام "شہادت الحقیقت" ہے ان
کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

اس کا لعنت نا سنگ	اس نیانان کا رنگ
اُن کیا ... اپنا حال	دیہہ ... کمال
کچھ ... ہے	... کیوں کہہ ...

۱؎ اردو کے ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام (مرتبہ) بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب
شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی۔ بار دوم ۱۹۳۹ء، صفحہ ۳۵

آپ پہلے صوفی بزرگ ہیں جن کا کلام مندرہ نوار کے بعد مستقل طور پر ملتا ہے۔ آپ کے فرزند شاہ برہان الدین جانم نے دکنی زبان میں نظم ونثر تصنیف وتالیف کا سلسلہ قائم رکھا۔ آپ کے منظوم کلام کے نمونے "اردو زبان کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں دیئے گئے ہیں۔ لیکن مجھے آپ کا جو کلام دستیاب ہوا ہے اس کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

ظاہر کا تن واجب الوجود اوسکا دیکھ روح جاری اوسکا
شاہد منور بو سوم سدۂ باطن کا تن ممکن الوجود اوسکا
دیکھ روح منقم اوسکا شاہد اادرہ نبوں محمد کے درجی
ذات کا وجود ایں نور ذات کا دیکھ ایں دیکھ ذات
کا شاہد ایں شاہد ہے مبوں ذات کی درجی منگیا سو
نفس جانا سو دل دیکھا سو روح روح سو جیو
سو سدرہ سدرہ سو آنکھ اوس پر شاہد سو اللہ الحمد پر
اول ذات ہیں سوں اثبک اللہ ایک شاہد نکلے
ذات پر شاہد ایں ساہا اوس امں شاہد کا ناؤں
ایں دیکھ رکھی مہراد امں دیکھ بھی سو روح منقم کرا
آکر کے بے وصل اوس وصل کا فراق روح مبہم پر آیا اور
کے شاہدی آئی میں روح منعم کو فراق ہوا ہور منعم
بہا سو روح جاری ہو کر شاہد میں مل کر شاہد پر آکر دیکھا سو شاہد کون
فراق شاہد دیکھا سو جاری ہو کر دیکھ پر آکر گواہ داری دیا "

اس کے علاوہ میرے پاس آپ کے صاحبزادے شاہ امین الدین اعلیٰ کا ایک رسالہ نام ارشاد نامہ موجود ہے[2] بہر حال یہاں یہ ناکر یا مقصود ہے کہ بہمنی سلطنت کے

۱۔ آصفی خاندان سرا سے دستیاب شدہ بیاض
۲۔ بیاض از آصفی خاندان سرا

زمانہ سے ہی اردو میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس زمانہ
میں میسور ریاست دیجانگر کا باجگذار تھا۔ دیجانگر کے راجہ دیو رایا کی بیٹی کی سلطان
فیروز شاہ بہمنی سے شادی کے بعد بعض مسلمان خاندان بہمنی سے نکل کر دیجانگر
کی فوج میں داخل ہو گئے۔ ممکن ہے اس زمانہ میں موجودہ حدود میسور میں بھی بعض
مسلمان خاندان آباد ہو گئے ہوں اور دکنی زبان اور اولیائے کرام کی تصانیف
واقوال اپنے ساتھ لائے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میسور کے ایک قدیم خاندان سے
خواجہ بندہ نواز، برہان الدین جانم اور امین الدین اعلیٰ کا کلام بھی شاہ محمد
صدرالدین کے رسالوں کے ساتھ ساتھ ایک بیاض میں لکھا ہوا دستیاب ہوا
اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی بول چال کی زبان یہی دکنی تھی
اس لئے "مسلمان" جہاں جہاں پھیلے گئے اپنے ساتھ اس زبان کو لیتے گئے۔
ریاست میسور مسلمانوں کے لئے کوئی اجنبی جگہ نہ تھی۔ قلندر ولی
اور ان کے خلفاء بابا فخرالدین اور حبیب ولی وغیرہ نے عرصۂ دراز پیشتر ہی تبلیغ و
اشاعت اسلام کے سلسلے میں یہاں کے دورے کئے تھے۔ ملک کا دور جنوبی حدود ستان پر
حملے کے دو سو سال پیشتر داداحیات قلندر نامی ایک بزرگ نے چکمگلور ڈسٹرکٹ کی
بابابڈھن[1] کی پہاڑیوں میں اپنی چلہ گاہ بنائی تھی۔ اسلام کا سرچشمہ ریاست میسور
میں پہلے پہل بابابڈھن گری اور باباودرمدگیری کی چلہ گاہوں سے رواں ہوا تھا
میسور کی نوربافت اور بدافوام، بابا فخرالدین کی جنلد رگ میں جلہ کسیوں کی یادگار ہیں

---

[1] بابابڈھن داداحیات قلندر کے خلیفہ تھے جن کے نام سے یہ پہاڑ موسوم ہے

سلاطینِ دکن کی اردو نوازی

بہمنی سلطنت کے خاتمہ کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی سلاطین کی سرپرستی میں دکنی اردو خوب پھولنے پھلنے لگی۔ ان سلاطین کی قدردانی اور فیاضی نے سیکڑوں عالموں، ادیبوں، شعراء اور ارباب فن کو اپنے درباروں میں جمع کیا۔ ۱۵۶۵ء میں وجیانگر کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد مسلمان کسی روک ٹوک کے بغیر دریائے کرشنا کے جنوب میں بسنے لگے۔ یہ زمانہ جنوب میں مسلمانوں کی قوت، اقتدار اور عروج کا تھا۔ بیجاپور کی اسلامی سرحدیں ۱۵۷۷ء میں بنگلور تک پہنچ گئی تھیں۔ ادھونی اور مغربی گھاٹ کے بعض علاقوں میں سلاطینِ بیجاپور کا علم لہرا رہا تھا۔ اس وقت ریاست میسور کا حاکم راجہ وڈیر صرف تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار اور تینتیس ۳۳ دیہات کا حاکم تھا۔ سقوط وجیانگر کے بعد اس کے اطراف و جوانب کے نائیکوں اور پالیگاروں کو شکست دیتا ہوا ۱۶۱۰ء میں وجیانگر کے گورنر کو سری رنگپٹن سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ کنٹھی راؤ نرسا راجہ کے عہد میں (۱۶۳۹ء تا ۱۶۵۹ء) میسور اور بیجاپور کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملنے لگیں۔ سلاطین بیجاپور میسور کے بعض حصے پر قابض تھے۔ علی عادل شاہ اول (۱۵۵۸ء سے ۱۵۸۰ء) کے عہد حکومت میں جنوبی کرناٹک کے بہت سے صوبے بیجاپور میں شامل تھے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء سے ۱۶۲۶ء تک) جو شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کا ہمعصر تھا۔ میسور کے راجہ وڈیر (۱۵۷۸ء سے ۱۶۱۷ء تک) اور اس کے پوتے چامراج وڈیر کی حکومت کے نو سال تک بیجاپور میں حکمران رہا تھا۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے

سرکاری دفاتر میں فارسی کی بجائے اردو کو رواج دیا تھا۔ یہ اپنے چچا علی عادل شاہ اول کی طرح نہایت لائق و فائق تھا۔ شعر و سخن کا شوق بدرجۂ اتم رکھتا تھا ابراہیم تخلص تھا۔ اس کے دربار میں اس عہد کے قابل اور نامور اہلِ سخن جمع تھے۔ زبان اردو سے خاص طور سے شغف تھا۔ سرود ہندی کے ضوابط و قوانین پر بادشاہ نے خود ایک کتاب نام "نورس" لکھی اس بادشاہ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

شمالی عنبر بتیاں پھرائے ست رت گھول امرت بلائے

بادل دمامے بجلیاں بجاوے باجی خالوآ شتابی یا دے

سہلا نورس کلیاں بدھاوے ابراہیم گرگنی گاوے

ابراہیم عادل شاہ کے پوتے علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷/۱۶۵۹ تا ۱۰۸۳/۱۶۷۲) نہ صرف قدر دانِ علم و فن تھا۔ بلکہ خود بھی ایک مسلم الثبوت شاعر تھا۔ شاہی تخلص کرتا تھا۔ اس کی علمی قدر دانیوں نے علماء و فضلا کو دربار میں جمع کرلیا تھا اس کے عہد میں گھر گھر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

مرجان میں صافی یاقوت ہیں صافی اچھے ، جس ذات ہیں صافی اچھے اس ذات کوں بہتر کہو

یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل ، حسن کر جگت کے شاعراں ہیں کوں افسر کہو

نصرتی اس بادشاہ کا درباری شاعر تھا اور ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کی مشہور تصانیف علی نامہ۔ گلدستۂ عشق۔ اسی زمانے میں لکھی گئی تھیں۔

الغرض عادل شاہی دور میں دکنی اردو خوب چمکی۔ رستمی۔ نصرتی سیوا۔ ملک خوشنود ہاشمی اور مرزا مومن خاص شہرت کے مالک تھے۔ اس کے دوش بدوش قطب شاہی خاندان نے بھی دکنی ادب کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس زمانہ میں قطب شاہی سلاطین کی فیاضیوں اور ذاتی دلچسپیوں نے

---

۱ - مدرہ دکن۔ مرتبہ سکینہ بیگم ۱۹۲۹ء بار اول مطبوعہ برقی پریس۔ حیدرآباد دکن۔ صفحہ ۲۲

اردو ادب کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی۔ اس سلطنت کا قیام سلطنتِ بیجاپور کے اٹھارہ سال بعد ہوا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء تا ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء) کے دربار میں عرب و عجم کے شعرائے کرام آتے اور اس علم دوست سلطان کی فیاضی سے سرفراز ہوتے تھے۔ سلطان کا تخلص دکنی اردو میں معانی اور فارسی میں قطب شاہ تھا۔ اس کا بھتیجا سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء تا ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء) بھی اپنے چچا کی طرح شاعر و صاحبِ دیوان اور علم پرور تھا۔ اس کے دیوان بھی فارسی و اردو دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء تا ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء) کی حکومت تقریباً نصف صدی تک اربابِ علوم و فنون سے مزین رہی۔ اس عہد میں اورنگ زیب کے دکن پر حملے شروع ہو چکے تھے۔ بادشاہ عالم اور علم نواز تھا۔ اس زمانے میں مرثیہ نگاری کو خاص طور پر عروج ہوا فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں سلطان کے دیوان موجود ہیں۔ عبداللہ تخلص تھا۔ ابوالحسن تانا شاہ آخری سلطان گولکنڈہ کا پورا زمانہ اورنگ زیب کے ساتھ لڑائیوں میں بسر ہوا لیکن سلطان کے ذوقِ علمی نے شعر و سخن کا بازار باوجود اس کے گرم رکھا۔ ۱۶۸۶ء میں قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا قطب شاہی دور کا سب سے مشہور ادیب و شاعر ملا وجہی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے دورِ حکومت میں اس نے اپنی مشہور مثنوی "قطب مشتری"[1] لکھی اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں "سب رس" نامی کتاب نثر میں تصنیف کی تھی جو دکنی نثر کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ غواصی۔ ابنِ نشاطی، جنیدی، ملا خیالی، تحسین الدین، نوری، فائز شاہی اور مرزا نے اردو زبان اور ادب کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ الغرض سلاطین بیجاپور و گولکنڈہ کے ذوقِ علمی نے دکن میں اردو ادب کو پروان چڑھایا اور اس کا خزانہ ان کی فیاضیوں سے

---

۱ - نادرۂ دکن مرتبہ سکینہ بیگم۔ صفحہ ۲۷

مالا مال ہوا۔ ۱۶۳۶ء میں بیجاپور سلطنت مغلیہ کا باجگذار بن گیا اور اس کے بعد ۱۶۳۹ء میں بیجاپور کی اسلامی فوج رن دولہ خاں کے ماتحت جنوب کی طرف بڑھی اور موجودہ ریاست میسور کے بعض حصوں پر قابض ہوگئی۔ تریکرہ۔ سوا پٹن۔ اور ہری ہر پر قبضہ کرنے کے بعد بیجاپوری افواج نے سرینگپٹن پر بھی حملہ بول دیا۔ حالانکہ سری رنگپٹن فتح نہ ہو سکا تاہم اسلامی فوج نے ماگڑی۔ بنگلور سا وندرگ کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ مشرق کی طرف کولار۔ ہوسکوٹ۔ ویلور اور جینجی پر اسلامی فوجیں قابض ہوگئیں بیجاپور کے دوسرے جنرل شاہجی کی سرکردگی میں بالگھاٹ سے لے کر دوڈبالاپور۔ سرا اور چتلدرگ کا علاقہ فتح ہوا۔ اس مفتوحہ علاقہ کو کرناٹک بالاگھاٹ کا نام دیا گیا اور شہر سرا گورنر بیجاپور کا صدر مقام قرار پایا۔ اس زمانہ میں بیجاپور سے مسلمان آکر میسور کے علاقوں میں آباد ہونے لگے۔ چک دیوراج وڈیرے ۱۶۷۳ء میں ڈاک کا انتظام کیا۔ اور تجارت کو ترقی دی اس وقت میسور سلطنت بیجاپور کا باجگذار تھا۔ راجہ نے مسلمان تجار کے لئے خاص رعایت رکھی۔ اشیائے درآمد پر محصول معاف کیا۔ ہندو مسلم اتحاد اور دوستی کی وجہ سے کنڑی اور دکنی زبان ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے لگیں۔ بیجاپور سے آئے ہوئے مسلمان اپنے ساتھ دکنی زبان اور اس کے ادبی ذخیرے بھی ساتھ لائے تھے۔ لہذا اردو شعر و سخن کے یہاں بھی چرچے ہونے لگے۔ اس زمانہ تک اردو زبان کا مذاق عام ہوگیا تھا۔ ۱۶۸۷ء یعنی رن دولہ خاں کے حملہ کے چھیالیس سال بعد اورنگ زیب جنوبی پر حملہ آور ہوا اور ۱۶۸۷ء میں بیجاپور اور گولکنڈہ کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام جنوبی ہند پر قابض ہوگیا۔ اور یہاں دو صوبہ داریاں قائم کیں۔ ایک آرکاٹ اور دوسری سرا میں صوبۂ سرا میسور میں داخل ہے۔ اور یہ شہر بنگلور سے تقریباً ۷۰ میل دور شمال مغرب میں واقع ہے۔ سرا کا پہلا گورنر قاسم خاں مقرر ہوا۔ اس نے میسور فتح کرکے راجۂ میسور کو مغلیہ سلطنت کا خراج گذار بنا دیا۔ قاسم خاں کے بعد ذوالفقار خاں

گورنر مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں مسلمان میسور کے تمام حصوں میں پھیل گئے
بیجاپور کی تباہی کے بعد وہاں کی کثیر آبادی مغلیہ فوجوں کے ساتھ ملہاری۔
اننت پور اور میسور آئی۔ اس سیاسی انقلاب اور افراتفری کے زمانے میں بھی
اردو ادب کی ترقی کی رفتار دھیمی نہیں ہوی۔ مغلوں کے عہد میں دکنی زبان کے
مندرجۂ ذیل شعرا نے خاص امتیاز حاصل کیا۔ عاجز۔ قاضی محمود بحری
مصنف من لگن۔ شیخ محمد امین۔ محمد فیاض ولی۔ وجدی۔ ہاشمی۔ بیجارہ۔
وشتود سعدی۔ عزیزاللہ۔ عونی۔ قادر۔ لطفی۔ ملک۔ مہر علی۔ ہاشم۔
ہاتف۔ شاہی۔ مرزا۔ قطب۔ موسوی۔ نامی۔ نوری۔ افضل وغیرہ ان سب کا
مفصل حال اور نمونۂ کلام "دکن میں اردو" مصنف نصیرالدین ہاشمی اور
"اردو شہ پارے" مصنف ڈاکٹر سید محی الدین زور میں مل سکتا ہے۔

دکنی اردو کی خصوصیات

جنوبی ہند میں مسلمان ملک کافور کے حملے سے پہلے داخل ہو چکے تھے
ان لوگوں کی زبان عربی تھی اور دیسی باشندوں میں ڈراویڈی زبانیں مروج
تھیں جو مختلف صوبوں میں مختلف راجاؤں کے زیر سرپرستی مختلف شکلوں
میں بولی جاتی تھیں۔ مسلمان تجار جہاں جہاں جاتے نہ صرف ان صوبوں کے
الفاظ اور اصطلاحات اپنی زبان میں شامل کر لیتے بلکہ تجارتی، معاشرتی اور
تمدنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اپنی زبان کے بھی صدہا الفاظ اس ملک کی زبان
میں بڑھاتے رہے۔ لہٰذا مذہبی مصطلحات میں اللہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ،
پیغمبر۔ سیاسی مصطلحات میں بادشاہ صوبہ دار۔ سپہ سالار قاضی۔
وغیرہ فارسی آمیز عربی الفاظ یہاں کی مختلف بولیوں میں مروج ہونے لگے۔ ان
مسلمان تجار کے علاوہ شمالی ہند کی طرف سے مسلمانوں کی آمد نے الفاظ کے لین دین
میں اضافہ کر دیا۔ ملک کافور کی فتح دکن اور محمد تغلق کے دارالخلافے کی دولت آباد
کو تبدیلی اور پھر بہمنی سلطنت کے قیام نے سیکڑوں ہزاروں الفاظ کے ذخیروں سے
یہاں کی ڈراویڈی زبانوں کو مالامال کر دیا۔ عربی آمیز فارسی اصطلاحات اور نام جو
دیسی باشندوں کے لئے بالکل نئی چیزیں تھیں بڑی فراوانی سے ان کی بولیوں میں
استعمال ہونے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا تخم سرزمین دکن میں بویا گیا[1]۔ جہاں
کی آب و ہوا میں یہ تخم بڑھ کر پودا ہوا۔ اور پودا ایک عظیم الشان درخت بن گیا۔ دراصل

۱۔ نقوش سلیمانی از سید سلیمان ندوی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ۔
طبع اول۔ ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۲

دکنی اردو شمالی ہند کی مروجہ اردو زبان کی بگڑی ہوئی صورت نہیں۔ بلکہ اس کا نقش اولیں ہے جس کو پہلے پہل صوفیائے کرام نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں آلۂ کار بنایا

یہ زبان بہت جلد خانقاہوں سے نکل کر دربار میں داخل ہوتی ہے اور شاہانہ نوازشوں سے سرفراز ہوکر مستقل حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔ جوں جوں قبولیت عام کا شرف حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اس کا دامن بھی وسیع ہوتا جاتا ہے جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر جو پرتگالی زبانیں اپنی بگڑی ہوئی شکل میں موجود تھیں۔ ان کے بھی بعض اسماء اس میں داخل ہو جاتے ہیں مثلاً آیا۔ الماری پاسن۔ بسول۔ تولیا۔ کمرہ۔ کاج۔ قمیص۔ کپتان۔ نیلام۔ وغیرہ۔ ان کے علاوہ سیکڑوں گجراتی۔ مرہٹی۔ تلگو اور تامل کے الفاظ اپنی خاص طرز ادا کے ساتھ مستعمل ہونے لگتے ہیں۔ اس زبان کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔

دکن میں الفاظ کی تذکیر و تانیث کا چنداں خیال نہیں کیا جاتا تھا۔
جان۔ شراب۔ صورت وغیرہ الفاظ بطور مذکر مستعمل تھے۔

دکنی زبان اپنے ابتدائی دور میں ڈ کو ڑ پر ترجیح دیتی رہی۔
جیسے بجائے بڑھانا بڈھانا بجائے پڑھنا پڈھنا مستعمل تھے۔

کھڑی بولی و ہریانی کی طرح اسماء کی جمع آں سے کی جاتی تھی۔
مثلاً عورتاں۔ انکھیاں۔ پلکاں۔

اسماء کے ساتھ افعال بھی جمع لکھے جاتے تھے۔ مثلاً عورتاں مانتیاں ہیں۔

اکثر عربی الفاظ صوتی لحاظ سے لکھے جاتے تھے۔ جیسے نفع کو نفا وضع کو وضا یا وزا۔ واقعہ کو واقا۔ منع کو منا

اضافت لیے فاعل کی تذکیر و تانیث یا واحد و جمع کے مطابق ہوتی تھی۔ اضافت کی جمع "کی" کے عوض "کیاں"۔ اور "اس کی" کی جگہ "اسکیاں"

مستعمل تھے ۔ جنی ۔ ایسی ۔ جیسی کی جمع ۔ جتیاں ۔ ایساں ۔ جیساں ۔ ہوتی تھیں
مستقبل کے لئے گا گے ۔ گی ۔ سی بھی پنجابی کی طرح مستعمل تھا ۔ جیسے
خدا کون اسی نظر سے دکھیا ناما سی (دیکھنا چاہیئے)

الفاظ کی تکرار سے جو معنے تاکید یا کمال کے پیدا ہوتے ہیں ۔ ان میں اکثر
"سے" زائد کی جانی تھی ۔ جیسے گھر سے گھر ۔ در سے در ۔ ٹھار سے ٹھار ۔

تمام ایسے الفاظ جن میں ثانی حرف حرف علت ہو اکثر دبا دیئے جاتے
تھے ۔ جیسے اوپر (امر) گال (گل) ہاتھ (ہت) دیکھ (دکھ) سورج (سرج)
کان (کن) ناک (نک) کوئی (کئی) دوسرا (دسرا) سونگھنا (سنگھنا) مانگنا
(منگنا) اور ڈھونڈنا کی جگہ ڈھنڈنا مستعمل تھا

نیز اعراب کو کھینچ کر حرف علت بھی بنا دیتے تھے ۔ جیسے لاگے بجائے لگے
بہوت بجائے بہت ۔ مونھ بجائے منہ ۔ ہوائی بجائے ہوی ۔ راکھے بجائے رکھے
استعمال کرتے تھے ۔

اکثر الفاظ کا اختتام نون غنہ پر ہوتا تھا ۔ جیسے تو کی بجائے توں
کہتے تھے ۔ اسی طرح سوں ۔ سی ۔ کوں بھی مستعمل تھے

"نے" دکنی زبان میں فاعل و مفعول دونوں کے ساتھ مستعمل تھا ۔
نیز جمع متکلم بحالت مفعول ہمنا یا ہمن کون ہوتا تھا ۔
اضافی جمع متکلم ہمیں اور جمع حاضر اضافی حالت میں تمن ہوتا تھا
فعل ماضی بعد بجائے تھا اتھا ۔ اور اعداد میں گیارہ
اگیارہ مستعمل تھے

جھ ۔ بھ ۔ چھ کا تلفظ آسان سا دیا جاتا تھا ۔ جیسے بجائے مجھ "مج"
کچھ "کچ" بھی "بی" ۔ اور حروف نے ۔ تھے ۔ سنی ۔ ہریانی کی مانند دکنی میں بھی

---

۱ ۔ تاریخ نثر اردو حصہ اول مرتبہ احسن مارہروی مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس
علیگڈھ ۱۹۳۹ء مقدمہ صفحہ ۲۳

مستعمل تھے۔ آپسکوں، بجنے، خودکو عام طور سے مروج تھا۔

الفاظ مرکب کی مختلف شکلیں مثلاً جائے ہے۔ مارو، ہوں کھائے ہے۔ ہووے گا۔ لےلیوں۔ وغیرہ رائج تھیں

"ح" برائے تاکید مستعمل ہوتا تھا۔ مثلاً۔ یوںچ (یوں ہی) اپچ (آپ ہی)

"دکن کی آج کل کی زبان" کے زیرعنوان برجموہن دتاتریا کیفی نے اپنی تصنیف کیفیہ میں۔ حیدرآباد کے عام لوگوں اورعوام الناس کی زبان کے بعض الفاظ اور فقروں کے نمونے دئے ہیں۔ اسی قسم کے الفاظ میسور کے دیہاتوں اوران پڑھ طبقے کی عورتوں کی زبان پرآج بھی مروج ہیں

بڑی جڑی بمعنی اُلّو

جھاڑ " درخت

نفل یا قلوف .. قفل

انگار .. آگ

اپ روپ .. نایاب

دستمناگی .. دشمنی

سواد .. مزہ

بدوڑی .. باندی

عارس .. دلہن

یَلو .. دوپٹے ناساری کا آنچل

نازک نیاری بوروٹیاں ناری

پیٹرہ گیا بمعنی مصیبت رفع ہوی

• کیفیہ، ابرجموہن دتاتریہ کیفی شائع شدہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۲

کری	بمعنی	بغیر آسنین کا کرتا یا قمیص
سیپلک	" "	چھپکلی
انکھیاں	" "	آنکھ
دسنا		دکھائی دینا

نیز قدیم اردو میں بیچ بمعنی ہیں۔ سنگ (ساتھ) لگ (تک) کنے۔ نزدیک کاڑنا (نکالنا) انپال (اب) بھیتر (اندر) لس (بر) ہور (اور) وغیرہ الفاظ کرنے مستعمل تھے

ہندی لفظوں کا استعمال کثرت سے کیا جاتا تھا مثلاً موہن۔موہ سجن بجن۔ برہم۔ ربت۔ درپن۔ جگت۔ رہ۔ لکھ۔ پی۔ پیا سنسار۔ دیا۔ چرن۔ نیم۔ ادھک (بہت) مگر۔ میا (مروت) بنت۔ لنک (ادا) روگ سس (سر) من (دل) نات (تن) اندھکار (اندھیرا) ادھاری بمعنی (اجالا) جندر۔ نین۔ اکاس (دھا) داس (غلام) ایر

بعض اوقات سنسکرت کے بھاری اور ثقیل لفظوں میں یہاں کی آب و ہوا اور ماحول کے مطابق تبدیلیاں کرلی گئیں اور ان میں نرمی اور شیرینی پیدا کرنے کیلئے تصرف کا عمل کیا گیا۔ سسکرت کا آمنا اس اور اگن کو آگ بنا دیا گیا۔ پرنتو کی جگہ پر استعمال ہونے لگا اور نائیں کی بجائے پانی ہی کو ترجیح دی گئی۔

نظم میں اصول و قواعد سے بے پروائی برتی جاتی تھی۔ صرورتاً ساکن کو متحرک۔ متحرک کو ساکن مخفف کو مشدد۔ مشدد کو مخفف بنالیا جاتا تھا۔

فارسی اور عربی الفاظ کی جمع ہریانی اور کھڑی بولی کی طرح آں لگاکر بنائی جاتی تھی بمثلاً زلفاں حوراں وغیرہ

ہندی اور فارسی الفاظ کے میل سے مرکب الفاظ بنا دیتے تھے۔ جیسے اہونین۔ دل وا انکھیاں۔ ہاتھ بستہ۔ وغیرہ۔

دکنی زبان کے افعال ضمائر۔ متعلقات فعل شمالی ہند کی مروجہ زبانوں ۲

جیسے۔ کھڑی بولی۔ برج بھاشا۔ ہریانی وغیرہ سے ماخوذ تھے۔

اس کے علاوہ ترکیب، طرز ادا، اظہار جذبات، تشبیہات و استعارات وغیرہ میں ہندی عنصر غالب رہتا تھا

نفسِ مضمون کے اعتبار سے اردو کے ابتدائی دور میں خدا پرستی تصوف و عشق حقیقی اور علم اخلاق کا رنگ جھلک رہا تھا۔ توحید و رسالت، معرفت الٰہی۔ شرابِ حقیقت کے مضامین مسلسل غزلوں یا نظموں میں بیان کئے جاتے تھے شاہی محلوں اور درباروں میں رسوخ حاصل کرنے کے بعد بیجاپور کے شیعہ سلاطین کی سرپرستی میں مرثیوں کی فراوانی ہوئی۔ آسان زبان میں جذبات کا اظہار ہوتا۔ حتی الامکان مشکل الفاظ سے پرہیز کیا جاتا۔ شاعری دلچسپ اور موثر ہوتی تھی۔ ۱؎ وحشی الفاظ کا استعمال جائز تھا تاہم زمانے کے ساتھ زبان بھی بدلتی اور منجھی گئی۔ اٹھارویں صدی کی ابتدا سے ہی دکنی زبان میں انقلاب عظیم واقع ہونے لگا۔ دکنی اردو کی ترقی و شہرت میں تیز رفتاری پیدا ہونے لگی۔ دن بدن اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اور فارسی زبان سے بھی اثر پذیر ہونے لگی۔ لہٰذا عہد عالمگیری کے اختتام سے قبل ہی اس میں گل و بلبل سرو و قمری، شمع و پروانہ کی تشبیہات داخل ہو گئیں دراصل یہ نتیجہ تھا۔ اورنگ زیب کی فتح دکن کا یا یوں کہئے۔ عادل شاہی و قطب شاہی حکومتوں کے خاتمہ کا جنہوں نے دکنی زبان اور دکنی تمدن و تہذیب کو ہمیشہ پردیسی زبان و تمدن کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ بہرحال ولی کے دیوان میں ہم کو قدیم دکنی زبان اور فارسی الفاظ و تشبیہات کا ملاپ نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے سفر دہلی سے کئی سال پیشتر ہی دیوان ولی شمالی ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ دیوانِ ولی

۱۔ جواہر سخن مرتبہ محمد مبین کیفی چڑیا کوٹی جلد پہلا دور ۱۹۳۴ء میں پہلا اڈیشن ہندوستانی اکیڈیمی صوبہ متحدہ الہ آباد نے شائع کیا۔ صفحہ ۹

کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب دیوان فائز[1] کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ کلیات فائز کی ترتیب اور تکمیل کی تاریخ اور خصوصاً فائز کی مثنوی کے بعض اشعار سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عالمگیری عہد کا آخری حصہ دیکھا تھا۔

فائز کی دستیاب شدہ تین سو بیس[320] غزلوں میں انیس[19] انہیں زمینوں میں ہیں جو ولی کے دیوان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اب جو تقدم کا سوال پیدا ہوتا ہے تو قاصل مرتب کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ ولی کی غزلیں ان کے سفر دہلی سے پہلے ہی شمالی ہندوستان میں کافی مقبول ہوئی ہوں۔ لہذا فائز کی زبان کی سادگی، آسانی و بے تکلفی اور ہندی الفاظ و تشبیہات کی کثرت اور محاورہ بندیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ انہوں نے ولی کے اتباع میں غزلیں کہی ہیں۔ کیونکہ فائز کا کلام تقریباً تمام دکنی خصوصیات کا حامل ہے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا سے اردو زبان ایک نئے روپ میں منظر عام پر آجاتی ہے

۱۔ دیوان فائز مولف و مرتب سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھنوی مطبوعہ عمدہ پریس دہلی

دکنی زبان نئے روپ میں

تقدم کا شرف حاصل ہوا دلّی اور نگ آبادی کو یا فائز دہلوی کو ۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دکنی زبان جب نکھر سنور کر اپنے وطن واپس آتی ہے تو دلی والوں کو بھی اپنی بھولی بسری زبان کا خیال آتا ہے اور وہ بڑی خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں ۔ اس میں اظہارِ خیالات کی صلاحیت پاکر خوش ہو جاتے ہیں ۔ تاہم آسانی کے لئے اس میں کچھ کانٹ چھانٹ بھی کی جاتی ہے فارسی و عربی الفاظ کے خزانوں سے اس کو مالا مال کر دیا جاتا ہے ۔ ہندو مسلمان سب مل کر اس کی وسعت میں کوشاں ہوتے ہیں ۔ دیسی پردیسی کا فرق اٹھ جاتا ہے ۔ اور نصف صدی کے اندر ہی اندر دکنی زبان ایک نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے ۔ اس کی شیرینی و جاذبیت کی خوشبو سے سارا ہندوستان مہک اٹھتا ہے ۔ جنوبی ہندوستان کے رہنے والے بھی اپنی زبان کی نزاکت و حلاوت سے خوش ہو کر اس بنی سنوری زبان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں ۔ اور فخریہ اس کی نقلیں کرنے لگتے ہیں ۔ دکنی زبان کے شمالی ہندوستان میں ارتقا پر بحث ہمارے نفس مضمون سے باہر ہے ۔ مختصر یہ کہ اس وقت شمالی ہند میں ولی کے معاصر ۔ امید ۔ ندیم ۔ گلشن ۔ فراق ۔ فقیر ۔ مرزا عبدالقادر بیدل اور سراج الدین علی خاں آرزو تھے ۔ یہ سب فارسی زبان کے مستند عالم و شاعر تھے ۔ لہٰذا انہوں نے جب ریختہ میں اشعار کہنے شروع کئے تو یہ ناگزیر تھا کہ فارسی و عربی الفاظ کی بہتات ان کی زبان میں نہ ہو ۔ زبان کے ساتھ ساتھ فارسی شاعری کی خصوصیات، تشبیہات و استعارات کا استعمال اور فارسی صنائع و بدائع

کی جھلک بھی نمایاں ہوتی گئی۔ البتہ آرزو نے ہندی الفاظ اور ترکیبیں مثلاً سجن، چھلاوہ، تجھ زلف میں وغیرہ استعمال کیں۔ اور آرزو کی شاعری میں قدیم الفاظ مثلاً نیں بمعنی نہیں۔ ہم سنا ہے (ہم نے سنا ہے) کہے ہے۔ دوانا۔ تجھ ایر۔ نس پر بستی۔ نپٹ۔ دکھو (دیکھو) ہن (لیکن)۔ کبستی۔ ضعف بیچ (ضعف کے بیچ) کن نے۔ تب لگ۔ اس کے نیں جیوں (مانند) تلک (تک) تسبی (تسبیح) وغیرہ الفاظ ملتے ہیں۔ حاتم نے اصلاح زبان کی طرف توجہ کی۔ نامانوس الفاظ خارج کردئے۔ صحت الفاظ کا معیار قائم کیا۔ تاہم ان کے کلام میں بھی بعض قدیم الفاظ پائے جاتے ہیں مثلاً ہیگا۔ کسو نے (کسی نے) مجھ مزار سنتے میرے مزار۔ ؎

تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ [۱]

جرأت[۲]۔ چلے ہے۔ (چلتا ہے) اڑے ہے (اڑتا ہے) ٹوٹے ہے بھڑکے ہے۔ ٹک وغیرہ ترکیبیں استعمال کرتے ہیں درد کہتے ہیں

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی ؎ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

ان کے علاوہ درد کبھو۔ جگ ٹک۔ کسو۔ جیوں۔ مانند۔ کھینچے ہے۔ ت۔ تجھ سوا۔ پکارتے ہیں گے۔ یعنی (پکارتے رہیں گے) وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ البتہ شعرائے دہلی نے اس زبان کو مانجھ مونجھ کر اس میں صفائی و سلاست پیدا کی ہے۔ بعض دکنی الفاظ اور ترکیبیں ترک کی گئیں۔ اور نئی ترکیبیں داخل کیں شمالی ہند میں جبکہ زبان کی آرائش و حرائش کا یہ عمل جاری تھا فارسی اور عربی الفاظ کے خزینوں سے اس کو مالا مال کیا جا رہا تھا۔ تو اسی وقت جنوبی ہندوستان بھی دکنی اردو کی خدمت میں سرگرم نظر آتا ہے

۱۔ تذکرہ ریختہ گویاں مولفہ سید فتح علی حسینی گردیزی صفحہ ۱۶
۲۔ گلشن ہند از مرزا علی لطف صفحہ ۹۱

اٹھارویں صدی کے آخری چالیس سال میسور میں عہدِ سرکارِ خداداد کا زمانہ تھا۔ اس وقت ملک میسور اردو زبان کے راست اثر میں تھا۔ نواب حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کی دھاک پورے جنوبی ہندوستان پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف انگریز جیسی منظم قوم دم بخود تھی تو دوسری طرف نظام حیدرآباد ترساں و لرزاں تھے۔ اور مرہٹوں کے سارے سیاسی ساز بازے سود ثابت ہو رہے تھے الغرض میسور نے اس چالیس سالہ قلیل عرصہ میں اردو کے کمزور پودے کو ایک تناور درخت میں تبدیل کر دیا۔ جس کی تفصیل آئندہ باب میں پیش کی جائے گی

باب اوّل

میسور کا تاریخی پس منظر

میسور کا نام مائی سُر[1] (Maisur) جو سنسکرت کے مہی شاہ (Mahisha) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے بھینس کے ہیں۔ اور یہ لفظ کنڑی زبان میں مائی سا (Maisa) ہوکر اُرو (Uru) سے مرکب ہو گیا جس کے معنے بھینس اور سمر یا ملک کے ہیں کہا جاتا ہے کہ سیوا کی بیوی نے جو شاہی خاندان کی دیوی (Goddes) ہے بھینس جیسے سر والے ایک دیو کو یہاں قتل کیا تھا۔ اشوک کے زمانہ میں یہ جگہ مہی سا منڈلا ... (Mahisa Mandala) کہلاتی تھی۔

ریاست میسور کے دو طبعی حصے ہیں مغرب میں ملناڈ ہے جس میں شموگہ کڈور اور ضلع ہاسن کے کچھ حصے شامل ہیں۔ اور مشرق میں کھلے میدان ہیں جن میں اس ریاست کا بڑا حصہ داخل ہے۔

میسور میں ملناڈ کے حصے بہت سی شاہی نسلوں کے پیدائشی مقامات ہیں۔ کدمبا اور ہوسلا خاندان کے بانی یہیں پیدا ہوئے۔ کنھٹی راؤ رسمبا و ڈیر

1- Imperial gazetter of India Vol XVIII new Edition oxford, printed at the Clarendon Press 1908, Page 16 Mysore state

نے کل ہند اور ینٹل کانفرنس کے آٹھویں جلسہ کی افتتاحی تقریر میں میسور کی عظمت اور اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ملک میسور کے جو بصورت مناظر سنسکرت کی رزمیہ شاعری کا موضوع بنے ہیں۔ یدوگیری پہاڑوں کے بیچ میں راماکو تیر چلاتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ اور جن جن کوہ کے آشاروں میں سیتا کی غسل کی جگہیں تھیں اور پرانی روایات کے مطابق بابا بڈھن کی پہاڑیاں سنجیوا پہاڑوں کا وہ حصہ ہیں جو ہنومان کے ہاتھوں میں سے بچے گر گئی تھیں۔ جب کہ وہ لکشمن کو ہوش میں لانے کے لئے اڑا رہا تھا۔ بھیما نے درہجراکس کی پہاڑیوں میں ہی بکاسورا کے ٹکڑے کئے تھے اور چیتلدرگ میں ہڈمبا (Hadimba) کو قتل کیا تھا۔ شری رنگپٹن کے نزدیک گوتم بدھ نے مقدس کاویری کے کنارے ایک چٹان پر تپس کیا تھا اور اگستیا نے کالاسا میں اور بارسورامانے سحنگڑھ میں حماداگنی نے چندراکوٹی میں اور رسیا سرینگا نے سرینگر میں اقامت اختیار کی تھی۔ تاریخی زمانہ میں موریہ اور سنواہنا شاہنشاہیت کے ریکارڈ بھی یہاں موجود ہیں۔ اور سلطنت دسجا نگر، حکومت بیجاپور، گولکنڈہ اور مغل وانسراؤں کی حکومتوں کی نشانیاں سرا میں پائی جاتی ہیں۔ اور مرہٹوں کی جاگیریں اور یادگاریں بنگلور اور کولار میں ملتی ہیں

نیز سنکراچاریہ کا سرینگری کمٹ اور دوسرے مادھوامٹیں اور بہت سے شوبنوردوں کی یادگاریں میسور میں موجود ہیں ٹیپو کی تاریخ سکندر اعظم کے

---

1. History of Mysore and The yadva dynasty by Josyer printed by the author at the Coronation press, Mysore page 292

2 - Imperial gazetteer of India vol XVIII oxford Edition 1908 page 17

زمانے کے بعد ۳۲۲ ق م سے شروع ہوتی ہے موریہ خاندان کے بے شمار
کتبے یہاں پائے جاتے ہیں جینی روایات کے مطابق چندر گپتا اپنے استاد بھدر باہو
کی بارہ سالہ قحط کی پیش گوئی پر اس کے ہمراہ اس سے سراون بلگولا آیا تھا اور
تادم زیست دونوں یہیں مقیم تھے۔ معلوم نہیں یہ روایات صحیح ہیں یا غلط تاہم
اشوک کے کتبے میسور کے شمال و مشرق میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اشوک نے اپنے مبلغوں کو مہی سا منڈلہ (میسور) اور ونا واسی۔
(بنا واسی) جو ریاست کا شمالی مغربی حصہ ہے بھیجے تھے۔ اشوک کے بعد یہاں
کے مختلف حصوں پر آندھرا۔ کدامباسی۔ گنگا۔ راشٹرا کوٹ اور مغربی چالوکیا
خاندان حکومت کرتے رہے۔ ہوسالا خاندان جس کا دارالسلطنت دوار سمدر
تھا۔ جو موجودہ ضلع حاسن میں ہلے بیڈ کے نام سے موسوم ہے
اس پر ملک کافور اور پھر ۱۳۲۶ء میں محمد بن تغلق کے حملے تک یہ خاندان
یہاں حکمراں رہا جب مسلمانوں کے حملوں نے اس کی طاقت پورے طور سے توڑ دی
تو ویجا نگرنے جس کی بڑھتی ہوئی قوت کو شمال میں بہمنی سلطنت نے روک رکھا
تھا۔ جنوب کی طرف پھیلنا شروع کر دیا اور میسور کا تقریباً کل حصہ ریاست
ویجا نگر میں ضم ہوگیا۔ پندرہویں اور سولھویں صدی میں میسور کے جنوبی حصوں
کے حکمران پالیگار ویجا نگر کے خراج گذار تھے ویجا نگر کا ایک گورنر سری رنگا پٹن
میں مقیم تھا۔ جو ان پالیگاروں سے خراج وصول کیا کرتا تھا۔ جنگ تلکوٹہ کے بعد
جس میں ریاست ویجا نگر تباہ ہوگئی۔ میسور کا معتدبہ حصہ راجہ وڈیر کے زیر فرمان
آزاد ہوگیا۔ یہ خاندان کنڈری رماں کا سرپرست تھا ۳۹-۱۶۳۸ء میں بیجاپور
کے سپہ سالار رن دولہ خاں نے سرنگپٹن پر حملہ کر کے راجہ کو خراج گذار بنالیا۔
بیجاپور کے دوسرے مرہٹہ سپہ سالار شاہ جی نے ریاست میسور کے متعدد
پالیگاروں کو شکستیں دیں۔ جس کے صلے میں مفتوحہ ممالک کا بڑا حصہ اس کو
عنایت کیا گیا۔ پائیں گھاٹ کا بیجاپور کا کرناٹکی علاقہ شاہ جی کی جاگیر بن گیا۔

اس زمانے میں بہت سے مرہٹے ریاست میسور میں آباد ہوے۔ تاہم سنہ ۱۶۵۹ء میں دیوراجا وڈیر نے جب تخت شاہی پر جلوس فرمایا تو بہت سے مقامات فتح کئے۔ اس زمانے میں پہلے پہل یورپ نے میسور سے رشتہ قائم کیا تھا۔ سنہ ۱۶[illegible]ء میں فرنچ ایجنٹ نے تلی چیری سے سریر نگپٹن آکر تجارتی معاہدہ کیا۔ دیوراجا وڈیر کا جانشین چک دیوراج وڈیر سیواجی و اورنگ زیب کا ہمعصر تھا۔ ایکطرف شاہ جی کے بیٹے سیواجی سے اور دوسری طرف شاہانِ بیجاپور سے اس کی ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مغل بادشاہ نے اپنی دھاک دکن پر بٹھانی چاہی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کو سرنگوں کیا گیا۔ اور میسور کا بیجاپوری علاقہ بھی سلطنت مغلیہ کے تصرف میں آگیا۔ سرا کو دارالسلطنت بناکر قاسم خاں کو اس کا پہلا گورنر مقرر کیا گیا۔ سات پرگنہ۔ بسواپٹن۔ بودی ہال۔ سرا۔ بنگلور۔ دوڈ بالاپور۔ ہوسکوٹہ اور کولار۔ اس سے ملحق کئے گئے۔ اور اس کی معاون ریاستیں۔ ہرپن ہلی۔ کس ڈرتی۔ آنے گنڈی۔ بدنور۔ چتلدرگ اور میسور بنائی گئیں۔ چک دیوراجا نے اورنگ زیب سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور اورنگ زیب نے اس کو راجہ جگدیو کا خطاب اور دوسرے تحائف عنایت فرمائے۔ مغلیہ سلطنت کے صوبہ دار سرا کی حکومت بالاگھاٹ تک محدود تھی۔ پائیں گھاٹ میں نواب آف آرکاٹ حکمران تھے۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب سلطنت مغلیہ میں زوال شروع ہوا تو دکن کے عمال اور گورنروں نے آزادی کا اعلان کردیا۔ سرا۔ کڈپہ۔ کرنول اور شاہنور کی علحدہ علحدہ ریاستیں قائم ہوئیں۔ نظامِ حیدرآباد جو صوبہ دار دکن تھے ان کے اقتدارات

۱۔ تذکرۂ والاجاہی آف برہان ابنِ حسن ترجمہ انگریزی بیں۔ محمد حسین نینار یونیورسٹی آف مدراس حصہ اول جو سنہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا

وسیع ہوگئے۔ سرا اور آرکاٹ کے نواب اس کے زیرفرمان ہوگئے۔ مرہٹوں نے بھی پھر سے اپنی قوت جمع کرلی۔ اس وقت نواب حیدرعلی خاں نے جو بطور نایک میسور کی فوج میں داخل ہوئے تھے۔ ریاست میں کافی رسوخ پیدا کرلیا۔ ۱۷۴۵ء کے بعد انگریزوں اور فرانسیسیوں نے آرکاٹ کی نظامت کے جھگڑے میں دخل دراندازی شروع کردی میسور کے ہندو راجہ کمزور ہوچکے تھے۔ اس موقع پر نواب حیدرعلی خاں نے اپنی بہادری اور ذہانت کی بدولت ریاست پر قبضہ کرلیا۔ ریاستِ میسور میں نواب حیدرعلی خاں اور ٹیپو سلطان کا تقریباً چالیس سالہ عہد۔ انگریزوں، مرہٹوں اور نظام حیدرآباد کے ساتھ جنگ و جدل میں بسر ہوا۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد پورا جنوبی ہندوستان انگریزوں کے زیر اقتدار آ گیا اگرچہ کہ نظام حیدرآباد اور میسور کے قدیم راجاؤں کے خاندان برائے نام حکمراں رہے۔

سلاطینِ میسور

حیدر علی کے دادا میر علی محمد ڈیڑھ سو سپاہیوں کے سپہ سالار
کی حیثیت سے کولار میں متعین تھے۔ ۱۶۹۸ء میں کولار میں ان کا انتقال ہوا۔
ان کے بیٹے میر فتح محمد نے اپنی خاندانی سیادت و شرافت اور بہادری کی
بنا پر صوبہ دار سرا کے دل میں جگہ پیدا کر لی۔ لہٰذا انہیں ۱۵۰۰ سواروں
کا سپہ سالار بنا دیا گیا اور گمُ ہلی جاگیر ملی۔ پھر بالاپور کی قلعہ داری کی خدمت
ان کے سپرد کی گئی۔ ایک موقع پر میسور کے راجہ اور بدنور کے پالیگار کے متعدد
حملوں کو روک دینے کے صلے میں انہیں دس ہزار پیادہ اور پانسو سوار
مع فیل و نقارہ و علم کا منصب ملا۔ ۱۷۱۸ء میں شہر کولار کے فوجدار
بنائے گئے اور بودی کوٹہ کی جاگیر ملی۔ حیدر علی خاں بمقام بودی کوٹہ
۱۷۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ فتح محمد نے سرا کے صوبیداروں کی شورشوں اور
سازشوں سے تنگ آکر ۱۷۲۴ء میں نواب آرکاٹ سعادت اللہ خاں کے پاس
دو سو پیادہ اور پچاس سواروں کی جمعداری حاصل کر لی۔ ۱۷۳۲ء میں یہاں کی
خانہ جنگیوں سے دل برداشتہ ہو کر پھر کولار چلے آئے۔ دیوانِ ریاستِ میسور
ننجراج نے میر صاحب کی شجاعت و وفاداری کا حال سن کر انہیں میسور بلا لیا۔
اور فوجی افسر بنا دیا۔ جب یہاں بھی سازشوں کا بازار گرم ہوا تو ۱۷۳۲ء میں
پھر کولار چلے آئے اور ۱۷۳۹ء میں رحلت فرمائی۔ ۱۷۴۲ء میں میسور کے راجہ
نے ان کے دونوں بیٹوں سید شہباز اور حیدر علی خاں کو بلا کر نائیکوں کے عہدوں
پر فائز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ راجگانِ میسور کی حکومت برائے نام تھی۔
یہاں کے وزیر دیوراجیا و ننجراجیا کی من مانی کارروائیوں نے ریاست کے رعب و داب
کو سرے سے نابود کر دیا تھا۔ ۱۷۴۶ء میں ننجراجیا نے جب دیون ہلی کے قلعہ پر

حملہ کیا تو سپہ شہباز اور حیدر علی نے وہ جوہر مردانگی دکھلایا کہ ننجراج نے خوش ہو کر شاہباز کو اس قلعہ کی فوجداری کے عہدے پر ترقی دی۔ اور حیدر علی کو پچاس سوار اور دو سو پیادوں کا افسر بنا دیا۔ پھر حیدر علی نے بنگلور پر ایک کامیاب حملہ کیا تو وزیر میسور نے مرہٹوں کے خوف سے کہ مبادا وہ بنگلور کے مفتوح ہو جانے کے بعد نجراج کی حمایت میں میسور پر حملہ آور ہوں۔ بنگلور حیدر علی کو بطور جاگیر دلوا دیا یہ وہ زمانہ تھا کہ آرکاٹ کی نوابی کے جھگڑوں کے سلسلہ میں انگریز اور فرانسیسی بوجہ رقابت ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو رہے تھے۔ محمد علی کے طرفدار انگریز تھے اور چندا صاحب کے فرانسیسی۔ وزیر میسور نے ترچناپلی حاصل کرنے کے لالچ میں محمد علی کی مدد کی۔ چندا صاحب کو شکست ہوئی۔ اور بعد میں وہ مارا گیا۔ لیکن محمد علی نے وعدہ خلافی کر کے ترچناپلی وزیر میسور کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اب محمد علی کی طرف انگریز اور وزیر میسور کی جانب فرانسیسی تھے۔ طرفین میں جنگ ہوئی۔ وزیر میسور نے حیدر علی کو ڈنڈیگل کی فوجداری دے کر فوج کی تربیت پر مامور کیا۔ مرہٹوں کے پے در پے حملوں نے میسور کے خزانے خالی کر دیئے تھے۔ سپاہیوں نے تنخواہ کے لئے شورش برپا کر رکھی تھی۔ اس موقع پر حیدر علی نے اپنے حسن انتظام سے میسور کو ایک بڑی تباہی سے بچا لیا۔ راجہ نے خوش ہو کر ۱۷۵۵ء میں انہیں امور مملکت کا مختار کل بنا دیا۔ اسی وقت ننجراج وزیر میسور مستعفی ہو کر چلا گیا۔ کھنڈے راؤ کو دیوانی کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ پھر مرہٹوں نے ایک اور مرتبہ میسور پر حملہ بول دیا۔ حیدر علی کی بہادری اور حسن تدبر کی وجہ سے ان کی ایک نہ چلی۔ راجہ نے خوش ہو کر حیدر علی خاں کو خان بہادر کے خطاب اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ اور نیل، نوبت و نقارہ رکھنے کی اجازت بھی دی۔ اس طرح حیدر علی ریاست کے تمام سیاہ و سپید کے مالک بن گئے۔ دیوان کھنڈے راؤ نے حسد کی وجہ سے حیدر علی کے قتل کی سازش کی۔ لیکن ناکام ہوا۔ پھر اس نے بنگلور کو فتح کرنا چاہا

اس میں بھی کامیابی نہ ہوی۔ تب حیدر علی خاں نے سرینگپٹن پر حملہ کرکے
قلعہ کو فتح کرلیا۔ کھنڈے راؤ مقید ہوگیا۔ اور راجہ کو امور سلطنت سے بے دخل
کرکے اس کے گذر معاش کے لیے سالانہ تین لاکھ روپیے کی آمدنی کا ملک دیدیا۔
تاہم راجہ کی عزت و احترام میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔ اس پُرآشوب زمانہ
میں اگر میسور پر حیدر علی کا قبضہ نہ ہوتا تو میسور مرہٹوں یا نظام کے زیر فرمان ہوگیا
ہوتا۔ اس کے بعد حیدر علی نے باضابطہ طور پر شہنشاہ ہند سے سند حکومت
حاصل کرلی۔ ۱۷۵۴ء میں جب مرہٹوں نے احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں شکست
پائی۔ تو میسور میں حیدر علی نے مرہٹوں کے تمام مقبوضات سرا وغیرہ دوبارہ
قبضہ کرلیا۔ شہنشاہ ہند کا سفر حیدر علی کے نام فرمان صوبہ داری سرا لے کر آیا۔
اور اس کے ساتھ شہنشاہ ہند کی جانب سے سپر، شمشیر مرصع ۔ جواہر نگار پالکی۔
نقارہ و نشان مع خطاب نواب عنایت ہوئے۔ نیز ۱۷۶۱ء میں نواب نے
کورگ فتح کیا اور سرکار خداداد میں شامل کرلیا۔ ۱۷۶۲ء میں چنلدرگ۔
۱۷۶۳ء میں ہنور۔ ۱۷۶۴ء میں دھارواڑ اور بادامی کے قلعے فتح کئے۔ پھر
شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کو اپنا باجگذار بنالیا۔ ۱۷۶۹ء میں کڈپہ کے
نواب عبدالحلیم خاں۔ سگن پلی کے نواب میر غلام علی۔ اور ۱۷۷۰ء میں
کرنول کے نواب منور خاں بھی حیدر علی کے خراج گذار بن گئے۔ بلاری۔ دھارواڑ
آنے گنڈی۔ بالگل واڑی اور کورگ کے راجہ بھی نواب کے زیر فرمان ہو گئے اور
ملیبار کے علاقے کالی کٹ اور کوچین ۱۷۷۵ء میں فتح کئے۔ اور علی راجہ حاکم
کنانور کو اپنا امیر البحر مقرر کیا اور بندرگاہوں پر لاکھوں روپے خرچ کرکے
ایک بیڑا تیار کروایا جس کے ہر جہاز پر پرچم حیدری لہرا رہا تھا۔ ۱۷۷۳ء میں
سرا اور دھارواڑ۔ اور ۱۷۷۵ء میں بلاری اور کڈپہ کے باغیوں کی
سرزنش کی۔ نواب کو مرہٹوں سے بھی متعدد مرتبہ دست و گریبان ہونا پڑا۔
بدنور کی فتح سے میسور کی سرحد مرہٹواڑی سے جا ملی۔ چنانچہ ۱۷۶۳ء میں

پہلی مرتبہ اور ۱۷۶۶ء میں دوسری مرتبہ اور ۱۷۷۱ء میں تیسری مرتبہ مرہٹوں سے جنگ کی۔ ۱۷۷۲ء میں مرہٹوں کی طاقت کمزور ہونے لگی تو شہزادہ ٹیپو سلطان نے دریائے کرشنا تک مرہٹی علاقہ کو فتح کر کے "سرکار خداداد" میں شامل کر لیا۔ حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے انگریزوں اور نظام حیدر آباد کے ہوش باختہ ہو گئے۔

لہٰذا نظام حیدر آباد، مرہٹے اور انگریزوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ نواب کی ترقی روک دی جائے۔ لیکن نواب کی حیرت انگیز دلاوری اور ہنر کاری نے ان کی دال گلنے نہ دی۔ ۱۷۶۶ء سے ۱۷۶۹ء تک میسور کی پہلی جنگ اور ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک میسور کی دوسری جنگ میں انگریزوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ ۱۷۸۲ء ۲۴ ر دسمبر بروز شنبہ مطابق ۱۱۹۵ھ میں نواب حیدر علی خاں بہادر کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد ٹیپو سلطانؒ کی سترہ سالہ حکومت انگریزوں کی سیاسی چالبازیوں کی مدافعت اور جنگ و جدل میں گزری۔ سرکار خداداد شمال میں دریائے کرشنا سے جنوب میں کوہستان ٹراونکور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مشرق میں مدراس تک اور مغرب میں بسواری درگ سے کوچین تک تمام ساحلی علاقہ سلطان کے زیر نگیں تھا۔ اتنی وسیع سلطنت کی حفاظت نظام حیدر آباد اور انگریزوں کی بھڑکتی ہوئی حرص و حسد کی آگ کے پیش نظر کوئی آسان بات نہ تھی۔ ٹیپو سلطان کی خواہش تھی کہ نظام حیدر آباد سے دوستی اور اتحاد قائم کر کے انگریزوں کو سرزمین ہند سے نکال دیا جائے۔ لیکن وہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی سا ہوا تھا۔ اس نے ٹیپو سلطان کی جنگ آزادی میں ان کا ساتھ نہ دیا۔ نیز ٹیپو سلطان کے متعدد خطوط جن کو کرک پیٹرک نے شائع کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بارہا مرہٹوں سے بھی درخواست کی کہ تعاون اور اتحاد سے غیر اقوام کو سرزمین ہند سے نکال دیں۔ لیکن ہندوستان کی قسمت میں غلامی لکھی

تھی ۔ لہٰذا کسی نے ان کی ۔ سنی ۔ انجام کار بروز دوشنبہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ کو سلطان نے جام شہادت نوش فرمایا

نواب حیدر علی خاں کی علم دوستی

نواب حیدر علی خاں گو کہ ان پڑھ تھے مگر ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ علماء، فضلاء اور ہنرمندوں کے بڑے قدردان تھے۔ انہیں معقول وظیفے دے کر سرپرستی میں رہنے کی درخواست کرتے تھے۔ لہٰذا سرکار خدادادمیں سرپرستی میں علماء، فضلاء اور شعراء کے جم غفیر کا مرکز تھا۔ جس میں شمالی ہندوستان، عرب، ایران اور ترکستان کے اہل کمال بھی شامل تھے۔ ان میں اکثر کے وظائف جاری تھے۔ نواب بہادر نے اہل علم وفضل کی قدردانی میں کبھی کوئی مذہبی یا ملکی تفریق نہیں برتی۔ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے قابل استاد اور لائق اتالیق مقرر کر رکھے تھے۔ شہزادوں کو اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور فرانسیسی زبانیں سکھلائی

1- Historical Sketches of the South India Vol I in an attempt to trace the History of Mysore By L. Colonel Marks Wilkes 1810 Edited with notes by Murry Hammick London at the Govt:: Branch in 1930

جاتی تھیں۔

نواب کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ جہاں کہیں اور جب کبھی کتابیں ملتیں اپنے کتب خانے میں داخل کر دیتے۔ چنانچہ جب چیتور کے قلعہ پر حملہ کیا تو نواب عبدالوہاب خاں برادر محمد علی والاجاہی کو گرفتار کر کے قلعہ کے ساز و ساماں پر قبضہ کیا تو ان کا کتب خانہ سرینگاپٹن بھیج دیا۔ تاریخ میسور مصنفہ ولکس کے صفحہ ۸۴۳ پر Ren. Swartz کے خطوط جو ۱۷۷۹ء اور ۱۷۸۰ء میں لکھے گئے تھے۔ ان کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ریورنڈ سوارٹز نے حیدر علی کے دربار میں جو باتیں دیکھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نہایت سرعت کے ساتھ اپنے کاموں کو سرانجام دیتے تھے۔ گفتگو کے دوران میں جب کبھی وہ رکتے تھے تو کسی صوبہ کے معاملات بیان کئے جاتے یا خطوط پڑھے جاتے تھے۔ نواب سب احوال سن کر فوراً احکام جاری کرتے۔ منشی دوڑ کر جاتا اور فرامین لکھ کر لاتا۔ اور پڑھتا۔ سلطان اس پر اپنی مہر لگا دیتے۔ کرنل ولکس تاریخ میسور کی دوسری جلد میں صفحہ ۵۵ پر لکھتا ہے کہ حیدر علی حالانکہ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے لیکن ہندوستانی، تلنگی، کنڑی، مرہٹی اور تامل میں روانی و سلاست کے ساتھ ہر ایک سے گفتگو کرنے کے اہل تھے۔

ٹیپو سلطان کی قابلیت اور علمی سرگرمیاں

نواب بہادر کے فرزند گرامی ٹیپو سلطان نہایت ہی عاکس اور اعلیٰ دل و دماغ کے مالک تھے۔ ہر معاملہ میں رائے زنی کر سکتے تھے۔ اور صائب الرائے تھے۔ طب تجارت، مذہبی احکام اور دیگر امور سرکاری دستگاہ تھی۔ کنڑی اور دکنی دونوں اچھی طرح جانتے اور بولتے تھے۔ لیکن زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا۔ دن بھر سلطنت کے کاموں میں مشغول رہنے کے باوجود خط و کتابت خود ہی کر لیتے۔ شعر و شاعری و نثر نگاری میں مدطولیٰ حاصل تھا۔ بڑی سلاست اور بے تکلفی سے لکھتے تھے۔ سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے ممیز ہوتی تھی۔ اور اس قدر پر معنیٰ ہوتی کہ ایک ایک نقطہ کے کئی کئی معنے ہوتے۔ آپ کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔ الفاظ میں تحکم پایا جاتا تھا۔ عام طور سے مشہور ہے کہ تحفۃ المجاہدین اور دوسری مذہبی کتابیں جو سلطان کے حکم سے لکھی گئی تھیں اس کا بیشتر حصہ خود سلطان کی تصنیف ہے۔

۱۔ سلطنت خداداد مصنفہ محمود خاں بنگلوری۔ صفحہ ۲۸۶۔
بحوالہ میسور گزیٹیر۔

سلطانِ شہید کی علمیت اور علم دوستی کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جمیع الامور کے نام سے آپ نے سرینگپٹن میں ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ جس میں مذہبی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم و فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔

سرینگپٹن کی تسخیر اور غارت گیری میں سلطان کا بیش قیمت کتب خانہ بھی شامل تھا۔ اس میں مذہبی کتابیں، تحقیق زبان، فرہنگ و لغات ہندی و دکنی۔ انشاء، قصص، حکایات، علوم و فنون، فلسفہ، ریاضی، نجوم، طب، سب قسم کی کتابیں شامل تھیں سنسکرت اور فارسی زبانوں سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی متعدد کتابوں کے علاوہ تذکرۂ شعرائے ہندی مصنفہٗ مسیح علی جیسن گرینری ۱۱۶۵ھ بھی شامل تھا جس میں اٹھانوے[۹۸] ریختہ گو شعرا کے حالات درج ہیں۔ اس حقیقت کے مدنظر جب ہم عہدِ سرکار خداداد کے شعراء کا کلام مطالعہ کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دکنی زبان جس کو شمالی ہندوستان کے شعراء نے بھی کمال دلچسپی و احترام سے آراستہ و پیراستہ کرنا شروع کیا تھا میسور میں روز بروز کیسے مقبول ہوتی جا رہی تھی۔ دراصل میسور میں اردو کی ترویج و اشاعت خاص طور پر سلطان کی رہین منت ہے۔ سلطان نے پینتالیس[۴۵] کتابیں مختلف مضامین میں مثلاً موسیقی، تصوف، تاریخ، طب، نجوم وغیرہ کے متعلق لکھے اور لکھوائے ہیں۔

سقوط سرینگپٹن کے بعد سلطان کے کتب خانے کے بعض مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے لئے منتخب کر لئے گئے اور باقی سب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ آئے۔ جنہیں سنہ ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج بھیج دیا گیا۔ سلطان کو علوم سائنس، مذہب اور تصوف سے خاص دلچسپی تھی۔ علماء اور فضلاء آپ کے دربار میں جمع ہوتے اور بحث و مباحثہ ہوتا رہتا تھا

۱۔ سلطنت خداداد صفحہ ۲۹۶ کوالہ کرک شرک

سلطان کے دربار میں ہمیشہ ایک شاعر مقرر رہتا تھا جس کی تنخواہ ایک ہزار روپے ماہوار تھی۔ اس کا رتبہ ایک ہزار سپاہی کے جنرل کے برابر تھا وہ ہمیشہ بر موقع سلطان کی تعریف میں ایک قصیدہ پڑھتا تھا۔ نشان حیدری میں لکھا ہے کہ سلطان نہایت برجستگی اور فصاحت کے ساتھ اشعار کہتے تھے ہندوستانی اور کنڑی میں بہا بشستہ گفتگو فرماتے۔ نشانِ حیدری صفحہ ۲۸۰ پر درج ہے کہ اکثر فارسی زبان میں بات چیت کرتے اور کھانے کے وقت تقریباً دو گھنٹے ایران و عرب کے بادشاہوں کے کارناموں کی روایات و سوانحات بیان کرتے اور سنتے تھے۔ سلطان ان تمام کہانیوں اور کہاوتوں کو جو اُن کے مصاحب کہتے تو سنتے تھے۔ لیکن جو بادشاہت ناقص جو ممنوعات اسلام سے ہیں۔ کبھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے وہ تمام ماہران علوم و فنون کی عزت کرتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علمی قابلیت میں یکتائے روزگار تھے۔ اسی لئے اپنی امور عامہ میں دوسروں کی مدد و رہبری کی احتیاج

1 The History of Hyder Shah and Tipu Sultan by M M D T Revised and Corrected by H.H. Prince Gulam Mohamed, The Son of Tipu Sultan published by W. Thacker and Co London in 1855

۲- History of Tipu Sultan by Mohibul Hasan Khan Published at Calcutta in 1951 Page 373 and 374

A History of the reign of Tipu Sultan being a Continuation of Nishane Hyderi Written by Mir Hussain Ali Khan Kirmani Translated from a persian M.S. by Colonel W Miles Printed by W. Nicol Shakespear Press Page 280

باقی نہ تھی۔

کارنامۂ حیدری[1] صفحہ ۹۸ میں مندرج ہے کہ سلطان نے ۱۷۹۳ء میں فارسی میں جو فرمان جاری کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ "ہر ایک از عاملان و قلعہ داراں را باید کہ کوائف مواجب نقدی و اخلاع محالی قاضیان و خطیبان و موذنانِ مساجد بحضور والا ابلاغ دارد۔ ایضاً مطابق سند شان بعمل آرد۔ و در جمع کردن و تعلیم کردن اطفالِ مسلمانانِ نصبات سعی و کوشش کند۔ و در طریقۂ و سند راستی و دیانت مرعی دارد۔ و اخبار تعلیم و تربیت بحضور پرنور سوال نماید۔ و قاضی ملصق و تعلیم دین و دنیا و ایمان بپردازد۔"

اس سے پایا جاتا ہے کہ سلطان کو بچوں کی تعلیم کا خاص خیال رہتا تھا۔ سلطان کے ایک خط سے (نمبر ۳۱۸ صحیفۂ ٹیپو سلطان حصۂ اول) جو بنام شمس الدین خاں و غلام حیدر داروغۂ توشک خانہ سرنگا پٹم ہے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کو کتابوں سے خاص طرح کا شغف تھا۔ اس خط میں انہوں نے حکم دیا ہے کہ کتاب محرخ السنوخ کی جالیں خوشخط طلبی کاتبوں سے کرا اور جلد بندی سے آراستہ کر بھجوائیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ "چند دن پہلے تم کو یہاں سے کتابیں اور ایک فہرست بھیجی گئی تھی فہرست کے مطابق جائزہ لے کر انہیں ہمارے کتب خانہ میں داخل کرو اور اس محکمہ کے رجسٹر میں بھی ان کا اندراج کیا جائے۔" مذکورہ بالا خط سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان کو فوجی کیمپوں اور میدانِ رزم میں بھی اپنی لائبریری اور کتابوں کا کس حد تک خیال رہتا تھا خط نمبر ۲۰۴ میں ۳ دسمبر ۱۷۸۶ء میں سلطان محمد درویش

۱۔ کارنامۂ حیدری ورطبع میں برس در ۱۸۴۸ شہزادہ محمد سلطان عرف غلام محمد فرزند حضرت ٹیپو سلطان نے لکھا ہے (تاریخ گرامہ ۱۲۶۳ء)

۲۔ صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ دوم مرتبۂ محمود خاں محمود بنگلوری صفحہ ۴۲ اور ۱۲۰

اور دیگر سفیران برائے فرانس کے نام لکھتے ہیں۔ " حکم دیا جاتا ہے کہ تم شاہِ فرانس سے درخواست کرکے ملکِ فرانس سے ایک قابل طبیب۔ ایک قابل عطار جو دواسازی میں بہت ماہر ہو۔ اور ایک قابل سرجن کو حاصل کرو اور ان لوگوں کو ہمراہ لاؤ۔"

ایک اور خط نمبر ۳۶۲ میں جس کا اقتباس کرک پیٹرک نے شائع کیا ہے۔ سلطان نے لکھا ہے کہ فوج الہٰی، احمدی اور سوار رسالوں میں مدارس کھولے جائیں۔ اور ان مدارس میں تعلیم کے لئے بیک وقت بیس لڑکوں کا انتخاب کیا جائے جو نہایت ذہین، مضبوط اور قابل ہوں۔ ان کو عربی، فارسی اور حساب کے علاوہ فوجی تعلیم بھی دی جائے۔ ٹیپو سلطان نے یکم مئی ۱۶ ر احمدی ۱۷۸۵ء کو ایک خط محمد غیاث کو جو پونا میں سرکار خداداد کا سفیر تھا ہندوی زبان میں لکھا تھا۔ (جس کا ذکر کرک پیٹرک نے اپنی کتاب منتخب مکاتیب سلطانی میں کیا تھا جو ۱۸۱۱ء میں طبع ہوئی تھی۔ اور محمود بنگلوری نے اس کتاب کا انگریزی سے اردو ترجمہ بنام صحیفۂ ٹیپو سلطان دو جلدوں میں کیا ہے) اس خط کا نمبر ۳۵ ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ حسب ذیل ہے

بنام محمد غیاث سفیر خداداد ۔ دربار پونا ۔ ۱۶ ر احمدی و یکم مئی ۱۷۸۵ء۔ آپ کا خط اس کا جواب ہندوی زبان میں لکھا ہوا ہے تاکہ آپ کو تفصیلات سے آگاہی ہو سکے۔ انہوں نے (مرہٹوں) باوجود موثق عہد ناموں کے جو دغابازی کی ہے خوب معلوم ہے۔ ایسی صورت میں کس بنا اور کس اعتماد پر ان کو بڑی رقم (پیش کش کی) بھیجی جائے۔ اس کا کیا بھروسہ کہ وہ رقم حاصل کر لینے کے بعد پھر بدعہدی نہ کریں گے۔"

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پٹرک لکھتا ہے کہ ہندوی زبان میں خط

صحیفۂ ٹیپو سلطان از محمود بنگلوری۔ گوشۂ ادب لاہور حصۂ اول

بھیجنے سے سلطان کا یہ مطلب تھا کہ وہ خط اگر حاکمانِ پونا کو مل جائے تو بھی کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ آپ کا ایک اور خط نمبر ۹۵ مندرجۂ ذیل ہے۔

بنام میر معین الدین ۹ لہر دریائی۔ یکم اگسٹ ۱۷۸۵ء

"تمہارا ہندی زبان میں لکھا ہوا خط ملا معلوم ہوا کہ بادل نایک تمہارے پاس آنے والا ہے۔ جب نایک مذکور آئے تو تم اس کو اس کے جرائم کی فہرست سناؤ"

خط نمبر ۱۱۰ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بنام محمد غیاث و نور محمد خان پونا ۲۸ ہاشمی ۸ ستمبر ۱۷۸۵ء

اقتضائے وقت کے لحاظ سے ہم جو کچھ لکھنا چاہتے تھے وہ ہندی زبان میں آپ کو ملعصد ناگیا ہے۔ اے آپ کو ایک معبر منشی سے اس خط کو پڑھوا کر مفہوم سمجھ لینا چاہیئے۔

کرک پیٹرک متعجب ہے کہ سلطان نے خلاف معمول بجائے فارسی کے اپنے خطوط ہندی زبان میں کیوں لکھے۔ جیسا کہ پچھلے خطوط میں بیان کیا گیا ہے سلطان رازدارانہ طور پر کبھی کبھی ہندی یا ہندوستانی میں بھی اپنے سفیروں اور سپہ سالاروں کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ نیز سلطان کے خط نمبر ۹ تا ۴ سے جو صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ دوم کے ۲۷ صفحہ پر منقول ہے اور جس کو سلطان نے بنام قلعہ دارشن (سرنگاپٹم) ۲۹ ہاشمی ۳۰ اگسٹ ۱۷۸۶ء لکھا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ملفوفہ تعریفی ریختہ اپنی فوج اسد اللّٰہی کے بچوں سے چار لڑکوں کو انتخاب کرکے انہیں سکھانے کے لئے کہا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں سرنگاپٹم میں ریختہ زبان کے شعراء کی کمی نہیں تھی۔ جاننا چاہیئے۔ اس زمانہ میں دکنی ریختہ، ہندی، ہندوستانی وغیرہ الفاظ ہم معنی مستعمل تھے اور میسور میں کنڑی زبان کے دوش بدوش ہندی یا دکنی زبان عوام میں مروج تھی۔

عہد سرکار خدادادمیں ہندو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے صنعتی و حرفتی ترقی کے ساتھ ساتھ مختلف علوم و فنون کا بازار گرم رہا۔ جس میں ہندو مسلمان برابر حصہ لے رہے تھے۔ اس دور میں ایک ہندو مسلم مخلوط کلچر تیار ہوا۔ جس کی نشانیاں ایک دوسرے کی زبان، ادب تمدن، رسم و رواج پر آج بھی باقی ہیں۔

ٹیپو سلطان کا کتب خانہ

اسٹوارٹ نے لکھا ہے کہ فتح سرنگاپٹن کے بعد فاتح قوم نے سلطان کے کتب خانہ کو بحفاظت تمام ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔ سوائے چند مسودات کے جو ایشیاٹک سوسائٹی اور آکسفورڈ یونیورسٹی و کیمبرج یونیورسٹی کے تحویل کر دیئے گئے۔ دوسرے سال ہی بنگال میں ایشیائی زبانوں اور یورپ کے سائنس کی تعلیم کے لئے ایک کالج کھولا گیا۔ مارکوئس ویلزلی گورنر جنرل نے اس نئے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ کے لئے ٹیپو کی مسودات دیئے جانے کا حکم دیا۔

مسٹر اسٹوارٹ نے جو ۱۸۰۳ء میں فارسی زبان کے جونیر پروفیسر کے عہدہ پر مامور تھے۔ چار سال قابل منشیوں کی مدد سے اس

A descriptive Catalogue of Oriental library of The Late Tippu Sultan of Mysore Charles Stewart M.A.S Printed at Cambridge at the University Press in 1809 (preface)

کتب خانہ کی فہرست بنانی شروع کی۔ پھر مولوی حسین علی ایڈیٹر انوار سہیلی کی مدد سے مصنف نے اس کام کو انجام تک پہنچایا اور ۱۸۰۶ء میں لندن آکر اس کو چھپوایا۔

تمہید کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ سلطان کے کتب خانہ میں کل دو ہزار عربی، فارسی اور ہندوستانی ہندی مسودات تھے۔ جو تمام علوم و فنون پر حاوی تھے۔ ان میں سے بعض بڑی اچھی طرح لکھی گئی تھیں اور خوبصورتی کے ساتھ سجائی گئی تھیں۔ تاہم ان کا بڑا حصہ بری حالت میں تھا۔ کتابوں کے اگلے پچھلے صفحات غائب تھے لہٰذا مصنف کتاب کی تاریخ طباعت کا پتہ لگانا بہت دشوار ہوگیا تھا۔ ان میں سے بہت سی کتابیں ساونور۔ کڈپہ اور کرناٹک کے محاصروں میں سلطان کے ہاتھ لگی تھیں۔ اور بعض کتابیں بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں کے ملکیت سے تھیں۔ ان کتابوں کا بیشتر حصہ ما ذخیرہ نواب ناصر الدولہ عبدالوہاب خاں کا تھا۔ (جو محمد علی نے کرناٹک کے بھائی تھے) جو ۱۷۸۰ء میں قلعہ چتور کی فتح کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔

سر برنگا پٹم میں جن کتابوں کی جلد بندی ہوتی تھی ان پر اللہ۔ محمدؐ۔ فاطمہؓ حسنؓ حسینؓ کے نام کندہ ہوتے تھے۔ اور چاروں طرف خلیفہ ابوبکرؓ، عمرؓ علیؓ، عثمانؓ کے نام لکھے جاتے تھے۔ اوپر کی طرف سرکار خداداد اور نیچے کی طرف اللہ کافی لکھا ہوا رہتا۔ کچھ کتابوں پر سلطان کی خانگی مہر لگائی گئی تھی۔ ان کتابوں کا عنوان مذہب یا تصوف تھا۔ جو سلطان کو خاص طور سے پسند تھے۔ اسٹوارٹ کی فہرست میں خلاصۂ سلطانی کا بھی ذکر ہے۔ یہ مسلمانوں کے قوانین کا مختصر رسالہ دکنی زبان میں ہے۔ جس کو سید امام الدین اور عمر محمد قاضی نے سلطان کے حکم سے لکھا تھا۔ نیز ایک رسالہ سرود راگ ہندی اور دکنی منظومات کا مجموعہ ہے۔ (جس) کا مصنف نامعلوم ہے۔

میسور میں دکنی ادب

عبدالمومن خاں مومن

سرکارِ خداداد کے قیام سے پہلے ہی سلاطین بیجاپور اور گولکنڈہ کی شاہانہ نوازشوں سے دکنی اردو میسور میں دن بدن مقبول عام کی خلعت سے سرفراز ہو رہی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دکنی ادب کا ستارہ اپنی تابناکیوں کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ سلاطین دکن کی راجدھانیوں کے گوشے گوشے میں ادب کے ذخیرے جمع ہو رہے تھے۔ اصحابِ سخن میں متمولوں کو خاص طور سے فروغ حاصل تھا۔ شائقینِ علوم ان ادبی شاہکاروں کو بڑے اہتمام سے لکھتے اور بحفاظتِ تمام اپنے خانگی کتب خانوں میں جمع کرتے تھے۔ چونکہ ریاست میسور کا بڑا حصہ شاہانِ بیجاپور کے زیرنگیں تھا اس لئے دکنی ادب نے یہاں بھی اپنے قدم مضبوط جمائے تھے۔ اس سلسلہ میں عبدالمومن خاں مومن کا نام لیا جا سکتا ہے جو حصاپٹن[1] کے باشندے تھے۔ جو عالمگیر کی دکنی فتوحات سے پہلے عادل شاہی عملداری میں داخل تھا۔

مومن[2] پٹھان قوم سے تھے ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۸۱ء میں انہوں نے اسرارِ عشق[3] نامی ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں سید محمد[4] جونپوری کے سوانح حیات اور کرامات کا بیان ہے۔[5] یہ کتاب ۱۶۸۲ء مطابق ۱۰۹۳ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی

1 A history of urdu literature by T Q.

۲. جواہر سخن مرتبہ محمد مبین کیفی جلد اول پہلا ایڈیشن ۱۹۱۲ء میں ہندوستانی اکیڈیمی صوبہ متحدہ الہ آباد سے شائع ہوا۔ ۳. مختصر تاریخ ادب اردو اعجاز حسین

۴. اردو کے قدیم مولف شمس اللہ قادری ۵. ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے

جیساکہ مثنوی کے آخر میں مصنف لکھتے ہیں۔

ہوا جب یوں مبارک ختم مجھ فال
ہزار ایک صد دنو دپرتین تھی سال

نیز آخری تاریخ ختم کتاب جو فارسی میں لکھی گئی ہے اس میں بھی آخری شعر میں لکھتے ہیں

تاریخ ختمش خود مژدہ داد
کہ گنجینہ پاک اسرار عشق

۱۰۹۳

یہ کتاب ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۲ء) میں مکمل ہے اور ہر مقالہ کے آخر میں ابراہیم شاہ کا ذکر آتا ہے۔ جیساکہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی ۱۵۸۰ء سے ۱۶۲۶ء تک شہنشاہ اکبر و جہانگیر کا ہم عصر تھا۔ اس کے عہد حکومت کے پہلے ہی یعنی ۱۵۶۵ء (۹۷۲ھ) وجیا نگر کی سلطنت ختم ہوئی تھی ۱۵۶۵ء کے بعد سلاطین بیجاپور نے معتد بہ حصہ پر قابض تھے۔ علی عادل شاہ اول ۱۵۵۸ء سے ۱۵۸۰ء (۔۔۔) کے عہد حکومت میں جنوبی کرناٹک کے بہت سے صوبے بیجاپور میں شامل تھے۔ اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ ثانی ۱۵۸۰ء سے ۱۶۲۶ء تک تخت سلطنت پر جلوہ افروز رہا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرار عشق میں جس ابراہیم شاہ کا ذکر بار بار آرہا ہے۔ آیا یہ بادشاہ وقت ہے۔ جس سے مومن کو خاص عقیدت تھی یا کوئی اور بزرگ۔ کیونکہ ابراہیم شاہ عادل ثانی کا عہد حکومت تقریباً اس کتاب کی تکمیل کے ایک صدی پہلے شروع ہو کر اس کے پینتالیس ۴۵ سال پہلے ختم ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ مومن کا بچپن اور اوائل جوانی ابراہیم عادل شاہ کے آخری عہد میں بسر ہوئے ہیں۔ چنانچہ "اسرار عشق" کے مقالۂ سوم کے آخر میں لکھا ہے۔

ایا مستی کروں جتنی عدم میں * طرب عشق پر لکھوں ندم میں

کبر دھرا رزو کا آشکارا ÷ کری موہن تیری بار آبکارا

براہیم شاہ کے صدقے سوں عالی ÷ بھیرن دھارا انہوں میں یہاں بھی خالی

مقالۂ چہارم کی آخری بیت ہے

مدد موہن ھی فکر طہارات ÷ کہ ہے ذیل براہیم شاہ نجہ بات

مقالۂ پنجم کے آخر میں لکھتے ہیں

بہی امید دھر موہن سرن سوں ÷ براہیم شاہ کی لاکبا حرن سوں

ایک اور مقالے کے آخر میں لکھا ہے

کہ یہ بحہ سر براہیم ستھکا سایہ

کبھی کبھی یہ گمان بھی ہونے لگتا ہے کہ موہن کو شاید ابراہیم شاہ نامی کسی پیر

و مرشد سے بیعت ہو۔ خصوصًا مقالۂ چہارم کے آخر شعر میں کہا ہے

کہ ہے ذیل براہیم شاہ نجہ بات

الغرض " اسرارِ عشق " کا مقالہ اول خدا کی حمد و ثنا پر مشتمل ہے۔

مقالۂ ششم میں اپنے پیر سید محمد جونپوری کے متعلق لکھتے ہیں۔

کیا مہدی نے سمھی ساربانکو روس ÷ کری حوں[2] شتر[3] ناربانکوں روس

امو مہدی حبوں محمد جگ میں آیا ÷ سباہت میں دسیا دی نس سمایا

جیوں ہو سمھالا ماب کی جال ÷ موافق بوت کا تھا باپ سوں حال

جو ہنی عشاں حلبی ہوں ادھوری ÷ اکس سوں تجہ ہوی سب حالکہ پوری

محمد شاہ کا نوں کھر دھی خاص ÷ اصرف تجہ ھی ملک عشق و اخلاص

وصیلت پرھی تجہ یو لقل یرہان ÷ کہ دو شاہاں نرھیں کہ ملک میں آن

سرف مہدی کی ہا ہو بیری میں موجود ÷ تھا کچھ شرف عبرار لفظ موعود

رکھت بازو سوں جلی تجہ شہنشاہ ÷ کنا عرب عدا کی تحمر آگاہ

۱۔ ساربان جمع ساری۔ یعنی تمام۔ ۲۔ سدر معنی سدرج

۳۔ ناربانکوں معنی ناز کمان کو

مصنف کتاب کو دکن کی زبان میں اظہارِ خیال کی دقت کا احساس تھا۔ لہٰذا لکھتے ہیں۔

دکھن کے شعر کوں یوں بخش مایہ | اٹھایا کوں بو سنگین پایہ
تعالیٰ اللہ مجے توفیق دیتا | مہری ہاتاں بو سنگیں کام لینا
سیا ہتھا ہیں جو کچھ مہدی کیاں باں | مری دلکوں لگیاں تھیاں سو نکاتاں
سعراں کمل رہی ہر پھول پر پھول | کہ مہاری کیمیں یہ اوصاف کے پھول
دکھن کے شعر کی جک جک بو بھائی | کھیا ہیں جکر کی صاحب کو پر چھائی
ہوا جب یو مبارک ختم مجہ قال | ہزار ایک ہور نو دیر تن تھی سال
کھاں ساقی براہیم شاہ کا جام | کہ جس سوں ختم ہوی ہر سنو تک کا کام
مجی دی جو خدا نم کا پچ اوصاف | بہر دم تارہ بولوں شوقسوں صاف
یہی مطلب بر آنی طبیع میرا | تو جسوں دھر نا دامن ھی نبرا
اری مومن ازل سو شاہ سکا جام | کیا سری طلب کا جو سر انجام

انا کر رقص ایک تازہ بنا نا
تن نا تن۔ تنا نا ہی۔ نا نا

فارسی زبان میں تاریخ ختم کتابت کے نو اشعار لکھے ہیں۔ مصرع تاریخ "تولد قرۃ العین عبدالعزیز" فارسی کی چھ ابیات پر مشتمل ہے۔ اور یہ تاریخ ۱۵۸۰ء ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے ۱۳ سال بعد۔ قبل مومن کے یہاں ایک فرزند عبدالعزیز نامی تولد ہوا۔ کتاب کے آخر میں مختلف تاریخیں لکھی ہوی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے " عرس فاطمہ زوجۂ میاں عبدالمومن بتاریخ ہشتم ماہِ جمادی الثانی۔"

الغرض مومن کی زبان اردو کے عہد طفلی کی عمدہ مثال ہے۔ دکنی الفاظ بکثرت موجود ہیں۔ مومن کو بیدریں متقدمیں طبقے کے علمبردار کہنا بجا ہوگا۔ اندازِ بیان سیدھا سادھا۔ تشبیہات اور استعارات سے مبرا ہے۔

خیالات کو نہایت روانی اور خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے ۔ الغرض یہ مثنوی سوانح اور سیرت نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے

عہدِ سرکارِ خداداد کے شعراء و مصنفین

۱۷۶۱ء تا ۱۷۹۹ء

اس زمانہ میں جو علمائے کرام ریاستِ میسور میں مقیم تھے اور جن کا پتہ چل سکتا ہے حسبِ ذیل ہیں ۔

شاہ محمد صدر الدین ولد شاہ میراں حسینی ۔ وطن نلمنگل بنگلور ڈسٹرکٹ کا زمانہ عہدِ خداداد سے کچھ پہلے کا ہے ۔ قیاس اغلب ہے کہ انہوں نے نواب حیدر علی خاں اور سلطان شہید کا زمانہ دیکھا ہوگا ۔ یہ ایک باکمال درویش تھے ۔ انہوں نے دکنی زبان میں متعدد رسالے لکھے ہیں ۔ ان کے سنہ ولادت و وفات کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا ان کی تصانیف میں سے مندرجۂ ذیل تین رسالوں کا ذکر ادیب صاحب میسوری نے اپنی کتاب "غازی اعظم" میں اور عبدالخالق صاحب سعید نے "میسور میں اردو" میں کیا ہے ۔ ایک کا نام رسالۂ من لگن ہے اور دوسرا رسالہ مرأۃ الاذکار اور تیسرا رسالہ مصباح النور ۔ ان تینوں رسالوں کا موضوع مذہب ہے

جناب عبدالقادر صاحب سروری پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے آپ کا ایک رسالہ مرأۃ الاسرار ۱۹۴۳ء میں شائع کیا ہے ۔ تمہید میں آپ لکھتے ہیں "شاہ صدر الدین کئی اور رسالوں کے مصنف ہیں جن میں سے چند رسالے محترمہ حبیب النساء بیگم ایم اے ۔ اردو فارسی لکچرر مہارانی کالج بنگلور کے یہاں ایک بیاض میں دیکھے ہیں" یہ بیاض مجھے ایک برائے

کتب خانہ سے دستیاب ہوی۔ میرے پاس شاہ محمد صدرالدین کے دو اور رسالے اس رسالے کے علاوہ کرم خوردہ حالت میں موجود ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱) مصباح النور (نظم) (۲) شرح مصباح النور (نثر) انجمن ترقی اردو علیگڑھ کے کتب خانے میں مراۃ الاذکار مصباح النو کسب محوبیت۔ کسب عروج اور مفتاح النور کے مخطوطات دیکھے ہیں[۱]۔ اردو مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو سے بھی ان متعدد رسالوں کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر زور صاحب اس کتاب میں صفحہ ۳۱۵ پر لکھتے ہیں کہ "ادارے میں جو دو کتابیں کسب محوبیت اور کسب عروج محفوظ ہیں۔ ممکن ہے کہ شاہ محمد صدرالدین ولد شاہ میراں حسین متوطن تلمنگل کی ہوں لیکن زبان اور اندازِ بیان بہت قدیم ہے۔ اس لئے یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زمانۂ حیدرعلی کے شاہ صدرالدین کی تصانیف سے ہیں"۔ میں نے اپنے مملوکہ رسالوں (مراۃ الاسرار و مصباح النور) سے جو اقتباسات دیئے ہیں ان کی زبان بھی قدیم معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ رسالے میسور کے متعدد مقامات سے ملے ہیں۔ ان سب میں شاہ محمد صدرالدین میسوری کو ہی ان کا مصنف بتایا گیا ہے۔ اس لئے گمانِ اغلب ہے کہ یہ سب رسالے انہیں بزرگ کی تصانیف ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے ان تصوفانہ مسائل کے بیان میں عقائد کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی قدیم ترین صوفیائے کرام خواجہ بندہ نواز میراں جی و برہان الدین جانم اور امین الدین اعلیٰ کی پیروی کی ہو۔ ورنہ اس زمانہ کے دوسرے مصنفوں کی زبان مثلاً زین العابدین شوستری و

۱۔ سلیم بنانی صاحب کے کتب خانے میں مراۃ الاذکار کے علاوہ دو چار منظوم اور نثری رسالے بھی دیکھے ہیں
۲۔ تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول مرتبہ سید محی الدین قادری زور بار اول ۱۹۴۳ء و مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن صفحہ ۳۱۵ اور ۶۶

سبقت اور شاہ کمال الدین کی زبان اور شاہ محمد صدرالدین کی زبان میں اتنا فرق نہ ہوتا۔ "کسب عروج" انیس اوراق اور اپچاس ابیات پر مشتمل ہے۔ آخری بیت میں مصنف نے لکھا ہے

اتنالیس ابیات سکل بو یاد رکھوائے دوست
یہ جب دیکھ کرے گا پیدا ادسے تجھے ہمہ اوست

آغاز کتاب

اول اللہ کا لے کر بعد سے رسول
کاسے کے نفس کسب دکھایا صدرالدین اخول

کسب بیناسب الوج ہے ابوج نہ بوجے سوج
سوج بوج کی توج بوجھا ڈے ادسے لوح عروج

اختتام

عروجیت کا کسب جو تھا سو ہے اے اظہار
شاہ صدرالدین بول نکو کچھ پھر بھی کیا تکرار

دوسرے صفحہ پر مزید پندرہ ابیات اسی بحر میں درج ہیں

دیکھ بوج میں جو ہو قائم ادسے ملے بوراہ ۔ ذکر شغل جو کرے برادر ہوئے اوہی شاہ
جس پر ہووے فضل وکرم سو پائے دیکھ اد بوج ۔ دیکھ بوج کوں جو کوئی پاوے ادہی صفا سوج

کسب محوبت مثنوی ہے۔ جس کے ہر صفحہ میں بارہ سطور ہیں اور کل ایک سو گیارہ ابیات ہیں۔ اس میں انہوں نے روح، احدیت، محوبت وغیرہ کے مسائل بیان کئے ہیں

نمونہ کلام یہ ہے۔

نام لے اللہ محمد سا اول   کسب کا سب کو کہوں دربر محل
گوشِ جاں سوں اب سنو صاحب بعقیں   کیا کتا ہے نظم میں شہ صدرالدیں
اولاً بانفس دل قلب مثال   خواہش دامانی کا توبوح جمال

محویت کا حال سو ایسا ہے جان — اب وہاں کوئی کیا کرے حق کی پچھان
بس کرلے شہ صدرالدین راز کو — دید میں دیدار کو پا آپس کوں کھو

شتو یوپینڈرہ نظم میں بیتاں تمام
یاد رکھنا بر زباں اے خاص و عام

رسالہ مرأۃ الاسرار کے تمہیدی حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ان کے برخوردار امیرالدین کے لئے لکھا ہے مراۃ الاسرار کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے
"شکر اور ثنا خاص اللہ تعالےٰ کے تئیں کہ او ذات اللہ کی رب ہے عالم کا یعنی رب ہے مربوبوں کا اسم رب کا تقاضا رکھتا ہے۔ مربوب سوں سوائے مربوب کے رب کا ظہور نہیں سوائے رب کے مربوب کوں وجود نہیں یکتائی ربوبیت اور دونائی مربوبیت کی ظاہر کیا او یکتائی اوریگانگی بیچ رب کے اور دونائی اور دوئی بیچ مربوب کے ہے سوا او دیکھ کس و ظہور کیا ہے۔"

یہ رسالہ تقریباً چالیس صفحوں پر مشتمل ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو عبدالقادر سروری صاحب نے بنگلور سے شائع بھی کیا ہے۔ دوسرے رسالے جو میرے پاس موجود ہیں۔ یہ ابھی شایع نہیں ہوئے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مصباح النور[1]

یہ رسالہ تئیس[23] صفحوں پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں بارہ[12] یا تیرہ[13] ابیات لکھی گئی ہیں۔ رسالہ کے آخر میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا اور نہ سال کے آخر میں کاتب کا نام پایا جاتا ہے دو تین جگہ اس بیاض میں جو شعر سے لکھے

۱۔ یہ مخطوطہ راقمۃ الحروف کے پاس موجود ہے

ہوئے ہیں۔ موجود ہیں۔ وہ خواجہ حمید اللہ شاہ حسینی چشتی پر ختم ہوتے ہیں۔ ان کا سلسلۂ خلافت شاہ میران جی و برہان الدین جانم و امین الدین اعلیٰ سے ملتا ہے۔

شاہ امین الدین اعلےٰ کے خلیفہ

|

شاہ مرتضیٰ حسین چشتی

|

شاہ محمد بخش چشتی

|

خواجہ شاہ حیدر چشتی

|

شاہ سعادت علی چشتی

|

خلافت خواجہ سید حمید اللہ شاہ حسینی چشتی را دادہ شد۔

جاری باد بحرمت النبی و آلہ الامجاد۔ لکھا ہوا ہے۔

جیسا کہ بیشتر کہا ہے اس بیاض میں خواجہ بندہ نواز کے متعدد رسالے اور خواجہ برہان الدین جانم کا کلام اور امین الدین اعلیٰ کا رسالہ ارشاد نامہ اور شاہ کمال الدین کا رسالہ بنام ارشاد نامہ مع شاہ محمد صدر الدین کے چار مذکورۂ بالا رسالوں کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ رسالۂ مفتاح النور کی ابتدا یوں ہے

اول نام اللہ کا لیوں میں کہ جس نام سوں بل ہے جگ کیتیں

اور اسماے نادر سکت کا دینے دو عالم سوں او ذات مطلق غنے

تھا کنت کنزاً او مخفی وات کیا جب ذاتی سوں مظہر صفات

کہ جس حیثیت سوں کہ او ذات ہے نہ واں کچھ صفت اعتبارات ہے

خدا کی ذات و صفات و علم و مدارج سلوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

عجب حق کی معجون کا ہے اثر جنے اسکوں چاکیا ہے اسکوں خبر
کہ اب صدرالدین کوی نظر دی ایک بہی ثابت نظر سوں نہ ماے پلک
بیاں اس کے قدرت کا کرنے مدل یو دریائے دل جوش کھائے اوبل
کیا ہوں یو تفصیل کچھ یک بیاں یو قدرت کے بازی معمّا عیاں
لطیف و کثیف یک مہوی منفصل کیا حق نے اس دو کے درمیاں دل

خاتمہ میں لکھتے ہیں ہے مصباح النور اس رسالہ کا نام ۔ یہ دوسو بیچا اس میں بتاں تمام

صدرالدین بسنکر زباں اپنی موند یو دریا کو کسوں لاویگا بیچ بوند

شاہ محمد صدرالدین کا دوسرا رسالہ جو میرے پاس موجود ہے اس مرشرح مصباح النور
ن تصنیف شاہ محمد صدرالدین لکھا ہوا ہے ۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے

یک اشارت کرتا ہوں بیچ معرفت کے للاتنبیہ واسطے
پہچانت مبتدیوں کے سوال و جواب با تمثیل سوال کل شیٔ
محیط کہا سو کسو حد جواب جیسا کہ ۔۔۔ ظاہر خلا ہی بے رنگ
وردہ یک وجود ہی قراریت کے صفت سوں خالی یا
موجود ہے او مصدر ہی اربعہ عناصراں کا چار و عناصراں
بیچ ہوا کے بھی ہیں صفت آتش گرم خشک ھی صفت
باد گرم و تر ہی صفت آب سرد و تر ہی صفت
ماٹی سرد و خشک ہی لو اتو مزاج بیچ ہوا کی موجود
ہی بصورت معدوم معلوم ہوا کی صفت قراری ہور حالی پنا
باریکی صفت لمس ہور حرکت آگ کے صفت رنگ ہور
بو دلادی پانی کی صفت لذت ہور صفائی ماٹی کی صفت

۱۔ چاکیا معنی چکھا

بوی ہور افتاد کے یو آٹو صفتاں بی بیچ ہوا کی موجود ہی۔ بس یک سوں یک
کیوں تنزل پائی سو سنو۔ ماٹی بیں بوی افتاد کی صفت خود ذات کی ہی

پس یہ رسالہ آٹھ صفات پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نواب
حیدر علی خاں کے زمانہ میں نلمنگل سے آکر سری رنگپٹن میں مقیم تھے۔ آپ
نے سری رنگپٹن کے ایک[1] بزرگ شاہ علی کا ذکر کیا ہے۔ جو غالباً آپ کے ہمعصر
تھے۔ فرماتے ہیں

"اس پردے میں عشق کا بادشاہ اوپر تخت ہستے کے قائم مقام
ہی۔ دیدبان عاشق و معشوق کا اسکی شرح فقیر مفصل اور
ایک دجہ سوں کہتا ہی این دیکھو دامن نور دامن شاہ
اصطلاح دکھن کا ہے این الدین اعلی اسے وحہ فرمائے ہیں
اور سرنگ بٹن کے شاہ علی صاحب کے گھر کا راز بھی فقیر
اسے اصطلاح سنیا ہی جو مذکور اوپر کیا کیا سو اسکی تفصیل
یو ہی فقیر موافق حضرت خمسہ کے واضح تر شرح کرتا ہے"

عبدالقادر صاحب سروری مراۃ الاسرار رسالہ کی تمہید میں لکھتے
ہیں کہ "ان رسالوں کی داخلی شہادت اور شاہ صاحب کے سلسلۂ ارادت کے
لوگوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرکار خداداد کے کچھ پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتے
ہیں۔ اور رسالہ مراۃ الاسرار انہوں نے بانی سرکار خداداد کی ولادت ۱۱۳۴ھ
سے ایک سال پہلے ۱۱۳۳ھ میں اپنے فرزند محمد امیرالدین کے مطالعہ کے لئے تصنیف

۱۔ تذکرہ اردو مخطوطات حصہ اول ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کے صفحہ ۲۶ پر آپ کی تصنیف
کنز محبت کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مصنف نے آپ کو خواجہ بندہ نواز کا ہمعصر اور سنہ انتقال ۸۵۹ھ
بتایا ہے۔ اس رسالہ کی داخلی شہادتیں اس نظریہ کی تردید کرتی ہیں کیونکہ آپکا سری رنگپٹن میں قیام اور
دوسرے مشائخ کبار کی وہاں موجودگی اس بات کی شاہد ہیں کہ آپکا زمانہ نواب حیدر علی خاں کا عہد حکومت تھا

کیا تھا۔" ادیب صاحب اپنی کتاب "غازی اعظم" میں آپ کے تینوں رسالوں کو ۱۱۴۲ھ کے لکھے ہوئے بتلاتے ہیں۔ میرے پاس جو مخطوطات ہیں ان میں نہ تو تاریخ کتابت مندرج ہے اور نہ کاتب کا نام۔ لیکن کاغذ اور روشنائی سے گمان غالب ہے کہ یہ رسائل بیسور کی قدیم ترین اردو عبارت کا نمونہ ہیں۔

محمد سعید مہکری عاصی

محمد سعید مہکری نلونکلی اپنے زمانے کے مشہور شاعر تھے۔ عاصی تخلص کرتے تھے۔ آپ ولی دکنی، شاہ آبرو، شاہ حاتم، مظہر جان جاناں اور سراج الدین علی خاں آرزو کے ہمعصر تھے۔ آپ کی زبان اور شاعری ما قبل سرکار حیدرآباد کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ آپ کی زبان آپ کے معاصرین سے الگ نہیں۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ دستیاب ہوا ہے۔ آپ کے مرثیے، سلام وغیرہ قدیم خاندانوں کی مملوکہ بیاضوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہم نے مخزمہ رفعت زہرہ صاحبہ کی بیاض میں حمد، نعت، مرثیے، سلام اور غزلیں دیکھی ہیں۔

آپ کے تین نامی فرزند تھے۔ محمد علی مہکری مخلص حاتم زاد۔ عبدالقادر مخلص قادری اور محمد باقر مخلص یکرنگ

آپ کا انتقال ۱۷۵۲ء میں ہوا

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

شعری مجموعہ، مسودہ میں اردو از سلیم تمنائی (سب رس) بیاض مملوکہ مخزمہ رفعت زہرہ

آتش شوق ہے مرے سر میں | غم ہجرت ہے چشم کے گھر میں
یار آتا ہے کوسیں حسن بجا | شور ہے عاشقاں کے لشکر میں
شکر کر بو کسے میسر ہے | شب تاریک ماہ رو بر میں
التجا غیر کن لجانے سے | بہ کہ جانا دہانِ اژدر میں
حق نے مجھکو عطا کیا بکرم | جو صفت ہیں اتھی سکندر میں
روز و شب از رہِ نیاز تمام | ملتمس ہوں جنابِ حیدر میں

جامِ کوثر سوں تشنہ لب عاصی
ہوے سیراب روز محشر میں

اے صبا کیوں کربلا میں شاہ تھے بے یار بول | کیوں چلیا پیاسے گلے پر خنجر خونخوار بول
آب سوں رمضان میں عالم کوں جب ہرگز گریز | کیوں بلیا ہیں شاہ کوں عاشور میں افطار بول
اے صبا تقصیر کیا تھی ظالماں پر جو کٹے | خوں سے تر سرور کے بر میں جامۂ گلنار بول
عندلیباں بر نہایت سو رہے ہیں درد سے | کیوں جھڑے باغ رسالت کے گلاں یکبار بول
اے صبا جو کہ گذری کربلا میں شاہ پر | سوزِ دل سوں اے صبا اس درد کا طومار بول
مات کرنے پائے ہیں دو دل سوں گئے ان کے ابر | قاسم ابنِ حسن کا حسرتِ دیدار بول
اس جفا کی سرزمیں گل نہ تھے جز خارِ غم | کیا گلے میں قاسم مظلوم کے تھا ہار بول
اے صبا مدگوہردں کی سنی بدجہ ہر ستی | اس مبارک تن اپر کیسے لگے تھے وار بول

اے صبا سر خاک سر رکھ شاہ کی خدمت منے
عاصی غمگیں سدا اس درد سے ہے زار بول

سید حسین قادری عرف شاہ میاں شہباز

والد کا نام نبی شاہ قادری تھا۔ انہیں کی صاحبزادی نواب حیدر علی خاں بہادر کی پہلی بیوی تھیں۔ جن کی شادی ۱۱۶۲ھ میں نندراج نے اپنے خرچ سے کی تھی۔ شاہ میاں صاحب نے ایک رسالہ بنام "تذکرۃ السلوک" نثر میں ۱۱۴۲ھ میں لکھا ہے۔ ادیب صاحب نے اپنی کتاب "غازی اعظم"[1] کے صفحہ ۲۲۵ میں لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ انہوں نے بھی دیکھا ہے۔ لیکن صاحب موصوف نے عبارت کا نمونہ نہیں دیا ہے اور نہ مجھے کہیں سے ان کا کلام مل سکا۔

محمد مخدوم بیجاپوری شاکر

یہ بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ شاکر تخلص تھا۔ ساولی میں رہتے تھے۔ حیدر علی خاں بہادر نے ان کی شہرت سنی تو اپنے ہاں بلا کر فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ یہ صاحب سیف و قلم تھے۔ ان کے کلام کی چند ابیات درج ذیل ہیں

حال سب جبریل کا روشن ہے یاں — اس کو حد ہے منتہیٰ کے جھاڑ کا
ہم اگر چاہیں تو اوبر اڑ کو جائیں — جو ہے دل میں کاڑ پردہ آڑ کا

اڑ کو بجائے اڑ کر کاڑ بمعنی نکال الفاظ بلا تکلف استعمال کئے گئے ہیں

---

[1] غازی اعظم مصنفہ شاہ ابوالحسن ادیب

سید محمد المعروف شاہ میر

سید محمد حسین عرف شاہ میر بادشاہ بن سید جمال الدین بادشاہ بخاری اول بن سید کمال الدین بادشاہ بخاری اول۔ سید شاہ محمد قادری نور دریائی محمد مخدوم عبدالحق ساوی بیجاپوری اور شاہ ولی اللہ بیجاپوری کے ہمعصر تھے۔ آپ قصبۂ راپچوٹی کے باشندے تھے۔ اور آپ کی شادی کرنول کے بخاری خاندان میں سید شاہ حسین بخاری بن حاجی مخدوم بادشاہ کی دختر سے ہوی۔ آپ کی ولادت علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں ہوی۔ شاہ میر کمال الدین شاہ کے پیر مرشد اور بڑے بھائی تھے۔ شاہ کمال الدین کے دیوان میں متعدد اشعار آپ کے متعلق بائے جاتے ہیں ایک اور شعر میں شاہ کمال الدین آپ کا پورا نام لکھتے ہیں

شکر خدا کا کمال الدیں تو پایا کامل پیر
دین و دنیا کے والی حضرت سید محمد شہمیر

سید شاہ فقیر محی الدین معقبل چشتی قادری نبیرۂ سید شاہ کمال الدین شاہ کی ایک بیاض میں نے حضرت دودھ پیراں صاحب کے مکان میں دیکھی ہے۔ جس میں شاہ میر کی مندرجۂ ذیل غزل لکھی ہوی ہے

تیرا خدا جو ہے سو ترے سے جدا نہیں
جو کوئی جدا ہے تجھ سے وہ تیرا خدا نہیں

جیوں آفتاب روز سے یکدم جدا نہیں
ہووے جدا تو جان وہ شمس الضحیٰ نہیں

۱۔ اردوئے قدیم از شمس اللہ قادری۔ صفحہ ۳۲۲

۲۔ یہ رسالہ میں نے سلیم تمنائی صاحب کے کتب خانے میں دیکھا ہے

تیرے نبی بھی نیں ہیں تیری سے علاحدہ　　جو ہے علاحدہ سو پیمبر ترا نہیں
جیسا کہ اصل چھاؤں سے یک آن میں جدا　　ہووے جدا تو اصل وہ اس چھاؤں کا نہیں
پکڑے نلک تو پیر نہ سمجھے یہ بھید کو　　بن پیر کس او پر یہ معما کھلا نہیں
بیدل کے ساتھ جیوں کہ رہے دلربا سدا　　نا ہو اگر سنگات تو وہ دلربا نہیں

مقبل نے اس شعر کی یوں تصحیح کی ہے

بیدل کے ساتھ جیسے رہے دلربا تیرا　　نا ہووے تیرے ساتھ تو وہ دلربا نہیں
جو رہنما تیرا ہے تیری ساتھ ہی مدام　　نیں ساتھ گر ترے تو ترا رہنما نہیں
(مقبل نے لکھا ہے)　　ہمراہ تیرے ساتھ نیں تو ترا رہنما نہیں
کہتے ہیں جسکو حق محمد سو ہے خدا　　یعنے خدا جدا و محمد جدا نہیں
مقصود یہ کہ تو جو محمد ہے تو خدا　　غیر از فنا ہوئی کے حصولِ بقا نہیں
یاد بگا جب تو پیر کو ہو پیر میں فنا　　گر یوں یقین میں تو وہ راہِ ہدی نہیں
نیں ہے مرید بلکہ وہ شیطان ہے مرید　　جو کوئی مرید پیر کو اپنے خدا نہیں
صورت سے پیر تیرے ہوا پیر جلوہ گر　　اس کا انا ہے تجھ میں تیرا انا نہیں

نصیر الدین ہاشمی صاحب "دکن میں اردو" کے صفحہ ۱۲۰ میں آپ کے رسالہ حقائق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۱۹۷ھ کے لکھے ہوئے نسخہ کے آخر میں شاہ میر کی کچھ غزلیں درج ہیں ان میں سے کچھ اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ جو اصل میں اوپر درج کی ہوئی غزل ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

تیرا خدا جو ہی سے تیر بیوں جدا نہیں　　جو ہی خدا تیری سوں او بیرا جدا نہیں
جوں آفتاب روز سوں یکدم نہیں جدا　　ہوئی جدا تو جان وہ شمس الضحیٰ نہیں
جب یاد بگا توں پیر تو ہو پیر میں فنا　　غیر از فنا ہوگی حصولِ بقا نہیں
صورت سوں تیری پیر ہوا پیر جلوہ گر
اس کا انا ہی تجھ میں یو تیرا انا نہیں

شہ میر فکر تو کچھ قوت کی داللہ — رزاق ترا قادر و قیوم ہے اللہ
جیرا ہے جنے منھ کو وہ کیا رزق نہ دیوے — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تذکرۂ اردوئے قدیم مصنفہ حکیم شمس اللہ قادری میں آپ کو "اسرار التوحید" کا مصنف بتایا ہے۔ آپ کا ایک رسالہ بنام رسالۂ قادریہ کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ دوسرے مختلف رسالوں کے ساتھ مجلد ہے۔ اور یہ رسالہ سات اوراق پر مشتمل ہے ابتدا یوں ہوی ہے۔ "یہ رسالہ قادریہ حضرت دادا مرشد رسول محمد شاہ میر قدس سرہ بیان میں تنزلات کے جو موافق یعنے اصطلاح قادریہ فرماتے ہیں۔"

نمونۂ عبارت یہ ہے۔

آغاز :۔ ثنا اور شکر سزاوار اس خدا کو جو انساں کو جو اپنی ذات و صفات کی معرفت سے مشرف کیا اور انہیں توحید اور یگانگی کی حلوت عطا کیا"

جو کچھ ثنا اور ذات خدا کی تھی اور کچھ شئے سی جو آپ ہی تھا اس حا۔ لک جو صفتاں بھی مخفی تھے اس مرتبہ کو گنج مخفی بولے ہیں۔ ۔۔۔۔ جب خدائے تعالیٰ اس گنج مخفی کو عیاں کرنے چاہے تاکہ نظر ایک شاہد نکلے۔

تذکرۂ[1] اردو مخطوطات جلد اول میں ڈاکٹر زورؔ نے حضرت شاہ میر کی ایک تصنیف بنام مدح میراں کا ذکر کیا ہے اس کے تین اوراق ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں۔ تقطیع ۴ × ۷½ ہے۔ مصنف کا نام شہ میر ہے زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ بتایا گیا ہے۔ یہ نظم پندرہ ابیات پر مشتمل حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کی مدح میں لکھی ہے۔ شاعر کے متعلق ڈاکٹر زور صاحب لکھتے ہیں۔ "شاعر کی نسبت معلومات حاصل نہ ہو سکیں

۱۔ تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول ادبیات اردو۔ حیدرآباد دکن

غالباً یہ کوئی صوفی بزرگ ہیں قصبۂ رایچوٹی میں ایک صوفی شاہ میر گذرے ہیں جن کا رسالہ توحید مشہور رہے۔ ممکن ہے یہ نظم انہیں کی ہو۔"

آغاز۔

سرمست ہے معبود کا یا قادری میراں مدد ۔۔۔ محبوب ہے موجود کا یا قادری میراں مدد

توں قطب ربانی محی۔ محبوب سبحانی محی ۔۔۔ یعنے ابوالقاسم محی یا قادری میراں مدد

اختتام۔

محی الدین ولی ہے پیار کا ۔۔۔ معشوق ہے کرتار کا

عاشق ہے حق دیدار کا ۔۔۔ یا قادری میراں مدد

تقویٰ منجے ہو دھر کا ۔۔۔ تب مدح کہوں میں پیر کا

سچ پیر توشہ میر کا ۔۔۔ یا قادری میراں مدد

مجھے بڑے مکان سے آپ کا ایک رسالہ بنام انتباہ الطالبین بھی ملا ہے۔ جس کے اقتباسات ملاحظہ ہوں

آغاز۔

بنام او کہ او نامی ندارد
بہر نامی کہ خوانی سر برآرد

یعنی ابتدا میرا اسکے نام سوں ہے جو یکناؤں نہیں رکھتا بلکہ جس ناؤں سوں تو اوسی بلاویگا سر اوٹھاویگا یعنی جواب دیوے گا ہور حاضر ہو دیگا۔ اے طالب حق وجہ یہ ہے کہ اوسی یکنام مقرر نہیں بلکہ اوسکی نام بیعد ہیں۔ ہور عدم کوں سوائے یکنام کے دوسرا نام نہیں اس سبب سوں کہ اسم بی مسمیٰ ہے یعنی لاشئ اور وجود شئ ہے ایسا کہ بہت کمالات رکھتا ہے۔ ہر ایک کمال کے سبب سوں اوسی یکنام علحدہ رکھتے ہیں ہور

۱۔ انتباہ الطالبین کا مخطوطہ جس کے اوراق ۵۵ اور مسطر ۱۵ ہے ۱۱۲۳ھ ہے انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ میں ہے

توحید کے اصطلاح میں وجود ہست کون کہتے ہیں۔ ہور ہست حقیقی اللہ تعالےٰ ہے۔ اول بی ہے ہور آخر بھی ہے ہور درمیانے ہے۔ یعنی ہمیں نیں تھے۔ اور ہمیں نا ہوینگے تب بی رہیگا۔ اور ہمیں ہیں تو اب بی ہے۔ است کہے تو ہے ہور ہی کون۔ سب کچھ ہے اور ہمیں کو کچھ بی نہیں۔ یعنے ہست حقیقی متصف ہے صفات کمال سوں ہور منزہ ہے صفات نقص و زوال سوں۔ پس ذاتی ہور اصلی نام وجود کا اللہ ہے ہور صفاتی نام بہت ہیں جیسا کہ اس وجود کوں اس اعتبار کہ خود بخود موجود ہے واجب کہتے ہیں ہور اپنے موجودیت میں محتاج امر زاید کا نہیں ہے۔ صمد کہتے ہیں۔ ہور اس رو سے کہ غیر اس کا خارج میں واقع ہور ثابت نہیں ہے۔ احد کہتے ہیں کیا سبب کہ اگر ایک جو خارج دائرہ وجود سوں ہے سو یہی عدم ملفوظی ہے جو سوائے لفظ کے اس سوں بہی کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ذکر اللہ کے بعد ذکر معنی اللہ کے ذیل میں یہ شعر لکھتے ہیں

مرا مجھیں کچھ نا ہیں جو کچھ ہے سو تیرا
ترا تجکو سوپنے کیا جاتا ہے میرا

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ " ایطالب بعد از بسم اللہ الرحمن الرحیم کے کہتا ہے فقیر حقیر خاکپائے پیر دستگیر خلاصۂ خاندان مصطفوی نقادۂ دودمانِ مرتضوی۔ پیشوائے سائران سیر الی اللہ مقتدائی رہروان سیر فی اللہ عارف کامل ہادی مکمل مسند نشین و سجادۂ ولایت کرسی نشین وسادہ ہدایت شیخ المشائخ اکمل الرواسخ قطب الاوتاد۔ فرد الافراد ضابطۂ علوم معرفت جامع الشریعت والحقیقت مالک ممالک۔ کشف یقین مولانا و مرشدنا حضرت سید جمال الحق والملت والدین قدس اللہ تعالےٰ سرہ العزیز و افاض علینا من برکاتہ و جمانا جمایتہ الی یوم الدین آمین آمین آمین۔ سید محمد المعروف شاہ میر عفی عنہ

اختتام۔

اے طالب   جب قلم اسجا کا پونچنا تو آگے چلنے سوں بند ہوا ہور ہات کوں لکھنے کا ہور قلم پیرانیکا قوت نہیں رہا ہور دلیں گذریا کہ اب بس کر معلوم ہوا کہ ارادت اللہ میں یو رسالہ اتنا چہ ہونا کر تھا۔ اس سبب سوں اس رسالہ کوں ختم کیے گئے ہور اس رسالہ کا نام "انتباہ الطالبین" رکھے گیا ہے۔ الٰہی اگرچہ کچھ خطا از روئے سہو ہور نسیان کے جو مرکب ہے انسان میں ہو ہویگا تو توں اپنے فضل و کرم سوں معاف فرما ہور ہمارا خاتمہ صواب پر کرے۔

نگہ دار ما را ز راہ خطا   خطا در گذار د صوابم نما

طفیل پیر سوں پیر کامل کے ہور مرشد مکمل حضرت خواجہ سید جمال الحق والملت والدین قدس اللہ سرہُ العزیز کے۔ الٰہی میرے تئیں ہور میرے عیال ہور اطفال ہور دوستاں ہور نابعاں کے تئیں میرے مرشد کے راہ پر ثابت ہور استوار رکھ۔

پنجم ماہ ربیع الاول بحرمت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتبہٗ محمد حسن عفی اللہ عنہ

اس رسالے سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شاہ میر۔ وہ شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری نہیں ہو سکتے جن کا ذکر ڈاکٹر زور صاحب نے اردو مخطوطات ادارۂ ادبیات کے صفحہ ۱۹۵ پر " نکات الواصلین" کے سلسلہ میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

" زیر نظر مخطوطہ کے مصنف شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری چشتی کے بھی مرید تھے۔ آخری حصہ کتاب میں اپنے مرشد سید حسین بادشاہ کے ساتھ ان کا بھی نام لکھا ہے۔ یہ شاہ میر غالباً وہی ہیں جن کی ایک نظم مدح میراں قادری کا تذکرہ اسی فہرست مخطوطہ نمبر ۱۱۵ میں لکھا گیا ہے"

مصنف نکات الواصلین کا زمانہ ۱۲۷۹ھ بتایا گیا ہے اور شاہ میر مصنف مدح میراں کا زمانہ تقریباً ۱۱۰۰ھ (صفحہ ۱۵۱) لکھا ہے۔ اس لئے

مصنف نکات الواصلین شاہ میر مصنف مدح میراں کے مرید نہیں ہو سکتے کیونکہ دونوں کے زمانہ میں ۱۷۹ سال کا فرق ہے۔ اس لئے وہ شاہ میر المعروف شاہ میاں جن کو مصنف نکات الواصلین نے اپنا پیرو مرشد بتایا ہے۔ مدح میراں و رسالۂ التوحید کے مصنف سید محمد حسین عرف شاہ میر نہیں ہو سکتے جو کمال الدین شاہ کمال کے پیرو مرشد اور بڑے بھائی تھے۔ جن کا زمانہ بارھویں صدی ہے

دوسری شہادت یہ ہے کہ ڈاکٹر زور صاحب نے اسی کتاب کے ۱۹۵ صفحہ میں کتاب نکات الواصلین سے مندرجۂ ذیل اقتباس درج کیا ہے۔

" فقیر حقیر خاکپائے موصوف رحمہم اللہ سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری المتخلص بہ سالک مشہور بہ غوث نما فرزند حضرت سید حسینی بادشاہ قادری بن حضرت سید شاہ نور اللہ واقف اسرار اللہ قادری ابن حضرت سید جمال الحق الملۃ والدین قدس اسرارہم کے اقوال ہیں۔

مذکورۂ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ سید جمال الحق جن کو شاہ محمد المعروف شاہ میر نے انتباہ الطالبین میں اپنا پیرو مرشد بتایا ہے اور جن کے حسب ارشاد آپ نے یہ کتاب لکھی ہے۔ مصنف کتاب نکات الواصلین (سلطان محی الدین بادشاہ غوث نما) کے پردادا ہیں۔ جن کا زمانہ ممکن ہے کہ ان سے کوئی ایک صدی پہلے کا ہو۔ اور مصنف نکات الواصلین نے اپنے والد و مرشد سید حسینی بادشاہ اور دوسرے مرشد سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب کا جو ملا جلا ذکر کیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ موخر الذکر شاہ میران کے والد حسینی بادشاہ کے ہمعصر کوئی اور بزرگ ہوں گے۔ لہٰذا شاہ کمال کے پیرو مرشد سید محمد المعروف شہ میر کی اور ان کی شخصیت علحدہ ہے۔ تیسری شہادت یہ ہے کہ اسی کتاب کے ۱۹۴ صفحہ میں ڈاکٹر زور صاحب

سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری غوث نما مصنف نجات الواصلین (سنہ تصنیف ۱۲۰۹ھ) کے سلسلۂ رشد و ہدایت کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

سلطان محی الدین بادشاہ غوث نما فرزند و مرید سید حسینی بادشاہ مرید فقیر اللہ شاہ حیدر مرید شاہ رفیع الدین قندھاری مرید شاہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ۔ شاہ کمال الدین نے اپنے دیوان میں "رحمت اللہ نائب رسول اللہ" سے عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے۔

ہے خواجہ رحمت اللہ صاحب الاہی ہے صاحب نسل نبی انور کا یہی
اس دفن کے مشائخ عالیمقام کا قدوۂ یہی امام یہی مقتدا یہی

مشہور ہے کہ شاہ کمال الدین نے چکی نامہ آپ ہی کے حرم محترم کی فرمائش پر لکھا تھا۔ لہٰذا شاہ کمال الدین کے مرشد شاہ میر رحمت اللہ نائب رسول اللہ کے ہم عصر ہو سکتے ہیں۔ جو سلسلۂ رشد و ہدایت کے لحاظ سے غوث نما کے والد سید حسینی بادشاہ صاحب سے تین سلسلے آگے ہیں۔

انجمن ترقی اردو علیگڈھ کے کتب خانہ میں میں نے آپ کی ایک مثنوی بھی دیکھی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

روضہ دربیان شہادت فرزندان حضرت مسلم طبعزاد شاہ میر اوراق ۲۲ نوتقطیع ۵×۹ ہر صفحہ میں تیرہ ابیات ہیں۔ نمونہ یہ ہے

خدا یا کت رہیں مردود حشر تک دونوں ہی لعنت سی بہود
نبی زادوں سے مرند کا کیا کام دوہا ئی عافت کا سرانجام

قلم کی اب زباں ہوئی چلی تیز لگا طوطی نمن کرنے کبھی سیر

۱۔ ملاحظہ ہو نمبر ۲۳ زیر عنوان اخلاقیات (مخطوطات کی فہرست کتب)

جو مجکوں بات ہیں کوئی اپنے لیوے | دو اپی دل پہ رقت ملکی لیوسے
سیاہی اشک کے کرائے قلم کش | لکہہ اس احوال غم کوں کہا کرتوں عشق

اری شہ میر یہ ہے دردکی بات | ختم کریو قصیدہ پر توں صلوات

کہہ لے شہ میر معصوں پہ صلوات | دعا خاطر طلبہ کرانی توں بات
اے مقتول ستم صاحب کرشمہ | تمہاری فیض کا جاری ہے چشمہ
نہ کر شاہ میر کو ہر کس کا محتاج | ثنا خواں ہوں تمہاری تمہیں لاج
یہی تو آرزو ہے مجھ بشر کی | کشایش رزق کی بخشش حشر کی

آپ نے ایک رسالہ بنام رسالۂ حقائق لکھا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف "دکن میں اردو"[۱] لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ کسی فارسی کتاب وحدت الوجود کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے

عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

لیس کمثلہ شئی وہو السمیع البصیر، یعنی کوئی چیز اس سریکا نہیں۔ یعنی مخلوقات کی صفاتاں سوں ہور لوازمات سوں پاک ہور منزہ ہی ہور برتر ہی۔ اے عزیز موجود دو وصف کا ہی ایک واجب الوجود دوسرا ممکن الوجود

"سنہ میری اولیا" کے مصنف حکیم محمود صاحب بخاری نے کچھ اور کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً رسالۂ عینیت و غیریت (اس میں

۱۔ دکن میں اردو۔ مصنف نصیر الدین ہاشمی۔ مطبوعہ مطبع کریمی۔ بازار عیسیٰ میاں۔ حیدرآباد دکن۔ بار دوم ۱۹۲۶ء میں صفحہ ۱۱۸

علمِ تصوف کے مضامین بطورِ سوال و جواب لکھے گئے ہیں۔ اور رسالۂ نوریہ میں آیتِ نور کے معانی و مطالب تحریر کئے ہیں۔ یہ دونوں کتابچے ۱۲۵۵ھ میں نقل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ بقول مصنف شہ میری اولیا نہ بطونِ چشتیہ، ضیاء العیون، عقائدِ صوفیہ، رسالہ قادریہ بھی حضرت شہ میر سے منسوب کی جاتی ہیں۔ جن کے قلمی نسخے کتب خانۂ آصفیہ و جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن و کتب خانۂ روضۂ خورد گلبرگہ شریف میں موجود ہیں۔

شاہ کمال الدین

شاہ صاحب کڈپہ کے رہنے والے باکمال بزرگ تھے۔ سادات حسنی الحسینی تھے آبائی وطن بخارا تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ سناوتور پھر ملنگا ڈول (بیجاپور) اس کے بعد کڈپہ پھر کرنول میں مقیم ہوئے۔ آپ کے جدِ امجد نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے خاندان میں شادی کی تھی۔ شاہ کمال الدین دکنی اور فارسی زبان میں اشعار کہتے تھے۔ آپ اپنے بڑے بھائی شاہ میر صاحب کے تربیت یافتہ اور معتقد خلیفہ تھے ان سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔ کمال الدین شاہ صاحب دیوان ہیں۔ میں نے ان کا غیر مطبوعہ دیوان میسور کے ایک مشائخی خاندان کے پاس جو عیدگاہ محلہ میں حضرت "دودھ پیراں کا مکان" کہلاتا ہے۔ دیکھا ہے۔ اور ان کی بیشتر نظمیں ان کی بیاض سے نقل کرلی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا دیوان بنام "مخزن العرفان" دو جلدوں میں بنگلور کے مطبع منشت الاسلام سے مولوی محمد اسحٰق صاحب کے اہتمام سے پہلی مرتبہ ماہ رجب ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں طبع ہوا تھا۔ دیوان کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ جلد اول کے ۲۸۰ صفحے اور جلد دوم کے ۱۹۴ صفحے ہیں۔ ان میں آپ کی غزلیات، رباعیات، قصیدے، قطعات وغیرہ شامل ہیں۔ ہر ہر

۱۔ نیز انجمن ترقی اردو علیگڈھ کے کتب خانہ میں آپ کا قلمی دیوان موجود ہے ملاحظہ ہو فہرست کتب عنوان کلیات و دواوین نمبر ۳۰

شعر میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے اور بعض قصائد اپنے پیر و مرشد کی مدح میں جمال الدین و جمال اللہ کی ردیف میں لکھے ہیں۔ اور بہت سے اشعار میں شاہ میر کی بزرگی اور ان سے عقیدت کا اظہار کیا ہے

معلوم ہوتا ہے کمال الدین شاہ دوست میر، دونوں بھائی کڑپہ میں رہتے تھے۔ نواب حیدر علی خاں نے ۱۷۶۹ء میں فتح کڑپہ کے بعد ان دونوں کو سری رنگا پٹن آنے کی دعوت دی اور ان کے وظیفے مقرر کردئے۔ اور درخواست کی کہ خدا کی جناب میں سلطان کے لئے دعا کرتے رہیں۔ ان بزرگوں نے سرنگا پٹم میں اقامت کی اور گوشۂ عزلت سے کبھی قدم باہر نہ نکالا۔ ان کی تاریخ وصال ۱۲۲۴ھ ہے۔ حضرت دودھ پیراں صاحب کے مکان واقع عیدگاہ محلہ میسور میں شاہ صاحب کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی بیاض موجود ہے۔ جس میں آپکی منتخب نظمیں ساٹھ صفحوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کی تقطیع ½۹×۷ ہے انہوں نے اپنی نظموں کی ترتیب دیوان کی طرح حروف تہجی کے اعتبار سے کی ہے۔ بیاض کے اول و آخر میں ان کی مہر ثبت ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

هر ذره رو نما ہے تیرے آفتاب کا — آئینہ طلعت آب ہے جیوں ماہتاب کا

اعیان کی ہی لباس سے بنتی تری عیاں — جیوں صورت ظروف سے جلوہ شراب کا

جان و دل اس کا سنگ سے پوچھو — سوز میرا تفنگ سے پوچھو

۱۔ گلزارِ اعظم مصنفہ شاہ ابوالحسن ادیب صفحہ ۲۲۷

۲۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے ایک مخطوطے کے آخر لکھا ہے: "وفات سید کمال الدین چشتی القادری قدس سرہ ماہ صفر المظفر ۱۲۲۴ھ" (اسکی تفصیل آگے آئیگی)

شراب وصل سے مسرور رہنا خمار ہجر سے مخمور رہنا
رکھ اپنی اقتضا اسکی قضا پر نظر مختار اور مجبور رہنا

آدمی خود پسند نہ ہونا دام ہستی میں بند نہ ہونا

حق کی یگانگی سے جو کوئی آشنا ہوا اوگم ہوا نابت رہوا ناخدا ہوا
بحر زلال سے جو نمک جا ہوا قریں اوگھل گیا نہ لنج ہوا اور نہ لا ہوا

جیو میں بیٹو عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا آشکارا ہو نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

معنی کے آئینہ میں میں عکس ذات دیکھا صورت کی آرسی میں روئے صفات دیکھا

اللہ میں ہوں کہنا بدعت اسے کہے ہیں اللہ نما ہو رہنا سنت اسے کہے ہیں

نبی کے ذات کے مرات میں نور خدا دستا جہاں کے جام میں عکس جمال مصطفےٰ دستا[1]
خدا اور مصطفےٰ ایک دوسریکا بلکہ ہے درپن محمد میں خدا دستا خدا میں مصطفےٰ دستا

تجھ عشق کے آتش سے اب شمع ہو جلنا پڑیا
تجھ شوق کی تابش ستی جیوں موم ہو گلنا پڑیا
تیرے برہ کے درد کو دارو نہیں بن وصل کے
اسواسطے پھر اذن تجھ ناح[2] نکسنا پڑیا[3]

---

۱. دستا، دکھائی دینا۔ ۲. تجھ باج تیرے بغیر ۳. نکسنا پڑیا نکلنا پڑا

تن کو کڑاہی اپنی کرتس میں حگر کی تہ میں دہر
روغن سے تجھ ہجر کے مجھ دمبدم تلنا پڑیا
وعدہ صبا کا کر گیا آیا نہیں پھر آج تیئں
حق کی قسم تبصتے سجن یک تل مجھے گلنا پڑیا
شہیر کر کے فضل سو اب اے کمال الدیں تجھے
صفحے سو دل کے غیر کا حرف و نقط چھلنا پڑیا

اپنے پیر و مرشد کے متعلق حصہ اول مخزن العرفان کے اشعار ملاحظہ ہوں

حضرت شہیر کے امداد سے ۔ اے کمالی کر بدل تو بار ہا
کمالی حضرت شہیر کی تلقین سے اجاکی ۔ صفات و ذات حقکی شرح میں کیتا غزالا
شاہ میر سا جسے ملا صاحب کمال پیر ۔ او مستحق منصب قرب و لقا ہوا
کمال اعیان کے درپن میں عیان شہمبر کے نیوں
عدم دیکھا۔ قدم دیکھا ۔ فنا دیکھا۔ بقا دیکھا

ردیف الف کے علاوہ دوسری ردیفوں میں بھی بہت سے اشعار میں اپنے استاد کا ذکر کرتے ہیں ۔ آپ نے ایک نظم شاید ٹیپو سلطان کی تخت نشینی کی مبارکبادی میں لکھی ہے ۔

نوجوانی تجھے مبارک ہو ۔ یارِ جانی تجھے مبارک ہو
جنت الکافرین میں با ایماں ۔ شادمانی تجھے مبارک ہو
زیور و رمزمہ و بزم حلوس ۔ شاہدانی تجھے مبارک ہو

۴۔ آج نہیں ۔ آج تک ۔ ۵۔ نے ۔ ے ۔ ۶۔ سجن معشوق
۷۔ درپن ۔ آئینہ

شوکت و دبدبہ و جاہ و جلال
خسروانی تجھے مبارک ہو
ظفر و فتح و نصرت و تائید
آسمانی تجھے مبارک ہو
پاک طبعاں و خوش کلاماں کی
شعر خوانی تجھے مبارک ہو
گلۂ جملۂ رعیت کی
نت شبانی تجھے مبارک ہو
خصم پر خشم، دوست پر رحمت
ہر زمانی تجھے مبارک ہو
صاحبانِ کمال کی دائم
قدر دانی تجھے مبارک ہو

آپ کی ایک اور نظم ہے۔ (شاید یہ روحِ انسانی کی فریاد ہے)

دریغا کرکے قولاں پیا سوں جگ میں آئی ہیں
ولے یک قول جو لازم اتھا نیوں نیں نبھائی میں
ہزاروں بار ہوی مجھ سے پیا کے ساتھ بد قولی
ولے ہرگز انہوں سے کب نہ دیکھی بے وفائی میں
پیا نے نعمتاں بے حد کئے مجھ کو عنایت پن
ہزار افسوس شکر انکا سجا یک تل نہ لائی میں
پیا کے یاد میں ہر دم مرے مشغول رہ نا دن
دریغا کھیل اور غفلت میں وقت اپنا گنوائی میں

آپ کے دیوان حصہ دوم کی ابتدا رباعیات سے ہوتی ہے۔ اس میں ایک سو گیارہ رباعیات، مستزاد، ترجیع بند، قصائد اور مثنویات موجود ہیں۔ آپ کے اشعار میں دہلی کے متقدمین شعرائے اردو کا رنگ جھلکتا ہے۔ عربی فارسی کے علاوہ ہندی الفاظ کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اور یہ ایسے چھے تلے برمحل استعمال کئے گئے ہیں کہ حسنِ بیاں میں اضافہ ہوگیا ہے۔

ان کا کلام سادہ صاف اور شستہ ہے۔ زورِ کلام اور بلند خیالی بھی غضب کی پائی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ولی کے تتبع میں پورا دیوان لکھا ہے۔ تصوف کی چاشنی نے اس کو پر کیف بنا دیا ہے۔ آپ کی دوسری تصانیف کی مندرجۂ ذیل فہرست سخاوت مرزا صاحب نے رسالۂ اردو اپریل ۱۹۳۹ء میں درج کی ہے۔

۱۔ دیوان۔ مخزن العرفان وکلیات۔ مخزن العرفان اردو زبان میں ہے یہ چار سو تیئیس غزلیات۔ گیارہ مخمس۔ چار مرثیوں۔ چکی نامہ رباعیات مختلف قصائد۔ مناجات۔ مناقب بزرگان دین پر مشتمل ہے۔

۲۔ دیوان فارسی۔ ۳۔ کلیات کمالیہ فارسی۔ ۴۔ کمال المعرفت فارسی منظوم۔ ۵۔ کلام کمال فارسی نظم۔ ۶۔ حسن السوال وحسن الجواب وغیرہ

مشہور ہے کہ ان کو خواجہ رحمت اللہ سے بھی خاص عقیدت تھی ولی دکنی کا آخری زمانہ آپ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ان کا وصال ۱۲۳۴ھ میں ہوا۔ کرم کنڈہ ضلع کڈپہ میں دفن ہوئے۔ تربت پیر ہدیٰ تاریخ وفات ہے۔ ان کے دو صاحبزادے سید دادا پیر حسینی و سید جلال الدین حسینی المتخلص اکملی تھے۔ میسور میں آپ کے خلیفہ میر حیات مصنف مصباح الحیات ہیں۔ آپ کی تصنیف چکی نامہ ترنم و موسیقیت کی جان ہے۔ اور دکنی زبان میں عورتوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ میسور کی مزدور پیشہ عورتوں میں بے حد مقبول ہے۔ میں نے اپنے تحقیقی کام کے سلسلہ میں جب ان پڑھ طبقہ کی عورتوں سے شادی بیاہ کے موقعوں پر گائے جانے والے گیت جمع کرنے چاہے تو یہ دیکھ کر

۱۔ انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے کتب خانے میں تصوف کے متعلق ایک مخطوطہ جو اوراق پر مشتمل ہے۔ جس کے آخر میں لکھا ہے "وفات سید کمال الدین صاحب چشتی القادری قدس سرہ در ماہ صفر المظفر ۱۲۳۴ھ"

بڑا تعجب ہوا کہ ان پڑھ عورتوں کو یہ چکی نامہ شروع سے آخر تک لفظ بلفظ یاد ہے۔

بسم اللہ بسم اللہ ہر دم میں لولونگی ثنا اور صفت کے موتیوں کو رولونگی
بسم اللہ بسم اللہ سمرن میرے من کا ہر دم ہے وظیفہ ناؤں اس ساجن کا

شاہ صاحب کے منظوم کلام کے علاوہ میرے پاس آپ کا ایک مختصر رسالہ بنام "ارشادنامہ" موجود ہے۔ یہ ایک کرم خوردہ قلمی بیاض میں ہے۔ ارشادنامہ کی عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمہ طیبہ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔
لَا اِلٰہَ۔ نہیں کوئی اللہ۔ بندگی لبنکی اور خدائیکی لائق۔ اِلَّا اللّٰہُ۔ مگر اللہ تعالےٰ۔ محمد رسول اللہ۔ محمد پیغمبر ہیں اللہ تعالےٰ کے۔ کہ او اللہ ایک ہے اور لا شریک ہے اور منصف ہی صفات کمال سوں اور منزہ ہے۔ صفات نقص و زوال سوں کوئی چیز اوسکی سریکی نہیں۔ اوکسے چیز سریکا نہیں۔ حاصل اسکا توحید افعالی یعنے ہمہ اوست
کلمہ طریقت لَا اِلٰہَ۔ نہیں کوئی موجود۔ اِلَّا اللّٰہُ مگر اللہ تعالےٰ۔ محمد رسول اللہ۔ محمد نور ظہور اللہ تعالےٰ کے ہیں نفی غیرت دہی کا اور اثبات وحدانیت حقیقت کا حاصل اسکا توحید صفاتی بدواست۔
کلمہ حقیقت لَا اِلٰہَ ظاہر وجود حق آپ ظاہر ہے اِلَّا اللّٰہُ باطن وجود حق اپ باطن ہے محمد رسول اللہ ذات باصفات حق آپ محمد ہے حاصل اسکا توحید ذاتی یعنے ہمہ اوست

اپنے نین پن میں حق کا ہے بن دیکھ ہیں ہوا فرض معرفت سیں ادا
اثار و فعل و صفت سیں اپنی نظر نکال دیکھ بدوجود ذات اگر ہے تو واسطے

مرآتی بجودی میں دیکھا ہوں ۔ حق کوں حق سین
جنت اسے کہتے ہیں رویت اسے کہتے ہیں

آخر میں اپنے پیرو مرشد شاہ میر کی شان میں متعدد اشعار لکھے ہیں ۔ چنانچہ ایک شعر ہے

بزم میں حضرت شہبیر کے اتنا ہے کمال ؛ بس کہ مذکور سدا شغر مری رہتی ہے

نیز ان کی ایک اور تصنیف بنام رسالۂ تصوف کے آخر میں ایک نظم حضرت شہبیر کی ردیف میں ہے

معرفت میں فارغ التحصیل حضرت شاہ میر
شرح میں سنت و تنزیل حضرت شاہ میر

آخر میں لکھے ہیں ۔

ہی جمال و ہم کمال حق کا ہی دیکھئے ؛ صیقل آئینہ در محل حضرت شاہ میر

نیز حضرت سید جمال الدین سے عقیدت کا اظہار ایک مخمس میں یوں کرتے ہیں

مرشد روشن ضمیر بے نظیر — جس کے درگاہ کا کمال ادنی فقیر
حضرت سید جمال الدین ہے
قطب اکرم غوث اعظم شاہ میر — اس کا پیر رہنما و دستگیر

رسالہ تصوف کی عبارت کا نمونہ ملاحظہ ہو

خدا کی راز و رموز کے باتاں کسے نامحرم کے سامنے نا بولنا ۔ غیر کے طرف تہی دل محمد کی طرف روح ثابت کیا سو مراقبہ مشاہدہ حقیقتہائے ہماری نزدیک ہی اس تن کے نخل ۔

نیز وحدت الوجود کے نام سے تینتیس ۳۳ ابیات کی ان کی ایک اور مثنوی رسالۂ تصوف کے ساتھ مجلد ہے ۔ ۱

۱۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتب خانے میں مخطوطہ نمبر ۳۵ بزیر عنوان کلیات دو دارہ صفحہ ۹۹ ملاحظہ ہو

نمونہ یہ ہے

مسئلۂ باطنی بہوت لکھتا پن قلم کوں کہا کہ اب مت چل
منقطع کر طناب اطناپے کہ ہے خیر الکلام قل و دل
پیر شہمیر کے چرن پہ کمال سر سے پلپل یقیں کے جا بلبل

مجموعۂ نغز کے صفحے ۲۰۰ پر مصنف نے کمال الدین کا ذکر کیا ہے۔ کہ دور دوم کے یہ ایک قدیم شاعر ہیں جو اپنا پورا نام تخلص کرتے تھے۔ مرد عاشق پیشہ معلوم ہوتے ہیں۔ طرز گفتار اس زمانے کی مروجہ زبان کے مطابق ہے۔ ان کے اپنے اشعار پرانی بیاضوں سے نقل کر کے بطور نمونہ دیے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ ریاست میسور کے شاہ کمال الدین ہوں جن کا ذکر ہم نے پچھلے صفحوں میں کیا ہے۔

مرہ کے بیچ سوں مجکوں چھڑانا جا چھڑانا جا
ٹک ایک مہر و وفا کر مکھ دکھاتا جا دکھاتا جا
حالی جس قدر میری کرو ں جوگی کے سے بھیرے
درس کی بھیک لے ظالم دلاتا جا دلاتا جا
کمال الدین ترا عاجز محبت کر محبت کر
اشنامے سے کبھو اسکوں بلاتا جا بلاتا جا

اے صنم عشق میں جی کوں گنوا دوں تو سہی عاشقی کے جھڑ میں عاشق کہاؤں تو سہی
ہجر کے غم سوں اگرچہ جلنا ہی ہے مجھے پانی سوں نینا کے آتش کوں بجھاؤں تو سہی

۱۔ مجموعۂ نغز۔ از حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم مرتبہ محمود شیرانی لکچرار پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۳۳ء میں یہ کتاب سلسلۂ نشریات کلیۂ پنجاب شائع ہوئی ہے۔

شاہ محمد صدرالدین کی طرح شاہ کمال الدین کا موضوع بھی مذہب و تصوف ہے۔ لیکن دونوں کی زبان میں نمایاں فرق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں شمالی ہندوستان اور اہلِ دکن کے میل جول سے زبان اردو کی ترقی میں بڑی تیز رفتاری پیدا ہو گئی تھی۔ دن بدن نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے الفاظ سے اردو کے ذخیرے میں اضافہ ہو رہا تھا۔

لالہ مہتاب رائے سبقت

یہ اردو، فارسی زبانوں کے ماہر اور دربار سرکار خداداد کے مشہور ادیب و شاعر تھے۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری نے ان کے اردو فارسی کلام کا مجموعہ "مہتاب سخن" کے نام سے ادارۂ ادبیات اردو میور کے سلسلہ میں مطبع مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے شائع کیا ہے۔

سبقت نے اپنا فارسی و اردو کلام اور خطوط "شمع مجلس" کے نام سے ۱۱۹۱ھ میں ترتیب دیا تھا۔ اس میں ان کے فارسی رقعات و مثنویات کے علاوہ اردو و فارسی غزلیات بھی شامل ہیں ان کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ لالہ مہتاب رائے کسی معتبر ہندو کالستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ممکن ہے شمالی ہندوستان کے کسی حصہ سے آکر نواب حیدر علی خاں کی ملازمت میں داخل ہو گئے ہوں۔ کورگ، پائین گھاٹ اور مرہٹی علاقوں کی مہمات میں بھی انہوں نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ یہ نواب حیدر علی خاں کے

۱۔ مہتاب سخن از عبدالقادر سروری بار اول مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوی

سکریٹری اور کاتب کی حیثیت سے ان کے ہمراہ رہتے تھے۔ ۱۱۲۴ھ
مطابق ۱۷۶۱ء میں ہوسکوٹہ کی فتح پر انہوں نے ایک قطعۂ تاریخ بھی
لکھا ہے۔ نیز ٹیپو سلطان کی تخت نشینی کے موقع پر انہوں نے ایک قصیدۂ
تہنیت بھی پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ؎

ہست سبقت زقدیماں و ترقی طلباں + نظر رحمت و لطف بحالش فرما

نیز ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ سبقت کی دو بیٹیاں حیدرآباد
کے لالہ نارائچند اور لالہ ہیراچند سے بیاہی گئی تھیں۔ ان کے لڑکے کا نام لالہ
مجلس رائے تھا۔ جس کے ایماء پر انہوں نے اپنی تحریرات کا مجموعہ مرتب
کیا تھا اور اسی کے نام پر اس مجموعہ کا نام "شمع مجلس" رکھا تھا۔ سبقت
کے کلام میں سادگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

کیا ہوں نذر گل شبنم سا چشم درفشاں اپنا
نگہبانِ چمن ہوں مجھ کو جانا اے باغباں اپنا
مئے الفت بھرا ہے شیشۂ دل میں۔ توڑ اس کو
کہ کرتا ہے کوئی اے سنگدل اسا زیاں اپنا
بگولے سا اُڑے نامہ مرا اور جرح میں آوے
لکھوں گر پیچ و تاب دل کا اوس میں داستاں اپنا

ایک قطعہ سند ہے

ہو کے دل خستہ تغافل کے ستم سے ایک روز | سامنے یار کے جا میں نے بہت شور کیا
خوش سن کردہ کہا لعل جو اپنے دل کے | رونما تو نے دیا ہم نے بھی منظور کیا

کہتے تھے ہم نہ دیکھے سبکس روز ہجر کو | پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

دل کے تئیں دیکھے محبت کو لیے جاتا ہوں | آتے جاتے ہی تری راہ میں جی پاتا ہوں

گردہ یار نے جاہا ہے جام رخصت کا کہ شیشہ سرنگوں ہو اشکبار ہو اٹھتا ہے

طرف گلشن کے وہ گلرو جب آنکھیں باز کرتا ہے گلوں کا رنگ بلبل کی طرح پرواز کرتا ہے

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوویں
باراں ہو اور ہوا ہو سبزہ ہو اور ہم ہوویں

الغرض مہتاب سخن کے ابتدائی ۶۴ صفحات میں سبقت کا اردو کلام درج ہے۔ اس کے بعد فارسی کلام مرقوم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کا سارا کلام کسی شمالی ہندوستان کے ماہر فن کے زور تخیل کا نتیجہ ہے۔ یہ اس زمانے میں میسور کے معیار کلام سے حد درجہ بلند ہے۔ زبان کی وسعت سبک بنی اور اسلوب کی روانی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ شمالی ہندوستان میں بسر کیا ہو۔

احمد خاں شیرانی

احمد خاں شیرانی کولار کے متوطن تھے۔ نواب حیدر علی خاں بہادر کے زمانہ کے علماء و فضلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے ملبا گل اور کرم کنڈہ میں بھی کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ آپ بڑی چار کرسی کے مصنف ہیں جو میسور میں عرصۂ دراز سے مقبول عام رہی ہے۔ اور آئے دن اس کے نئے نئے ایڈیشن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے۔ نیز اس کے متعدد نسخے کتب خانۂ انجمن ترقی اردو علیگڑھ اور عثمانیہ کتب خانہ حیدرآباد میں موجود ہیں۔ اس کے مطالعہ سے آپ کے حسب و نسب اور زمانہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ نظم میں آپ نے متعدد مذہبی مسائل بیان کئے ہیں۔ نمونۂ عبارت یہ ہے

او حق تعالےٰ ایک ہے — اوسکوں ہے لایق پاکیاں
او باپ ماں سوں نیں ہوا — فرزند میں اس عورتاں
نیں ہے خدا دوجا سمجھ — ہے سچ صداحق جیو دیا

تصنیفِ کتاب کا سبب ایک خواب سناتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا نے انہیں خواب میں فرمایا تھا

میری طرف آیا حکم — احمد خاں شیرانی بیٹ کر
تو چار کرسی یک بنا — مسئلہ ملا لے فقہ داں
لاکر دئے مجھ ہات قلم — کاغذ دئے دوات بھی

بولے تو کر کرسی بنا
کر تو مسائل سب عیاں

رسولِ اکرم و صحابۂ کرامؓ و خاتونِ جنت، خلافت و شہادتِ امام حسینؓ و منقبت حضرت محبوب سبحانی کے ذکر کے بعد، وضو، غسل احکام اسلام و فرائض مذہبی اور ایمان وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں

ہے باپ مجھ محی الدین خان	دادا میرا ہی پہاڑ خان
تاریخ بھی چوتھی صفر	جو چارکرسی ہوی تمام
سنہ اکہزار ایک سو اوپر	نو دو تھی آغاز جان
کرسیاں ہوتے امام تو	نواب حیدر کے محل
رہتے مدن پلی میں	غلام علی شاہ کے مکان
اوس وقت مدن پلی سے	امام بیگ حاکم اتھے
قصبہ کرم کنڈہ منے	مد کے او باشندگاں
سلے ملایا اس سبب	فرزند مجھ مسلہ نر ہیں
حیدر خان بھی محی الدین خان	مسلہ پر ہیں عثمان خان
مسلہ بنا کرسی کیا	احمد خان سبرالی تھے
باشندہ ہیں کولار کا	کئے سال مر اگل ہیں تھا

حاجی مکانی حیدر دلی

دہاں دو ولیاں کے تربتاں

چارکرسی کی زبان مبور کی مروجہ دکنی بولی کی کل خصوصیات کی حامل ہے مذہبی مسائل آسان اور عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف کو نہ تو اپنے علم و فضل کی نمائش مقصود ہے اور نہ اپنی قابلیت کا کسی سے لوہا منوانا ہے۔ جیسا کہ خود اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہ

۱۔ نے بمعنی میں دکن میں مستعمل تھا۔ اسی طرح پو بجائے پر اور اتھا بجائے تھا

سب مسئلے مسائل اپنے فرزندوں کی تعلیم کے لئے لکھے گئے تھے۔ ان کا کلام بہت سلیس صاف اور ستھرا تصنع اور تکلف سے مبرا ہے۔ گو کہ موجودہ زمانے کے متروک شدہ الفاظ کی بہتات نظر آتی ہے لیکن کیا کیا جائے یہ تو خود ان کی اور ان کے زمانے کی زبان تھی۔ اور بول چال کی زبان کے علاوہ ادبی زبان کا بھی اس کو درجہ حاصل تھا

میر زین العابدین شوستری

میر زین العابدین شوستری ٹیپو سلطان کے میر منشی تھے۔
انہوں نے سلطان کی زیر نگرانی کتاب فتح المجاہدین اور خطبات جمعہ اور مویدالمجاہدین لکھی ہیں۔ یہ حیدر آباد کے دیوان میر عالم کے بھائی ہیں کم سنی میں ہی حیدر آباد سے میسور آگئے تھے۔ اور کرگ کی مہم میں ان کو سپہ سالار بنا کر ظفر آباد (واقع کرگ) روانہ کیا گیا تھا۔ ان کے نام سلطان کے متعدد خطوط محمود صاحب بنگلوری نے شائع کئے ہیں (صحیفۂ ٹیپو سلطان خط نمبر ۱۱۵۔ ۱۳۰۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ زین العابدین کو رگ جانے کے بعد وہاں کے گھنے جنگلات سے ڈر کر سلطان کو وہاں طلب کرتے رہتے تھے۔ جس کے جواب سلطان نے اپنے ایک خط ۶ رزبرجدی ۱۵ راکتوبر ۱۷۸۵ء (نمبر ۱۳۵ صفحہ ۲۴۴) میں لکھا ہے۔ "یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے کہ وہ شخص جس کے قلم نے فتح المجاہدین لکھی۔ نیز جس نے جنگلوں میں لڑائی

۱۔ صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ اول از محمود بنگلوری مطبوعہ گوشۂ ادب لاہور صفحہ ۲۲۷
۲۔ " " " " " " " " " " " " " ۱۱۵

کرنے کے قانون رقم کیے۔ جب عمل کا وقت آتا ہے تو وہ عمل کے میدان میں کوراثابت ہوتا ہے۔ شاید تم سب کچھ بھول گئے ہو اگر تم ان قوانین کے ماتحت لڑائی لڑتے تو اس قدر نقصان نہ ہوتا جتنا کہ اب ہوا ہے۔ تم نے بار بار لکھا ہے کہ ہم خود آئیں۔ انشاء اللہ ہم جلد پہنچ جائیں گے۔ اب تو تمکو فوج لے کر ظفر آباد جانا ہے۔ کتاب فتح المجاہدین میں گھنے جنگلوں میں سے فوج کے کوچ سے متعلق جملہ قوانین موجود ہیں۔ ان کے مطابق عمل کیا جائے۔''

(یاد رہے کہ سلطان کے جملہ خطوط فارسی زبان میں ہیں۔ جن کا ترجمہ کرک پیٹرک نے انگریزی میں کیا ہے۔ اور ہر خط پر تبصرہ بھی لکھا ہے۔ محمود بنگلوری نے ان خطوط کا اردو میں ترجمہ کر کے بنام '' صحیفۂ ٹیپو سلطان'' شائع کیا ہے۔ لہٰذا مذکورۂ بالا خط کی اردو عبارت سلطان کی نہیں بلکہ محمود بنگلوری کی ہے)

فتح المجاہدین کی تصنیف کا سہرا خود سلطان شہید کے سر ہے جنھوں نے اس کا مسودہ تیار کیا اور قوانین وضع کیے جیسا کہ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے۔

'' اس ناتجربہ کار یعنی ضعیف المسلمین زین العابدین کو آنحضرت (سلطان) نے مثل سابق حکم دیا کہ آسن خانہ، فوج کشی اور سپاہ کی تنظیم کے قواعد جو خود سلطان نے ایجاد فرمائے سلک تحریر و رشتۂ تقریر میں لائے۔'' نیز لکھا ہے

اس کتاب کی اصلی غرض وغایت یہ ہے کہ مسلمانوں کو

۱۔ سلطنت خداداد از محمود خاں محمود بنگلوری مطبوعہ برقی کوثر پریس بنگلور بار دوم ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۳۸

ضروریاتِ دین کے مسائل سے واقف کراتے ہوئے ان کو جہاد سے جو
ان پر فرض کیا گیا ہے ۔ آگاہ کیا جائے ۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۲۸۳ھ ہے
یہ کتاب آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے ۔ پہلے دو باب اسلامی مسائل
سے متعلق ہیں ۔ دوسرے ابواب میں فوجی قواعد و ضوابط کا ذکر تفصیل
سے کیا گیا ہے ۔ مختلف راگوں میں فوجی گیتوں کی زبان جو باجوں کے ساتھ
گائے جانے کے لئے لکھی گئی ہے ۔ اردو ہے ۔ ملاحظہ ہو

وقت طلوع آفتاب

وصفِ حسنِ خلق نیّر اگر لکھوں اے شہریار
بے گماں ہر بیت ہووے مطلعِ صبحِ بہار

وقت یکپاس روز بلند شدہ

جاہ تیرا دیکھے اے جمجاہ جب عرضِ حشم
نکلے جا کے سبب ہفت آسماں ہو شرمسار

وقت آب خوردن اسپہا

گرم جولاں ہووے جب وہ برق تگ ہاموں نورد
چشمۂ آئینہ میں سیراب ہووے مور د مار

در وقت شمشیر کشیدن

اژدہام تیغ تیری جب علم ہو در مصاف
برق جھانکے ابر کے پردے میں پنہاں بار بار

در وقت شمشیر در غلاف کردن

جا کر ہے جس طرح وہ افعیٔ روئیں در نیام
اژدہا اس دبیج ستی ہرگز نہ لاوے رو بغار

فتح المجاہدین[1] کی دو جلدیں میں نے حیدرآباد کے کتب خانوں میں دیکھی ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کتاب کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر ٹیپو سلطان کی مہر لگی ہوی ہے۔ اور پوری کتاب ۱۰۲ صفحوں پر مشتمل ہے فارسی زبان میں سلطان کی مدح کے بعد لکھا ہے کہ سلطان کے حسب ارشاد یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ اردو زبان کا نمونہ یہ ہے

وقت تری اول نہضت

ابر کے مانند بر روی ہوا ہووی رواں ہے عظم[2] نہری کے صفت کہیئے اگر با کوہسار

وقت تری دویم نہضت یعی زین بندی

جب تری سری سیں زیب بادی خانہ زیں
ہر عجب جلوہ کر کر مہر ہو بر ابلق لیل و نہار

در وقت تری سیوم نہضت سوار شدہ راہ رفتن

مہر و مہ رو پوش ہو جیوں زنگ آلودہ آئینہ ہے جب تیرا الگوں گرد انگیز ہو در کارزار

۱۔ فتح المجاہدین کا ایک نسخہ عثمانیہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے اور دوسرا دفتر مال دیوانی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ۲۔ دونوں ہی کے نسخے میں "عزم" لکھا ہے

در وقت جنگ

برق جاں کوہِ گراں پیکِ اجل دست قضا
تیغ و کرنی تبر و خنجر کے تیرے ہیں ام جہار

در وقت فتح

ہر ملک کوں ورد ہو انا فتحنا دمبدم
چست تو پا در رکاب از بہر فصد کارزار

بجہتہ اجتماع مردم

حکم محکم سیں تیری ایمہنا باں کیا عجب
کر بنات النعش یکجا جمع ہو پردیں زار

وقت یکساعت روز باقیماندہ بجہتہ شاں

کسطرح کہئے تجھے اے یکتای دور ہے کیں بدہ سی تیری شاں کسرا آشکار

وقت یکپاس شب گذشتہ

حکم تیرا کرکری امر بیرکداری بچرخ ماہ ہو با خیل انجم درپہ تیری پاسدار

وقت طلوع صبح نزی اول

صبحدم ہے اے مجاہد خواب سوں بیدار ہو
طاعت حق واسطی جلدی سوں تم ہشیار رہو

وقت تری دوم

جب تیا جہت نہضت ہو دیکہ یکسر جاہدین
کہ بسمل ہو بن طپاں دہشت سوں ہردم مشرکین

وقت تری سوم

فوج ستے جب ہو دی راہی فضل حق سیں بیگماں
نصرت دفتح وظفر یکبک سیں ہو دیکہ بقراں

دفتر دیوانی مال کے "فتح المجاہدین" کے پہلے اور آخری دونوں صفحوں پر ٹیپو سلطان کی مہر لگی ہوی ہے ۔ اس میں اور عثمانیہ یونیورسٹی کے مخطوطہ نسخوں میں سلطان کے مخصوص دستخط ہیں جو وہ ہمیشہ کتاب کے مطالعے کے بعد اس کے آخر میں کرتے تھے ۔ سلطان کے دستخط کے بعد دفتر دیوانی مال کے نسخے کے آخر میں مزید مندرجۂ ذیل اشعار دکنی زبان میں لکھے ہوئے ہیں ۔

وقت سرور و فرحت

ہے درد عدل سے شاہ جہاں یک ... دلاں اوپر
کہ نازاں جس کے دوراں سے کواکب آسماں اوپر

وقت اجتماع

محب بن حکم سے سلطان کے ہو دی جمع کر یکجا
فلک پر جوں ثریا آفتاب وماہ واختر ہا

وقت جلد قدم

جلد ہی اسقدر فوج شہنشاہ　　کہ جلد سے ہے خجل خورشید اور ماہ

وقت شہر گرفتن

ہو دی انصاف شہ سے فتنہ باطل　　امان و امن ہی دنیا کو حاصل

وقت ضرب سناں

کری ضرب سنان شاہ دوراں　　عدوی دیں کو نابود و بے جاں

وقت آہستہ قدم

تا مل سی تی سک ہو دی ہنسر　　تا نے سیبن ہوتا ہے پانی کہر

بیت وقت نشاں

شان شاہنشہ دوراں ہے اسقدر بلند　　نارسا جسکے مراتب سے ہے فکر د نکا کمند

صبح سویرے

فرنگ و زنگ تیری تیغ سے کیونکہ لرزاں ہو　　کہ جسکے خوف دم سی ہر دم پا بہ داماں ہو
دعا کرتا ہے ہر ایک مورجس وادی سبی تو گذرے　　فلک پر جہر ہے جلتک زمیں پر ٹیپو سلطاں ہو
لب ہر ذرہ سیں یہ لفظ نکلے ہے بصد آمیں　　کہ یارب یہ جہاں داور زمانہ کا سلیماں ہو

۱۔ مدراس میں اردو از ہاشمی صاحب۔ صفحہ ۱۸۲

وقتِ تبدیل فوج توری

بلبل ثنا کرے ہے جب گل کے گلستاں میں ہیں خلق کا بیرے وصف کیتا بھرے جہاں میں
گر باد خلق تیرا گذرے چمن کے دل پر ہر خار بالا لائے صد دستہ گل خزاں میں
طاق بلند بنیاں ہے جائے نامِ کسریٰ شہرا ہوا ترا عدل ازبسکہ اب جہاں میں

غزل وقت جلد قدم ڈبل مارچ

بجا ہے کہنا اسکو شہ خواص و عوام کہ جس کے رعب سے لرزاں ہے آفتاب مدام
لقب بجا ہے جو سلطان دین کہتے ہیں کہ ہے مروج شرع اور حامیٔ اسلام
جہاد ہی میں ہے مشغول عہد میں جسکے تا دیکھی تیغ کبھی خواب میں بھی رہتے نیام

غزل وقت ضرب سِناں

یاالٰہی رہنے تا حشر وہ سلطانِ جہاں جسکے ہے عدل سے سرسبز گلستان جہاں
سر وقت آئینہ صنع است علم کی جسکے کیوں نہ دیں تاج اسے حملہ شاہانِ جہاں
حیدری رسم کو احیا کرے عالم جو کوئی ہے بجا کہیئے اگر اسکے تئیں جان جہاں

غزل وقت آہستہ قدم

ملک ہندوستان میں دیں کا وہی سلطان ہے عرق جسکے آب خنجر میں فرنگستاں ہے
کیا ہے نسبت جاہ و حشمت میں سکندر سے تجھے بارگاہ قدر کا داوا ترا دربان ہے
ہے وہی انسانِ کامل حسیں ہو معنے کی لو نقش دیبائی وگرنہ صورت انساں ہے

ا۔" از مخطوطات آر عبدالقادر صاحب مبوری یہ مخطوطہ جو عہد سلطانی"
سے متعلق ہے۔ موصوف نے برائے مطالعہ راقمہ الحروف کو مستعار عنایت
فرمایا تھا۔ آپ کا ذکر آئندہ آئے گا

آخری شعر میں مصنف نے انسان کامل و عشق ربانی کی ترکیب سے کیسے لطیف معنے پیدا کئے ہیں . گمان ہوتا ہے کہ یہ اشعار کسی دہلی یا لکھنؤ کے رہنے والے کے قلم سے نکلے ہیں . مگر ایسا نہیں یہ دکن کے رہنے والے کے زور طبع کا نتیجہ ہیں . سلطان شہید کے زمانے میں ہی میسور کی روزمرہ بولی اور ادبی زبان میں فرق پیدا ہونے لگا تھا اور ادبی زبان میں شمالی ہندوستان کی پیروی کی جانے لگی تھی اور میسور کے شعراء وادیب عربی و فارسی زبان کے ماہر اور دیگر علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے

محمد اسحٰق بیجاپوری

محمد اسحٰق بیجاپور میں ۱۱۸۴ھ میں پیدا ہوئے . انہوں نے ایک تذکرہ بنام ریاض العارفین ۲۲ سال کی عمر میں اپنے ایک دوست یعقوب صاحب کے کہنے پر دکنی زبان میں نظم کرنا شروع کیا . اس کتاب کا ایک مخطوطہ "برٹش میوزیم" میں ہے . اور ایک کتب خانۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ہے . اس کا سن تصنیف ۱۲۵۶ھ ہے . میرے پاس اس کا مطبوعہ نسخہ ہے . اس کو مندرجۂ ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے .

(۱) خواہش قوت حلال (۲) بندگی ذوالجلال (۳) ترس حق رکھنا مدام (۴) تحمل (۵) شام و سحر (۶) عاجزی و عیب پوشی (۷) زہد و صبر (۸) عشق و ہمت عشاق (۹) دنیا سے کنارہ کشی (۱۰) اولیاء اللہ کی کرامتیں (۱۱) عز و نساب .

---

۱ . اس کتاب کا ایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو علیگڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے . اور ایک مخطوطہ کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں میں نے دیکھا ہے .

کتاب کی ابتدا یوں کرتے ہیں

ابتدا کرتا ہوں بسم اللہ سے — صاحب اجلال و عز و جاہ سے
حمد حق ہے افسر فرق سخن — زینت ہر نامۂ نو و کہن

پھر مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات نعت سرور کائنات، مناجات عاصی بجناب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ منقبت حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی حیدر کرار۔ فاطمۃ الزہراؓ، حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ و حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز کے بعد لکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ ہم کو دے کر زندگی — حکم فرمایا کریں ہم بندگی
وہ نہیں چھوڑا گنہ کے کام کو — معصیت اور جرم نافرجام کو
میں ہوں اب فی الحال دہر میں مقیم — لیک بیجا پور ہے وطن قدیم
باپ میرا معرفت معمور ہے — سو رسا عالم میں وہ مشہور ہے
چار بھائی ہیں مرے روشن نفس — ہم ہیں کامل ہیں یکے بیک سرِ حس
ہے مجھے اک دوسرا دلبند — نامی ہے یعقوب اس کا ارجمند
مجھکو اس سے ہے نہایت اتحاد — نظم لکھنے میں بڑا ہے اوستاد
میں انہیں کے خود اشارت کے سبب — بولتا ہوں نظم کچھ یک بیتی اب
یاالٰہی دے مجھے روشن بیاں — کر منور شمع یوسفی عیاں

مذکورۂ بالا گیارہ ابواب سے ہر ایک کے ضمن میں متعدد حکایات بیان کرتے ہیں۔ مناجات عاصی بجناب سید عالم میں کہتے ہیں۔ ؎

اے شفاعت کے فلک کے آفتاب — صاحب معراج حق۔ عالی جناب
ہے بنتؐ مستحق عاصی پُر گناہ — لطف سے کرو شفاعت کی نگاہ

۱۔ مرس لیعنے زیادہ آج تک دریوں میں مستعمل ہے

یں چلا ہیں گرچہ تجھ سنت اوپر — پر ہے یہ عاصی تری امت اندر
ہیں اسے تجھ بن وسیلہ یا رسول — تو اسے محشر اندر ہرگز نہ بھول

یہ کتاب فارسی زبان سے دکنی میں ترجمہ کی گئی ہے۔ جیسا کہ مصنف لکھتے ہیں۔ ؎

تھی مری خاطر میں نسدن فکر یہ — ہر گھڑی ہر آن ہر دم ذکر یہ
کہ کروں کوئی کام اسا حق بذیر — جس حق نا ہوئے مجھ بن جا نگیر
بس دیا توفیق مجھکو ذوالجلال — یکبیک آیا میرے دل میں خیال
تا حکایات بزرگان سلف — اور نقلیات بہتر با شرف
جو فریدالدین عطار کرام — ذکر کہہ گئے اولیاؤں کا تمام
تھی صفا جامی کی تصنیفات سے — راست نزولوں کی تالیفات سے
سعدی تبریز کے اقوال بھی — راویوں سے اور نادر حال بھی
تھی کلام پیشوایاوں کے صحیح — جنکے تصنیفات اخبار فصیح
ما سلف کے اولیاؤں کا کلام — ڈہونڈ کر میں اسمیں لایا ہوں تمام
جو نہ میں فارسی کے تھا بیاں — نظم میں اسکو کیا ہوں میں بیاں
بزرگوں کی دیکھ تصنیفات کو — ڈھونڈھ کر مضبوط اخبارات کو
قطرہ قطرہ جمع کر ہر ایک مال — جمع کر ڈالا ہوں دریا کے مثال

میرے پاس کے نسخے کا پہلا ورق غائب ہے لہذا مطبع کا پتہ نہیں چلتا لیکن عنوانات کے آخر میں قطعہ تاریخ ہے جو درج ذیل ہے۔

قطعہ تاریخ از جانب محمد صادق حسین المخلص شریف

ریاض العارفیں سے مثل بلبل — شگفتہ دل ہے ہر ذی منزلت کا
دلِ خوش سے شریف اسکا سنِ طبع — کہا پھولا ہے گلشن معرفت کا

۱۲۷۶ھ

محمد اسحٰق عہد ٹیپو سلطان کے شاعر تھے ۔ میسوری شعراء کے تمام تذکروں میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ (مثلاً میسور میں اردو ۔ مدراس میں اردو اور یورپ میں دکنی مخطوطات) علاوہ ازیں جناب مولوی آر ۔ عبدالقادر صاحب مرحوم جو ملک میسور کے اردو اور فارسی کے بڑے عالم گذرے ہیں ۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے ان کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی بتلایا تھا کہ ان کے چھوٹے بھائی عبدالحق صاحب چھوٹی چارکرسی نامی ایک کتاب کے مصنف ہیں اور یہ دونوں بھائی میسور میں رہتے تھے ۔ محمد اسحٰق کولار اور مدورا میں بہت دن مقیم رہے ۔ ریاض العارفین کی جلد مسخ صورت میں چھپی ہے ۔ میں نے اس کا مقابلہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ کے مخطوطہ سے کیا تو اس میں دکنی الفاظ بکثرت نظر آئے ۔
مثلاً صفحہ ۳ پر لکھا ہے ۔

تجھ سوں پیدا سب مکان و سب مکیں
ام ہیں تیرے رہاں ہور زمیں
خاک ہور باد دیکھوں تو ایکجا کیا
آب ہور آتش میں توں الفت دیا
بنت ماہی سو ہو کچھ ہے تا بہ ماہ
سب تیری ذات مقدس پر گواہ

خط کشیدہ الفاظ ٹھیٹھ دکنی ہیں جو اس زمانے کی تحریروں میں کثرت مستعمل تھے

حسن علی عزت

حسن علی عزت سلطان ٹیپو کے درباری شاعر تھے اور ملک الشعراء کہلاتے تھے۔ انہوں نے سلطان کے حکم سے ۱۷۸۵ء میں "مفرح القلوب" نامی کتاب دکنی زبان میں لکھی جو اسی نام کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اور اس کے متعلق سلطان نے "ہیم ساگر" کیمپ سے ایک خط داروغۂ اجناس سریرنگا پٹم کے نام ۶ ہاشمی ۷ اگست ۱۷۸۵ء کو لکھا جس میں اس کو حکم دیا گیا ہے کہ کتاب "مفرح القلوب" کی دس نقلیں روانہ کی جائیں۔ ان میں سے پانچ نقلیں مفصل ہوں اور ان کی جلد بندی کرتے ہوئے اوپر نقرئی قفل لگائے جائیں اور باقی پانچ نقلوں میں اس کتاب کا صرف اقتباس ہو"۔ شاید سلطان اس کتاب کی پانچ نقلیں کسی کو بطور تحفہ بھیجنا چاہتے تھے

یہ کتاب ٹیپو سلطان کے حکم سے علم موسیقی کے قواعد و ضوابط پر حسن علی نے مرتب کی تھی۔ سٹوارٹ[2] اپنی فہرست کتب میں لکھتا ہے۔ "مفرح القلوب غزلیات اور دوسری نظموں کا مجموعہ فارسی اور دکنی زبان میں ہے جس کو حسن علی درباری شاعر نے لکھ کر سلطان کے نام سے

۱۔ صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ دوم۔ صفحہ ۱۷۔ خط نمبر ۳۳۶

2. A descriptive Catalogue of the Oriental Library of the late Tippu Sultan of Mysore by Charles Stewart - printed at Cambridge University press in 1809

منسوب کیا تھا۔ ہاشمی صاحب[1] نے یورپ میں دکنی مخطوطات کے صفحہ ۴۱۷ پر لکھا ہے کہ "اس کتاب کے دو نسخے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہیں ورق ۱۸۵ ہیں۔ کیٹلاگ میں لکھا ہے کہ میسور میں موسیقی کے متعلق ایک رسالہ جس میں سُر و تال کی وضاحت فارسی اور ہندوستانی میں کی گئی ہے۔ اس کا مصنف حسن علی عزت ہے۔ یہ کتاب ٹیپو سلطان کی تخت نشینی کے پہلے سال شروع کی گئی ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء اور دو سال میں ختم ہوئی ہے۔"

مصنف کے متعلق صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹیپو سلطان کے مصاحب تھے اور موسیقی میں کافی مہارت رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے۔ اس کتاب میں مختلف عنوانات ہیں اور ہر عنوان کے تحت فارسی اور اردو غزلیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کتاب سے اقسام موسیقی اور اس کے قواعد و ضوابط پر روشنی پڑتی ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے ریختۂ اول

گلرخاں کرتا ہوں سلطانی کا اب تم سو بیاں
ہے عجب کچھ طرز اسکا طرفہ تر ہے داستاں

خوش شکل آواز خوب رو ہو ہیچ نازک بدن
مہ لقا یک زن اچھی غنچہ دہن خندہ لباں

کار برمیں وہ لباس کار جوبی سفید
زیور الماس گوہر ہیں ہہ غمزہ زناں

تخت بر استادہ ہو کانے دسی وہ شکل خوب
دست چپ کوں رکھ کمر پہ نازسوں جوں ہوں عیاں

۱۔ یورپ میں دکنی مخطوطات۔ صفحہ ۴۱۷

ریختۂ سوم در ذکر طرز عشاق پسندی

ہے عشاق پسندی کا نادر بیاں — زنِ خوش لقا قدمیں سروِ رواں

بہی کر سبز پوشاک تن کے اوپر — زمرد کی زیورسی وہ جانِ جاں

مکلل سراپا کر اپنی لی تیئں — کناری پہ جانہر کی وہ شادماں

اس کتاب کے متعدد نسخے جو برٹش میوزم میں ہیں ٹیپو سلطان کے کتب خانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض کتابوں پر ٹیپو سلطان کے دستخط بھی ثبت ہیں[1]

عزت کی ایک اور تصنیف بنام اضراب سلطانی یا فتح نامہ میں نے کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد دکن میں دیکھی ہے۔ اس کا سائز ۸ × ۶ اور صفحے ۸۳ ہیں۔ اور ہر صفحے میں نو سطریں ہیں۔ خط شکستہ ہے۔ اور کاغذ دیسی۔ مصنف کا نام حسن علی عزت اور تاریخ تصنیف ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء لکھا ہے[2]۔ بلوم ہارٹ نے غلطی سے اضراب سلطانی کو ٹیپو سلطان کے عہد کے ایک اور مصنف شیعۃ المذہب المتخلص ضربؔ کی تصنیف بتایا ہے[3] زیرنظر مخطوطہ کی ابتدا میں لکھا ہے۔ "کتاب اضراب سلطانی در ذکر جنگ مراتہ و نظام علی بطریق اجمال حسب الارشاد حضرت جہاں پناہ ٹیپو سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ... نوشتہ شد

---

۱. یورپ میں دکنی مخطوطات از نصیرالدین ہاشمی صفحہ ۴۱۹

۲. کیٹلاگ اردو مخطوطات۔ سالار جنگ کتب خانہ مصنفہ نصیرالدین ہاشمی ملاحظہ ہو نمبر (۶۸۵)

۳. کیٹلاگ انڈیا آفس مصنفہ بلوم ہارٹ

ٹیپو سلطان کے لشکر کو دیکھ کر مرہٹوں کے خوف و ہراس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں ۔

ز ما کیا کروں نکر کاں بہاک جاؤں   نہیں ہے مجھے سر چھپا نیکوں ٹھاؤں
او نے بات یہ سن کے حیرت میں آ   کہیں کے موی چپ دوانا ہوا
یہ لشکر کتیں دیکھنے عقل کہو   ایس زندگانی سوں ہاتاں کو دہو
کتو نے کیئں سر کوں بسر   نہ رکھیا نوں اور ہات دسر کے خبر
کتو ہی لکی بو مریاں مارنے   کسے ہات یاؤں لکی جہار نے
کیتے ہو کے بسمل زبیتے ہر ہی   غلاظت میں پر کر کتے نے لرے

پھر حکیم خاں ناظم شاہ نور کے شکست کی خبر سنکر مضطرب ہوئے اور ان کے فرار ہونے کا ذکر یوں کرتے ہیں ۔

خبر شاہ نوری نے سن یہ خبر   لکیا رونے سر پیٹ فریاد کر
عبث اس سے میں بلا میں پڑیا   ایتے ہو کے اپنے خرابی کیا
زنانیوں کے باتوں یہ پایا دغا   ہے سچ میں ہے ایں بولا
ہوا سو ہوا ایکی عورات آج   بجز بہاگنے کے نہیں کچھ علاج

ایک دشمن کا ردعمل یہ ہوتا ہے ۔

سب عورات کوں ایکی جہن کر لئے   ہی اس ساتھ اغلام یکیک لئے
سیتر گئے اتنے سلطاں کی ہات   نہیں دن جو بہاگیں ادہاری ہے رات

جنگ کے بعد ہزاروں مرد عورت گرفتار ہوتے ہیں لہذا مصنف کہتے ہیں

دیکھی جب اسیرا نکاں ساری شمار   زیادہ ہو وی ہست بر دو ہزار
معہ مال و اسباب لے سبکوں سات   کئے کوچ برکوچ دن اور رات
جب لشکر میں آئے شتابی سوں جا   کئے عرض سلطان سوں سب ماجرہ
کہی سن یہ ساری تعیناں کتے   ستوں مارکوں مجکوں عانی نہیں

سلطان کی طرف سے معافی کا فرمان ہوتا ہے اور بہت سے اسیر

مسلمان بن جاتے ہیں۔ انجام کار یہ پورا قافلہ ناسر پٹن آتا ہے

ہوئی داخل شہر پٹن شتاب — بصد شان و شوکت بصد آب و تاب
لے عزت آتا ختم کر یہ کلام — رکھے ضراب سلطانی تس اسکا نام
جو کوئی یہ سنیگا سو پاویگا حظ — حزینا کی خاطر یہ لاو یگا حظ
کہ جب حکم اشرف نے پایا نفاذ — کہیا توں یہ نامہ بصد التزاذ
انھایہ سخن ہے حد و بحساب — ہزاروں سے یک بیت کرا تخاب
لکھاتوں نے کر مختصر یہ بیاں — وگرنہ بہوت طول تھا داستاں
ہوا ہونا اطول مطول مثال — نہ رہنا کسے سامعاں ہیچ حال
جو کچھ میں لکھیا ہوں سو یہ اختلاف — ہے سب سچ نہیں اسمیں او سے خلاف
جو کوں یہ سمجھا کوں جانی دروغ — نہیں اسمیں ہی نور دیکا کا فروغ
سخن سب ہے روشن نراز آفتاب — ہے خفاش منکر نہیں اسمیں ناب
جو دیکھی بجھا کر جبین طرب — ہی سمجھے یہ کذب دلہو و لعب
تو اب رہا دعا ہیچ ہر صبح و شام — بجز اسکے دوسرا نہیں تجکوں کام
الٰہی ہے جب لگ مہ و آفتاب — یہیں رکھ تو سلطاں کوں یہ آب و تاب
مظفر و منصور بر مشرکیں — بحشمت و اعزاز تا روز دیں

مندرجۂ بالا اقتباسات کی زبان سے مبور کے دیہاتوں کی مروجہ زبان کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس وقت تک یہاں بولی جاتی تھی۔ قریوں میں ابھی تک نہاٹ گیا بمعنیٔ دوڑا کہتے ہیں۔ اور رہنا کوں بمعنی ہمکو مستعمل ہے۔ ادبیت کے لحاظ سے گو کہ یہ زبان اور تصنیف معمولی چیز نظر آتی ہے لیکن لسانیت کے نقطہ نظر سے نہایت اہم ہے۔ یہ عہد سرکار خداداد کی بولی جانی کی زبان تھی جو اس زمانے کی تحریروں میں بھی بے تکلف استعمال کی جاتی تھی۔

قاضی غلام احمد

قاضی غلام احمد ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں سرینگاپٹم میں قضادت کے عہدے پر مامور تھے۔ آپ کو تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے فارسی میں زاد المجاہدین اور جواہر القرآن کتابیں مرتب کیں اور خلاصۂ سلطانی (احکام النساء) دکنی نثر میں لکھی ہے۔ اس کے دو نسخے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہیں۔ اس کتاب میں مسلمانوں کے فقہی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ اوراق ۱۶ یا ۱۷ ہیں۔ اس کتاب میں حمد و نعت اور ٹیپو سلطان کی مدح کے بعد ایک غزل مندرج ہے۔

ادشہ کہ جن کی فتح جہاں میں ہے آشکار	تیغ انکی دشمناں کے تو سرکوں کرے شکار
روشن کئے ہیں دین کو توڑے جہاں کا کفر	کفار انکی عصر میں ہیں ذلیل و خوار
ہیبت سوں انکے شاہ فرنگوں کا دل جگر	ٹیکے ہیں جیوں کہ شیشہ سیں یاقوت خام کار
فیاض جنکے ہات سی ہے ابر تے خجل	یو قطرہ بخشنے آپ کا او در کرے نثار
شاہ جہاں ہیں او ٹیپو سلطان دین کے	عالم کوں انکی فیض سوں راحت ہی بیشمار

نثر کی عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے

"کئے کتب معتبرہ میں لکھی ہیں کہ جو عورت مسلمان نکی احکام سیں ضروریات دین کی نماز کے روزہ کی حیض کے نفاس کے واقف نہ ہوئی تو نماز اس کی درست نیں ہے اور نکاح ان کا جائز نیں ہے۔ کھانا ہور پانی اس کی ہات کا روا نیں ہے۔ بلکہ

---

۱ ٹیپو سلطان کی مخطوطات صفحہ ۱۴ ۔ خلاصۂ سلطانی ۱۲۱۲ھ کا تحریر کیا ہوا ایک نسخہ میں نے سلیم تمنائی کے کتب خانہ میں دیکھا ہے جو ۱۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

امام ابو حفص کہتا ہے کہ کافر ہو نی ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔

"اگر مریض کہ زیادتی سوں مرض کے ڈرتا ہی تو اسکی تیئں افطار کرنا روا ہے۔ مسافر کیتیں جائز ہے کہ سفر میں افطار کری۔ اما اگر سفر میں محنت نہ ہوئی تو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اگر مسافر اس سفر میں موا یا مریض اس مرض میں موا فدیہ اس روزاں کا اس سفر میں یا اس مرض میں افطار کیا تھا دینا واجب نہیں"

(یہ کتاب ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں مرتب ہوئی)

شیخ میاں فضل اللہ فقیر

شیخ میاں فضل اللہ نام اور تخلص فقیر تھا۔ گنجام میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب "چہار کرسی طریقت" لکھی ہے جس میں اہل طریقت کے لئے ہدایات ہیں۔ یہ کتاب سرکار خداداد کے عہد میں دینیات کے درس میں شامل تھی۔ ان کے مندرجۂ ذیل اشعار ادیب صاحب اپنی کتاب غازی اعظم میں نقل کئے ہیں۔

یارب تو اپنا فضل کران چاروں حرفاں پہ سدا
ف۔ ق۔ ی۔ ر۔ پر سو توں آسان کر روز حشر
یارب تو رکھنا شرم اب ہے بارھویں صدی منے
ایمان کی بخشش توں کر سارے مسلماناں اپر

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب نے صفحہ ۱۹۳ میں چار کرسی طریقت کا ذکر کرتے ہوئے بطور نمونہ آخر کے مندرجۂ ذیل شعر لکھے ہیں۔

یارب توں اپنا فضل کراں چاروں حرفاں پر سدا
ف۔ق۔ی۔ رے توں ہمیں آسان کر روز حشر
مسئلے طریقت ذات کے خوش فہم بولا ہے فقیر
رایت ربی جس کو دیے ہے او جو سب کوں راہبر

اور اس چار کرسیٔ طریقت کے مصنف کا نام فقیر اللہ شاہ صاحب اور زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ بتایا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ انہوں نے دوسری دو کتابیں تنا ولی سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ اور نظم النور سنہ تصنیف ۱۲۴۷ھ (چار بھائیوں کی داستان) بھی لکھی ہیں۔ لیکن قیاس اغلب یہ ہے کہ چار کرسی کے مصنف شیخ میاں فضل اللہ فقیر اور مصنف تنا ولی اور نظم النور کی دو الگ شخصیتیں ہیں۔ ممکن ہے فقیر اللہ شاہ صاحب نے شیخ میاں فضل اللہ فقیر کی کتاب چار کرسیٔ طریقت پر تضمین لکھی ہو۔ کیونکہ ان کا زمانہ شیخ میاں فضل اللہ فقیر کے زمانہ کے بعد کا ہے۔

میر حسین علی کرمانی

ان کے والد کا نام سید عبدالقادر کرمانی تھا۔ شہر گنجام میں رہتے تھے۔ عربی اور فارسی زبان پر کافی عبور تھا۔ کرمانی نواب حیدر علی خاں کی ملازمت میں داخل ہوئے پھر ٹیپو سلطان کے مصاحب بنے۔ سرنگاپٹن کی فتح کے بعد انگریزوں نے انہیں وظیفہ دیا اور ان کی سرپرستی میں متعدد کتابیں لکھوائیں۔ ان کی ایک کتاب فارسی زبان میں "نشانِ حیدری" کے نام سے موسوم ہے انہوں نے سب سے پہلے حیدر و ٹیپو سلطان کے متعلق یہ کتاب لکھی تھی۔ لہٰذا تاریخی حیثیت سے یہ ایک اہم چیز ہے۔ کیونکہ یہ اس شخص کی تصنیف ہے

جو نواب اور سلطان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ بایں ہمہ محب الحسن صاحب کا خیال ہے کہ "چونکہ مصنف انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ اس لئے وہ انگریزوں کی تعریف کرتا ہے۔ اس کی تاریخیں بھی غلط ہیں اور اس میں سلطان کی فوج وزارت و عوام کی حالت کا بیان بہت ہی کم ہے۔ اور سلطان کو مذہب کا دیوانہ بناتا ہے۔ اسی طرح مصنف "غازیِ اعظم"[2] صفحہ ۱۹۴ میں "نشانِ حیدری" کے اتہام کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ مصنف کتاب نے بعض واقعات خلافِ عقل بیان کئے ہیں۔ بزرگرمانی ایک اور کتاب بنام "تذکرۃ البلاد والحکام" کے بھی مصنف ہیں۔ جس کا ایک فارسی مخطوطہ نصیر الدین ہاشمی صاحب کے پاس ہے۔

سی اے، سٹوری نے اپنی کتاب پرشین لٹریچر میں کرمانی کو "سوانح بابا فخر الدین" اور "بدیع المعانی" کا مصنف بھی بتایا ہے۔ سلیم تمنائی صاحب نے اپنے مضمون "میسور میں اردو" مطبوعہ رسالہ سب رس میں ان کی دو[3] مزید نادر اردو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ "بحرِ فطرت" اور "تجنیس اللغات"۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اول الذکر کے بارے میں اپنے دیباچے

1. History of Tippu Sultan by Mohibul Hasan Khan, published at Calcutta in 1951, Page 396

۲۔ غازیِ اعظم مصنفہ مولوی شاہ ابوالحسن صاحب ادیب۔ مطبوعہ الکلام الیکٹرک پریس ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۹۴

۳۔ میں نے سلیم تمنائی صاحب کے کتب خانے میں یہ دونوں کتابیں دیکھی ہیں۔ ان دو نادر کتابوں کا پتہ کہیں اور نہیں ملتا۔ میں کاتب کا نام حسن علی لکھا ہے۔ سلیم صاحب کا گمان ہے کہ ممکن ہے حسن علی کرمانی کے فرزند ہوں

میں کرمانی نے لکھا ہے۔ "میر حسین علی کرمانی متخلص حاکم کا یہ التماس کہ کئی ایک قاعدے پارسی علم کے جو نو سکھوں کے لئے ضروری اور لابد ہیں علیحدہ جمع کرکے ہندی بھاکھے میں لکھا اور اس مجموعہ کا نام - بحر فطرت رکھا ہے" تاریخ تصنیف ۱۲۲۱ھ درج ہے۔ اور تجنیس اللغات اسی سن ہجری میں لکھی گئی ہے جو منظوم ہے اور قافیوں کے متعلق ہے

جمع کرتا ہوں یہاں چن چن کے ایسے ہی لغات
ہو دیں لکھنے میں یکصورت و معنی ہیں دگر

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن
اس وزن پر بولتا ہوں نظم بھیلا خوب تر

بخل ہے بد مسکی و نخل لکھی شمہ کی
جھاڑ کو خرمے کے بولیں نخل اور نکو شجر

نام اس نسخے کا سن لیجو ہے تجنیس اللغات
ہے عربی پارسی ہر دو لغت خوش یاد دہر

سن تھا ئیکیس بارہ سو کے اوپر
اور شعبان کا تھا آدھا ماہ

کرمانی کی فارسی تاریخیں گنبد شاہی کی سنگین دیواروں پر کندہ ہیں۔ ٹیپو سلطان کی شہادت پر اردو زبان میں ایک مرثیہ بھی کہا ہے۔ یہاں کچھ شعر بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

اے فلک بس تو سفلہ پرور ہے | نیک و بدخواہ و کینہ پرور ہے
تیری خانہ خرابیاں جگ میں | یکسر اہل جہاں پہ اظہر ہے
شکوۂ دہر کس سے عرض کروں | کون اس شان دفتر کا داور ہے

اہلِ اسلام کی پناہ کو اب
کہہ تو بدبخت کونسا گھر ہے

کوئی تڑپی ہے کوئی زمیں پو لڑی
خاک اور خون کس کے سر پر ہے

دیکھی تو جس کے نقش کو ہیہات
یہی سلطانِ ہفت کشور ہے

خاک و خوں میں نہاں تن نازک
روح پاک اس کی عرش اوپر ہے

چہرہ خورشید سا ہی بس تاباں
رخ صفا تر زماہِ انور ہے

حامئ دین و اہل اسلام آہ
صاحب تخت اور افسر ہے

اس پو روتی ہے سب زمین و زماں
پر الم کہتر اور مہتر ہے

نام پوچھا میں اوس سی با تاریخ
کون یہ شاہِ نام آور ہے

دل مجکو بنالہ سر کو بیٹھ
ٹیپو سلطان شہید اکبر ہے

رحمتِ حق ہو اوسکی مرقد پر
۱۲۱۳
حب نلک مہر و ماہ و اختر ہے

بس اے حاکم تو اس الم کے طفیل
سینہ ریشوں میں نام آور ہے

خیر اللہ شاہ قادری عرف محمد شریف

ان کا تخلص خادم تھا۔ شہر گنجام کے رہنے والے تھے۔ آثار مبارک کی خدمت پر مامور تھے۔ ادیبؔ صاحب لکھتے ہیں کہ ان کا ایک مختصر سا دیوان انہوں نے دیکھا بھی ہے اور اس کے کچھ اشعار بطور نمونہ نقل بھی کئے ہیں۔

۱۔ غازی اعظم مصنف ادیب صاحب جیوری

ے

سامنے جہاں کتے ہیں ایک روز ہے حشر کا　　دن رات یاں حشر ہے جوں دور ہے قمر کا

ے

یارب تیرے بجز نہ لجا کس طرف مجھے　　خادم رسول کا ہوں مجھے بس ہے یہ جاب

ے

ہوتا ہے کاج گھر میں ساجن کے آج میرے　　بجتا ہے کیں تو منڈل بجتا ہے کئی نقارا

ے

بولیا ہوں کس محل پر تحقیق دل سوں سمجھو　　عاقل کو اک اشارہ مورکھ کو ہے پسارا

ان کا کلام بھی تصنع اور غرابت سے پاک ہے۔ تاہم فی زمانہ متروک شدہ عنصر بھی نمایاں ہے۔ مثلاً بولیا ہوں۔ دل سوں۔ کتے ہیں۔ اسلوب بیان ہندیت کی طرف مائل ہے۔

حسین بن قادر

حسین بن قادر سلطان ٹیپو کے عہد کے ایک شاعر تھے۔ حضرت سید حسن نامی ایک بزرگ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ انہوں نے مذہبی عقائد کی ایک فارسی کتاب کا ایک منظوم دکنی ترجمہ ٹیپو سلطان کی خدمت میں پیش کیا تو سلطان نے اسے پڑھ کر اس پر اپنے دستخط فرمائے اور اس وقت کی تاریخ ۱۱ محرم ۱۱۸۰ھ بھی تحریر کر دی

عبدالخالق سعید مصنف "میسور میں اردو" نے اس مخطوطے کا ذکر کیا ہے جسے انہوں نے صابو لال صاحب کمندان ساکن کلوس پیٹ کے ہاں دیکھا تھا۔ جس پر ۱۱ محرم ۱۱۸۰ھ تحریر ہے۔ اور کتاب کے اختتام پر سلطان شہید کے دستخط بھی

موجود ہیں
کتاب خدا کی حمد سے شروع ہوی ہے

خدا کوں حمد بیحد سزاوار   وہی واحد وہی ہے کرتار

اس کے بعد شاعر نے اپنے مرشد سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے

کہوں مرشد کا میرے منقبت ہیں   مبارک ذات اور اخلاق طیب
مبارک نام اوس سید حسن ہے   چرن کی خاک سرمہ مجھ نین ہے
صفت کہنی سکت نیں ہے زباں ہیں   ہنیں آتا قلم کے بھی دہاں ہیں

اپنے خاندانی حالات اس طرح بیان کئے ہیں

کروں ظاہر حسب میرے نسب کا   کہ عرباں ہیں جو ہیں پاک عرب کا
مرا جد ہے بنی ہاشم کے درمیان   بزرگی ہے خدا کے لئے اسے ماں
حسین ہے نام میرا ابن قادر   کیا ہوں اوس سبب قصہ ہیں صادر
رہی کرناؤں میرا یو جگت   بنا رہا ہوں نسخہ موزوں سنوت

محمد علی مہکری

محمد علی مہکری متخلص خانہ زاد ۔ محمد سعید عاصی نلونگلی کے بڑے فرزند تھے ۔ آپ عہد سرکار خداداد میں بارہ محل، کلیکوٹ، گوتی، بنگلور وغیرہ میں گورنر رہے ٹیپو سلطان نے آپ کو فلک شکوہ کا خطاب عطا کیا تھا ۔ آپ اچھے شاعر تھے ۔ گنج شائگاں آپ کے کلام کا مجموعہ ہے ۔ اس کی تکمیل ۱۸۰۶ء میں ہوی ۔ آپ کا مزار شمکور میں ہے ۔

---

۱ - "میسور میں اردو" از سلیم تمنائی مطبوعہ بیسٹ رس

بطور نمونہ آپ کا کلام درج کیا جاتا ہے

شام تو ہو گئی سحر ہو جائے گی — روشنی در بحر و بر ہو جائے گی
جب نگہ تیری پڑی اکسیر — دیکھتے ہی خاک زر ہو جائے گی

کیا تو کُن کے کہتے دو جہاں کو — بھی اک پل میں زمین و آسماں کو
روانی آب کو بخشا زمیں پر — رکھا پھر لا کے واں کوہِ گراں کو
کیا ہے بحر کو اس پر نمایاں — پھر کچھ بیچ ساتھ جنس ماہیاں کو
کیا ہے نہر کے اوپر مقرر — ہر اک جا کے اوپر سرو چماں کو
دیا خورشید کو افلاک پر جا — رکھا بس دور اس سے کہکشاں کو

منشی غلام حسین

منشی غلام حسین متخلص عاصی منجم دربار سلطان شہید تھے۔ سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد آپ ممّڈی کرشن راج وڈیر کے دربار سے منسلک ہو گئے۔
صوفی احمد علی مرحوم نے رسالہ مسمیٰ بہ "مرمۂ بصیرت" (مخطوطہ مملوکہ سلیم تمنائی) میں "میسور کے افاضل" کے عنوان کے تحت آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپ کو استاذ الافاضل کہنا ناموزوں نہ ہوگا۔ تمام ملک کے لا یقین ان کے شاگرد یا اس بزرگ کے شاگرد ہوں گے جو آپ کے سلسلہ تلمذ سے وابستہ ہو۔ بادشاہ شہید حضرت ٹیپو سلطان جنت مکان کے وقت بڑے بڑے علماء سے علوم متنوعہ میں آپ کی تربیت ہوئی تھی۔ خصوص علم ریاضی، علم ہندسہ،

۱۔ بیاض مملوکہ سلیم تمنائی

علم حساب، علم نجوم، علم مناظرہ، علم جبر و مقابلہ، علم جر اثقل، علم طب، علم انشا قانون وغیرہ میں آپ اپنی نظیر تھے۔ فارسی کے ایسے محقق کہ ایرانیوں کو آپ کا لوہا ماننا پڑتا۔ علم کے سوا ان کی عقل اَلْعَقْلُ یَضْعُفُ اَلکَثرَ اَمۃ کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ بڑے ممتاز باوقار شہر اور دربار مہاراجہ بہادر میں نہایت معزز بزرگ تھے۔ درسی کتب کا پڑھانا انہیں کا کام تھا۔ ان کے رقعات فارسی موجود ہیں۔ اس طرح کی عبارت لکھنا تو درکنار اس کو سمجھ لینا بھی لایقوں کا کام ہے۔ حضرت منشی صاحب ۱۲۸۰ھ میں واصل حق ہوئے۔ مزار بڑے مکان میں ہے۔"

ان کی دو فارسی کتابوں کا پتہ چلا ہے۔ استیفا[۱] اور تکمیل الصرف[۲] اول الذکر کتاب میں ہندوستان میں مسلمانوں خصوصاً سرکار خداداد کے انتظام حکومت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری کتاب فارسی قواعد سے متعلق ہے۔

مرزا زین العابدین عابد

مرزا زین[۳] العابدین المعروف بہ مرزا عابد منشی متخلص بہ عابد مرزا عسکر کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۷۸۰ء میں ہوئی۔ ٹیپو سلطان کے عہد میں ان کے والد منصب صدوری پر فائز تھے۔ آپ کی وفات کے وقت عابد صرف تیرہ سال کے تھے لیکن فارسی میں کافی مہارت تھی۔ ٹیپو سلطان نے ان کو غنی کچہری کا منشی مقرر کردیا۔ جب یہ انیس برس کے ہوئے تو سرکار خداداد کا روشن چراغ بجھ چکا تھا۔ ریاست میسور کے رزیڈنٹوں کے میر منشی ہوگئے۔

---

۱ - ۲ - دونوں کتابیں سلیم تمنائی کے کتب خانے اور ریسرچ اورینٹل لائبریری میں میں نے دیکھی ہیں

۳ - "میسور میں اردو" از سلیم تمنائی مطبوعہ سب رس

مثنوی نقش مراد (۱۸۰۳ء) مثنوی جوش و خروش عشق (۱۸۳۰ء) ان کی مشہور مثنویاں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے اصناف سخن مثلاً رباعی، قصیدہ اور غزل پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کا کلام صحت و روانی کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں نسبتاً ممتاز ہے۔ ان کی وفات ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو قصیدہ کے کچھ شعر درج کئے جاتے ہیں۔

کس طرح کوئی بچ رہے کوئی اپنی جان سے — پکڑی چشم یار کی تیر و کمان سے
کسکی نگاہ عشق مجسم ہو شکل میل — پہنچی ہے تیری آنکھ تلک سرمہ دان سے
یاقوت و لالہ زار سنی لیکہ تا شفق — آتش لگے ہی دیکھ تیری رنگ پان سے
نا طاقتِ سکوت نمقدور التماس — کیوں درد دل کیجئے تجھ بدگمان سے
مرجائیے جہانکو ویران جائیے — پر دل نہ باندہی کسو نامہربان سے
یک روز وصف یار میں لکھتا تھا شعر — ناگاہ یک ندا ہوئی یوں آسمان سے
اس ہرزہ گوئی سے سری کیا ہیکا فایدہ — ایسا سخن نکالیے عابد زبان سے
جسکی صلہ میں پاویں کچھ مراد دل — محظوظ ہورہی ہے نعم دو جہان سے
مرکوز خاطر دل عابد یہی ہے اب — دل سمجہہ دیجئو مراحب جہان سے

میں کہاں اوس مہر کو بالا تری — جمع ہیں وہاں غنچۂ نیلوفری
باغ قدرت میں جہاں شمشاد ہے — طوق وہاں قمری کو مادرزاد ہے
حسن جسکا ہوا ہے جلوہ گر — عشق اوسکا ہوا ہے نامور
عشق ہی گلدستہ گلزار حسن — عشق ہے آئینۂ دیدار حسن
عابد ابن الحسکری ابن السمیع — بن تقی بن یادگار ابن البدیع

۱۔ بیاض مملوکہ سلیم تمنائی

۲۔ . . .

ہے توسل اس کا بر مدح امام
ورنہ باتوں سے نہیں ہی اوسکا کام

(نقش مراد)

رباعی

تن بہ تسلیم ہو راضی بہ رضا بیٹھے ہیں | مار یا بخش ترے در پہ تو آ بیٹھے ہیں
ہاتھ اٹھانا ترے آگے ہے دعا کے خاطر | ورنہ سب بات سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے ہیں

قصیدہ کے کچھ اور شعر ملاحظہ ہوں

گہر صدف میں خجالت سے ہو رہے غرقاب | اٹھاؤں جب میں رخ شاہد سخن سے نقاب
سخن گرہ کرے حلقوم رعد میں ہر دم | زبس کہ رعب ہے میرے سخن کا تا بہ سحاب
اگر میں بزم چمن میں کروں سخن رنگین | عجب نہیں رخ زیبائے گل سے ٹپکے گلاب
طفیل مدح شہنشاہ دیں کہ ہم تہ تماک | فرشتگیوں سے مجھے ننگ ہے سوال و جواب
مرا دماغ نہ ہو کیوں کہ آسماں سے بلند | کہ میں ہوں خاک رہ بو تراب عرش جناب

سید عارف شاہ قادری

سید عارف شاہ قادری بن سید محمد بن سید حافظ بن سید بدرالدین بن سید بدیہ حسینی القادری بیجاپوری کے آباد اجداد رستم آباد (سرا) میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ آپکی دو مشہور مثنویاں حقوق المسلمین (۱۲۲۴ھ) اور مطلوب المریدین (۱۲۳۰ھ) دستیاب

۱-۲- سلیم تمنائی کے کتب خانے میں تب ے یہ دونوں کتابیں دیکھی ہیں۔ جو آپ کی دادی محترمہ بنت حضرت سید محمد بدرالدین شاہ حسینی قادری قدس سرہ (جن کی مصنف کتاب اوراں کے پیر و مرشد خواجہ سید صدرالدین قادری سے رشتہ داری ہے) کے لئے کسی مریدہ سام حسین بن غلام محمد نے بمقام ملونگی نقل کی ہیں

ہوی ہیں۔ اول الذکر کتاب کے بارے میں لکھا ہے۔

جوں علی اوسکو عالے نام ہے ۔ تیونچہ عالی اوسکی ساری کام ہے
رنج و راحت میں میرا دمساز تھا ۔ اور میرا ہمدم اور ہمراز تھا
ایک دن وہ آکو میرے بیٹھ پاس ۔ مجہ ستی کہنے لگیا یوں حق شناس
اس زمانے بیچ آکر مرد و زن ۔ رکھہ کے قرآن خدا کو اک کرن
بھول جاکو حکم پیغمبر کیتیں ۔ کار زشت دل سے آپکے در کیتیں

پھر آپ کا دوست فرمائش کرتا ہے کہ ایک کتاب مرد و زن کے لئے لکھی جائے آخر آپ نے یہ کتاب تحریر فرمادی

لیکے کومیں عمدہ کتابانسے تمام ۔ اس مضامیں کو رکھیا در نظم خام

کتاب کی ابتدا میں نثر میں دیباچہ تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

عارف بن سید محمد بن سید حافظ بن سید بدرالدین بن سید بدیہ حسینی القادری بیجاپوری و ساکن رستم آباد عرف سرا۔ عفو کرے حق تعالے گناہاں اوسکے اور خیر کرے خاتمہ اوسکا بیچ خدمت بزرگان حق شناس و پاکبازان حقیقت اساس کے عرض کرتا ہی یہ فقیر دیکھا کہ بہت مرداں ہور عورتاں اپنے حقداراں کی حق شناسی سے بے علمی کے سبب غافل و جاہل ہیں جیساکہ فرزنداں حقوق ماداں و پدراں سے اور مادراں اور پدراں حقوق فرزنداں سے اور شاگرداں حقوق استاداں سے اور استاداں حقوق شاگرداں سے مومناں حقوق مسلماناں سے بالکل خبر نہیں رکھتے ہیں

غرض مسلمانوں کی اصلاح کے لئے یہ کتاب تحریر ہوی۔ حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد شاہ محمد صدرالدین کی منقبت میں شعر کہے ہیں۔ پھر اکثر حکایتوں روایتوں اور قرآن و حدیث کی مدد سے مسلمانوں کو ان کے حقوق سمجھائے گئے ہیں۔ آخر میں حضرت پیران پیر دستگیر کی مدح میں ایک سہرا تحریر کی ہے جس میں بڑی روانی ہے

"مطلوب المریدین" سید محی الدین اور سید حسن کی فرمائش پر لکھی ہے۔

کیتے میری جو تھی دینی برادر	میری سی بارہا کہتے ہیں آکر
رسالہ ایک تو ایسا بناؤ	لباس نظم اوسکے تیں پناؤ
کہ تا یرنی سی وہ شایستہ منظوم	معانے من عرف کے ہوی مفہوم
... ایک اونو سی تھا فرحبا م	جسی سید محی الدین تھا نام
... س امیں باعث میرے سات	میری تس عذر کو مانیا کے دہات
برادر دوسرا با عزت و فر	کہ جس کا نام تھا سید حسن کر
تہی اوسکی نام کے تیوں نیک خو کام	سٹیا تھا خلق پر سب خلق کا دام
مرا تھا ظاہر و باطن میں ہمراز	ہی شاگرداں منے تھا نیک ممتاز

اس کتاب کی ابتدا بھی نعت سے ہوی ہے اور اپنے مرشد خواجہ صدرالدین کی منقبت میں شعر تحریر کرنے کے بعد نفس مضمون پر قلم اٹھایا ہے
تحفۂ شطاریہ کے مصنف مولوی محمد دستگیر نے آپ کا مزار نلونگل میں بتایا ہے۔ آپکے پیر و مرشد خواجہ صدرالدین نلونگلی بھی وہیں دفن ہیں۔

مزید نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے

محمد مظہر ذات خدا ہی	خدا نہیں پن خدا سے نہیں جدا ہی
محمد شاہ خیل انبیا ہے	محمد تاج فرق اصفیا ہی
محمد رحمت للعالمیں ہی	محمد ہے شفیع المذنبین ہی
محمد باعث ایجاد عالم	وجود آدم و اولاد آدم
جہاں لگ ہے بلندی اور پستی	اوسی کے نور سی پائی ہیں ہستی
خدا کے نور سی ہو خود منور	ہوا ہے سب جہاں پر فیض گستر
اوسیکے فیض سی سب جسم و جاں ہے	اوسیکے فیض سے کون و مکاں ہے

اوسی نوں بوجھ تیک جھکا سایا — جو کوئی پایا اوسی اوحق کو پایا
اوسی خاطر کئے ہیں در فشانی — رسول اللہ بقول من رانی
مجھی رکھہ دو جہانکی غم — طفیل حضرت سالار عالم
ہوا جب ختم یہ نسخہ باجمال — ہزار و دو صد اوپر تیس تھی سال
اتا عارف تو پھر شکر خدا کر — درود مصطفے پر انتہا کر

رسالہ احکام النکاح

(شادی بیاہ کے گیت)

ٹیپو سلطان شہید کے حکم پر علماء و مشائخین نے رسالہ احکام النکاح ترتیب دیا تھا تاکہ رعایا برے رسم و رواج سے بچے اور اس پر عمل کریں۔ ہر دن کونسی رسم عمل میں آئی اس کا ذکر فارسی نثر میں کیا گیا ہے۔ احکام النکاح کی ترتیب کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ ابیات عطر و چکسہ و حنا (روز سوم) اور ابیات جلوہ (روز چہارم) اردو میں لکھی گئی ہیں۔

ابیاتِ عطر و چکسہ و حنا

[2]

دن اکہ تیل اور ہنایا ...ن — تسبیح نبی کے برکات سوں
کہن تا ... پیار ... — ذالی عطر اور چکسہ کے تئیں
خدا کی مدد سوں لگاؤں حنا — کہ تالال مرجاں سو ہو دست و پا

۱ - ۲ - ماخذ مساوکہ محترمہ رفعت زہرہ صاحبہ میسور میں اردو (سب رس) سلیم تمنائی

ابیاتِ جلوہ

حمد خدا کے بعد از صلواۃ پہونچا باہم — وقت اجابت ہے یہ مانگو دعا مقدم

آدم صفی و حوّا جیسے باالفت — کہ ایک کی یک طاعت دائم رہیں وہمدم

ویسا ہی رکھ داور نوشہ عروس کبتیں — قائم بعیش و عشرت مسرور شاد باہم

جیسا کہ خلیل سارا اور ہاجرہ آسیا کوں — رکھ تو ہمیشہ یارب الفت کے ساتھ ہمدم

یا مصطفےٰ محبت الفت سیں کر اطاعت — جوں عائشہ خدیجہ رہتے تھے بس مکرم

روئے زمیں یکسر مشرق سیں تا مغرب — اپنے کرم سوں کر تو سلطاں کے زیر قائم

ہر خسروان ماضی حال اور مضارع اوبر — دنیا و دیں میں یارب سلطاں کو رکھ معظم

ان کے علاوہ میں نے یہاں کی ڈومنیوں اور بڑی بوڑھیوں سے سن کر پرانے زمانے کے گیت جمع کئے ہیں جو درج ذیل کئے جاتے ہیں

ڈومنیوں کے گیت

دھوپ کالے کی دھوپ ہرنی منگتی چھاؤں — جا بجل کے جھاڑاں میں گرتی دھوتی باؤں

گھنگرو گھانباں سیل آیا ہے سامنے — اٹھ گئے نیند کی انتی بھائی آبائے بلائے

محلوں میں سے نکلی رکھ کمر پو ہاتھ — سائیں سے کرتی ات بجلی جھمکی رات

محلوں میں سے نکلی منہ کی کملایا — سائیں پوچھیں جی میری بیوی کیا دکھ آیا

ساموئے کا صوفہ بار نگے بیر کے موتی — جم جم مانگے بیٹی رول روں دعا دیتی

تیل کی رسم

سرسوں نہلائے سرسوں نہلالے — سرسوں کا تیل چڑھائے
اے کون سہاگن سرسوں کا تیل چڑھائے — اب کون سہاگن حضرت بی بی سہاگن
اکوائے نی بھابی بچھوائے کی راگی — تیل کوں چڑھائی شو کی بڑی بھان

اسی طرح دوسرے شعر میں حضرت بی بی سہاگن کی جگہ حضرت خدیجہؓ فاطمہؓ زینبؓ و سارہؓ کے نام لئے جاتے ہیں ۔

چوک بھرنے کے وقت کے گیت

بسم اللہ کی چوکی بھرتے ہاتھے ہاتھ — قایم رکھے یا رب نوابیاں میرے ساتھ
نی کے کے وقت ملاؤ شو کی ماں کو — سوا لنو مہرین کو بیٹرا مئی بہر چاند کو
آیاں جی سمدھنیاں ملکتی لال بجھائے — رضا زیدی جی بھابی بھان کو بھول بنائے

۱ تیل کی رسم نکاح سے ایک دن پہلے ادا کی جاتی ہے ۔ چوک بھرنا ایک رسم ہے جو نکاح سے پہلے تمام رسموں میں یعنی سکرانہ تیل اور مہنی اور گلسر بہنانے کی رسموں سے پہلے ایک سرخ کپڑے پر چاول پھول نوں کی صورت میں بچھائے جاتے ہیں اور اس دفت پر سہاگن عورتیں گا گا کر چوکی تیار کرتے ہیں ۔ پھر اس پر ایک چوکی رکھی جاتی ہے ۔ اور دلہن کو اس پر بٹھا کر رسوم ادا کی جاتی ہیں

چوک نامہ

باریک چاول کی چوک بھرتی جھگلا کی — آ بیٹھ چوکی پر مالے چوکی اب بنسی
انبھائی بیٹی کی اجلی سی بنی سی — بنا کے گھر کی منتی نوبت نقارے ہیں بجتی
جوائیں کا کھانا دودھ پہر کی ملائی — عارس کا یہ کھانا بعدہ ہے حلوا
عارس دونا مرد احمرات کا جلوہ — عارس کے سچے ہیں اود جلنائے لوبانی
چاند قلعہ بندھا سورج منڈوا چھایا — ماموں کے انگن میں بھا سجا جلوہ بنایا
میرے گھر میں بنی مشتری کا تارا — ایسا جوائیں پیارا پیم کا چاند سارا
ساری رات کا جاگا اجالا آیا — موتی کے جھالک میں شہزادی کو لایا
اجالے کے پارے کیسی آرسی روتی — سوداگر کی بیٹی حلوہ بنا کر جانی
ہم چاروں بہنا دریا دیکھنے جانا — بھائی کے سہرے خاطر گلی موتی لانا
ہم چاروں بہنا بھائی کے گھر جانا — بھاوج لائی اوڑھنا ہیرے کے جم خانہ
بڑے بڑے موتی دولہا کے توڑے کو — یہ نورا سا جے گا قیمتی ہیرے کو
نوشو میرے بھائی کھڑے ہیں منڈوے میں — نوسر ہار گلے میں پھول کھلے گلے میں
میرے گھر میں بیٹی مشتری کا تارا — ایسا جوائیں پیارا پیم کا چاند سارا
پانوں کی پٹاری باڑے میں اتاری — پان کھاتیں راداری بردردا سیاری
منگنا ہوئی سو بیٹی انگن اسے منع — سامنے دیوان خانہ چوسر کھیلنائے نا
بیٹی کو منگتے کان کے جی کدھر کے — دلی کے شہزادے بانچن لائیں کیلی کے
بیٹی کے باپ کیوں بیٹھیں دل گیرو — بیٹی جاتے دور بناؤ موتی چورو
بیٹی تیرا جہیز کے موتی کو ہتھی — پھر کیا منگنی بیٹی ڈولارے کو موتی
گوری گوکر کو اتنا کیا سرایا — گوری کے جونڈے میں بٹ نگر اکلایا
سا مونے کا صوفہ سا سن بیٹھیں بیٹی رانی — آرا آنچل لے کے بہو پھرتیں گھری

گجرانی شروع کا سواگ پنا بنابول کر بھیجا پانی کا قدم تھا

ا بھائی بیٹی کے ابر چھائیں مال
جلوہ دے مسناطہ سر پو منبر ڈال

نوشہ میرا بھائی تیزی چڑھ آنگن میں — سواگن مانی بن بندی کنگن میں
عارس کو اٹھائے منہ کیا دیکھیں ہیرا — اٹھا گود میں لے لے قائم جوڑا تیرا
عارس کو اٹھاتے آسیناں چڑھاتے — بیٹھ سے تڑے بھائی پالکی لا رکھاتے
ہرے منڈوے تلے پیلا پانی تھا — بیٹ کھنڈی کا پوت جلوے کا سر نہایا
شبگت نکلی بھائی گلی گلی ماجا — رار آپ دیکھیں کس نگری کا راجا
شبگت نکلیں بھائی ڈگر ڈگر — کیا کہ محل تلے کھنڈی مہتاب جلے

بچھا شال کی گھڑی کھولیں جو دہ پیڑی
شگت نکل کو ستو آیا ئے منڈوے میں

جھولے کا گیت

دھو کر زباں کو تو ہو با وضو — لیلئے نام اب اپنے صاحب کا تو
ہے حق لا الٰہ الا اللہ — سو میرے نانے جھو جھو جھو
تن کا بنا اسکا جھولا ہو ساں — دم کے لگا اسکے نبض ڈوریاں
رد ہو کے نانے کو دے لوریاں — ہیرے نر رڈ کا ڈولارا ہے تیرا
گجنہ رسا جھولے میں نانا میرا — سو میرے نانے جھو جھو جھو
حقیقت طریقت معرفت کے جانی — معرفت کے چار رو سہاگن جمانی

ہو ہو کے نانے کو جھولے میں جھانی
سو میرے نانے جھو جھو جھو

ڈھول کے گیت

رسماں ناکرد بنا ہے رنگ میں بنی ہے نیت میں
بنے کا گھوڑا رنگ میں بی کا جوڑا رنگ میں
رسماں ناکرد بنا ہے رنگ میں بنی ہے نین میں
بنے کو ہاراں میں بھیجی ۔ بنے کو گجرے میں بھیجی ۔ بنا ہے رنگ میں رسماں ناکرد
موتیوں کی لڑی رے موتیوں کی لڑی ۔ سے تیرے گلے میں پڑی امیرزادے گلے میں پڑی
بنے کو ہاراں میں بھیجی بنا ہے رنگ میں رسماں ناکرد ۔ طرہ الماس میں جڑی
موتیوں کی لڑی موتیوں کی لڑی رے موتیوں کی لڑی

زر کی چاندنی نلے بنڈرا نظر آیا گے ۔ دولہا نظر آیا گے ۔ نظر آیا گے
ساس نے بھیجی زر کا جوتا ۔ اٹے میں بل کھایا گے ۔ زر کی چاندی نلے بنڈرا نظر آیا گے
ساس نے بھیجی زر کا جامہ ٭ آنے پہننے میں بل کھایا گے

مذکورۂ بالا گیت لکھے لکھائے نہیں ہیں ۔ صرف نسل در نسل یاد کرلئے جاتے ہیں ۔ گانے بجانے ، ڈھول اور ڈومنیوں کا رواج آجکل میوؔ میں تقریباً بالکل نہیں ہے ۔ لیکن بیس پچیس سال پہلے ڈھول اور گانے مروج تھے ۔ اس کے ساتھ محرم میں گانے والوں کے گروہ بے گردہ فی البدیہہ اشعار کہتے اور گانے کا مقابلہ ہوتا تھا ۔ اور یہ گروہ محلہ محلہ اور قریہ قریہ گھومتے اور طبع آزمائی کرتے پھرتے تھے ۔ لسانی نقطۂ نظر سے ان گانوں کی زبان بہت اہم ہے ان سے دکنی عنصر اور ہندی عنصر کے علاوہ قدیم زمانے کے رسم و رواج کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ یہ گانے اپنے ماحول و سماج کی بولتی تصویریں ہیں یہ سب گانے جمع کئے جائیں تو اچھی خاصی ضخیم کتاب بن جائیگی ۔ ہم نے بخوف طوالت یہاں ان کا اجمالاً ذکر کیا ہے ۔

سرکارِ خداداد کی علمی خدمات پر ایک نظر

میسور میں اردو کی ابتدا کے سلسلہ میں ہم نے شاہ محمد صدرالدین کا ذکر کیا ہے لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے ان سے پہلے ہی اردو زبان میں یہاں مذہبی رسائل کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ مومن کی طرح چند اور شعراء نے بھی اس سرزمین اردو زبان میں نغمہ سرائی کی ہو لیکن عہد سرکار خداداد سے اس کی کڑیاں مل جاتی ہیں۔ شاہ محمد صدرالدین کی زبان بہت ہی قدیم ہے لیکن اس میں کافی پختگی اور رقی پائی جاتی ہے۔ شاہ صاحب نے نثر مقفیٰ بھی لکھی ہے۔ آپ کے کلام میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ ان کے مقابلہ میں شاہ کمال الدین کے کلام میں قدامت بہت کم نظر آتی ہے۔ سادگی اور روانی بڑی حد تک پائی جاتی ہے۔ ریاض العارفین اور فتح المجاہدین کے اشعار میں ولی کی سی روانی بے تکلفی اور آمد نظر آتی ہے صنائع اور بدائع کا استعمال اس زمانے میں بہت ہی کم کیا جاتا تھا۔ وہ زمانہ تھا جب کہ شمالی ہند کے شعراء نے بھی اردو زبان کی پرورش میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ آبرو حاتم۔ ناجی۔ مضمون۔ مرزا مظہر جان جاناں نے اردو زبان سے قدیم دکنی الفاظ کا اخراج شروع کر دیا تھا۔ ان کی جگہ پر عربی اور فارسی کے مترادف الفاظ داخل کئے جا رہے تھے سرکار خداداد کی ابتدا سے پہلے ہی آبرو متوفی ۱۱۴۹ھ ، خان آرزو متوفی ۱۱۶۹ھ ، مضمون متوفی ۱۱۴۵ھ کے لیے ختم ہو چکے تھے۔ لیکن حاتم اور تاباں اور فغاں اردو زبان کی خدمت میں سرگرم تھے۔ میر درد۔ سودا۔ میر حسن۔ میر تقی نت نئے الفاظ سے اردو زبان کو مالا مال کر رہے تھے۔ ان کی انتھک کوششوں نے اردو زبان میں نئی روح پھونک دی تھی اور دکن کے دوسرے

شعراء کی مانند شعراء و ادبائے میسور بھی شمالی ہندوستان کی تقلید
کو اپنے لئے مایہ امتیاز سمجھنے لگے تھے۔ لوگوں کی توجہ صرف مذہبی عقائد کے ذکر سے
ہٹ کر آگے بڑھتی گئی اور جولانی طبع کے لئے ایک وسیع میدان نظر آنے لگا۔

عہد سرکار خداداد، شاہ عالم ثانی کے عہد (۱۷۶۱ء تا ۱۸۰۶ء) کے
لگ بھگ ہے۔ نواب حیدر علی خاں بہادر اور ٹیپو سلطان شہید کا وہ زمانہ تھا
جب کہ سلطنتِ مغلیہ موت کی آخری ہچکیاں لے رہی تھی اور اقوام غیر جو ایک
تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت کے لئے بارگاہ سلطانی کے چکر لگا رہے تھے
اور بادشاہِ زماں کی ایک نظر عنایت میں اپنے مستقبل کے خوش آئند خواب دیکھ
. ہندوستان میں کوئی ایسی مرکزی طاقت نہ تھی جو ان کے ارادے میں
مزاحم ہوسکتی۔ یہاں کے بادشاہ اور نواب اور راجہ یکے بعد دیگرے اقوام غیر کی
جعلسازیوں کا لقمہ بن رہے تھے۔ دکن کی تین آزاد حکومتیں۔ مرہٹے، نظام حیدرآباد
اور سرکار خداداد باہمی رقابت کی وجہ سے ایک دوسرے سے دست و گریبان
تھیں۔ اقوام غیر ملک کی افراتفری اور رقابت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے
حالانکہ وہ خود ہی یعنی فرنچ اور انگریز ملک گیری کے لئے آپس میں ایک دوسرے سے
ٹھکرا رہے تھے کبھی تو آرکاٹ کی صوبہ داری کے جھگڑے سے فائدہ اٹھایا جاتا
اور کبھی نظام حیدرآباد کی جانشینی کا سوال منظر عام پر لایا جاتا اور فرنچ اور
انگریز دونوں تمام باہمی بغض و نفاق کی چنگاریوں کو بڑھ بڑھ کر ہوا دیتے۔
یہ تھا دکن کی سیاست کا پس منظر جب کہ حیدر علی نے میسور میں ایک آزاد حکومت
قائم کی۔ ان کی دوربین نظر نے اقوام غیر کی چالبازیوں کو تاڑ لیا تھا۔ انہوں نے
حتی الامکان ہندوستان میں یا کم از کم دکن میں ایک مرکزی حکومت قائم کرنے
کی کوشش کی۔ اور ان کے فرزند گرامی ٹیپو سلطان نے ہندوستانیوں کو عموماً اور
مسلمان بادشاہوں اور نوابوں کو خصوصاً مذہب کا واسطہ دے کر اتفاق و اتحاد
کی دعوت دی۔ لیکن ہندوستانی جن کی قسمت میں ڈیڑھ سو سالہ غلامی لکھی ہوئی

تھی۔ اندھے بن گئے۔ انہوں نے کبھی انہیں ظالم قرار دیا اور کبھی متعصب اور انگریز جنہوں نے ٹیپو سلطان کی لاش پر کھڑے ہو کر انتہائی خوشی کے عالم میں نعرہ لگایا تھا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے"، اور اپنا دام بچھائے ہوئے تھے۔ یہ سلطان کو ہمیشہ غلط طریقہ سے پیش کرتے اور دکن کی تین بڑی قوتوں کو ایک دوسرے سے بدظن کرتے رہتے تھے۔ اس کو انگریزوں کی چال سمجھئے یا حکومت کی پالیسی کبھی نواب حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان شہید کو چین نصیب نہ ہونے دیا۔ بایں ہمہ سرکارِ خداداد کے چالیس سالہ عہد میں اردو زبان جس طرح یہاں نشو و نما پائی اور اردو ادب کی جو نمایاں خدمت ہوئی اس کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

موجودہ ریاست میسور جس کی تشکیل انگریزوں نے ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد کی تھی۔ میں نے اپنے مضمون کا عنوان قرار دیا ہے۔ اس سے پہلے یہ حصہ موجودہ حدود اربعہ کے ساتھ کبھی میسور نہیں کہلایا جاتا تھا۔ پہلے پہل تو میسور کا رقبہ موجودہ میسور ضلع سے بھی کم تھا۔ جس کا ذکر میں نے پچھلے صفحات میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس کے برخلاف سرکارِ خداداد کے میسور سے مراد دکن کا تقریباً وہ تمام حصہ تھا جو دریائے کرشنا کے جنوب سے لے کر کوچین تک اور مدراس سے منگلور وغیرہ مغربی ساحل کی متعدد بندرگاہوں تک پھیلا ہوا تھا۔ تاہم میں نے بخوفِ طوالت اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے صرف موجودہ ریاستِ میسور کے حدود میں اردو زبان کی ترقی کے لئے جو جو کام ہوئے ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً باقر آگاہ دیلوری یا شاہ محمد راجو ٹی پر میں نے نوٹ لکھا اس لئے ضروری نہ سمجھا کہ یہ حصہ زیرِ نظر میسور کے حصہ میں شامل نہیں ہے۔ حالانکہ ان کی کتابیں میسور میں زمانہ قدیم سے مقبول رہی ہیں۔ اور میرے پاس ان کی متعدد کتابوں کے نسخے موجود ہیں۔ باقر آگاہ کے حین حیاتِ سلطان نے ۱۷۸۱ء میں دیلور فتح کیا تھا۔ اس کے برخلاف میں عبدالمومن[۱] خان مومن کا ذکر

۱۔ مومن خان کے متعلق پچھلے صفحات میں جو نوٹ دیے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے

اس لئے کیا ہے کہ جو ان کا ہے وہ موجودہ ریاست میسور کا ایک حصہ ہے۔
حالانکہ ان کے زمانہ میں یہ قلمرو عادل شاہی میں داخل تھا۔ عہد سرکار خداداد
سے پہلے ہی ریاست میسور کے مسلمانوں کی بول چال کی زبان اردو یا دکنی تھی
پھر یہی زبان ادبی زبان بن گئی۔ دکن کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی
پہلے پہل مذہبی رسائل لکھے جانے لگے۔ جن کے مخطوطات یہاں کے قدیم بزرگ
خاندانوں اور مشائخوں کے یہاں ملتے ہیں۔ میں نے ان میں سے بعض مخطوطات
کی نقل بھی لے لی ہے۔ لیکن یہاں اس لئے بیان نہیں کیا کہ ان کے مصنف یا
سنہ کتابت یا تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ ممکن ہے آئندہ تلاش و تفحص سے
اس پر مزید روشنی پڑ سکے۔ خواجہ بندہ نواز۔ برہان الدین جانم۔ امین الدین اعلےٰ
وغیرہ کے بعض رسائل جن کا ذکر کسی تاریخ ادب اردو میں نہیں ہے۔ مجھے
یہاں کے ایک خاندان سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس
دور دراز گمنام ریاست میسور نے بھی قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں
کے دوش بدوش زبان اردو کی خدمت کی ہے کیونکہ جب کسی زبان کا ذوق و
شوق نہ ہو اس زبان میں رسائل و کتب کے لکھنے لکھانے کی زحمت کوئی
کیوں گوارا کریگا

باب دوم

عہد کرشنا راج وڈیر سوم

۱۷۹۹ء تا ۱۸۳۱ء

۱۲۱۴ھ ۱۲۴۷ھ

اس عہد کا سیاسی پس منظر

ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد انگریز دکن کے تمام علاقوں پر یکے بعد دیگرے قابض ہوتے گئے۔ کڑپہ، کرنول اور کرناٹک کے خاتمے کے بعد ۱۸۰۱ء میں اودھ کے صوبے انگریزی قلمرو میں داخل کرلئے گئے۔ ۱۸۰۲ء میں مرہٹوں کی طاقت جس نے شیر میسور کو مٹانے میں انگریزوں کی مدد کی تھی ختم کر دی گئی اور ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے دوسرے طرفدار نظام حیدرآباد کو شکار بنایا گیا نیز بندیل کھنڈ، آگرہ، دہلی، جے پور، جودھپور اور گوالیار کی آزادی بھی اسی وقت چھین لی گئی۔ ۱۸۱۳ء میں انگریزی رزیڈنٹ کا نیپال میں تقرر عمل میں آیا ۱۸۱۶ء میں شملہ، سوری، نینی تال۔ اور ۱۸۱۷ء میں ناگپور کا الحاق ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں جاں باب پیشوا کا خاتمہ کیا گیا۔ اور ۱۸۲۹ء میں آسام اور برما سرنگوں ہوگئے الغرض ۶ رفروری ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں فتح میسور کی تقریب میں شاندار جلوس نکالا گیا۔ سر جان اینس ٹرو تھر نے (جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا) کہا تھا۔ "ٹیپو سلطان کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کیلئے کافی تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان پر ہمارا (انگریزوں کا) قبضہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا"۔ بایں ہمہ انگریزوں پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے

طرفداروں کی بغاوت کا خوف ایسا غالب رہا کہ انہوں نے ان کے اثر کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہیں ڈر تھا کہ مبادا یہ سوتا ہوا شیر جاگ اٹھے یا سلطان کے خون کے قطروں سے کہیں اور کوئی ٹیپو نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے کبھی تو سرکار خداداد کے حکمرانوں کو غاصب بنا کر پیش کیا اور کبھی ٹیپو کو متعصب و ظالم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے پیش نظر مدارس میں پڑھانے کے لئے تاریخیں لکھی جانے لگیں مگر اصلی واقعات کیسے چھپ سکتے تھے۔ سرینگا پٹم اور سرینگر کے منادر و جاگیرات زبانِ حال سے سلطان کی بے تعصبی و انصاف پسندی کا اعلان کرتی رہیں۔ اور یہی وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے سلطان کی شہادت کا ماتم ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے کیا۔ کئی ایک غداران وطن تو اسی وقت تہ تیغ کر دیے گئے۔ انگریزوں نے سلطان کی مقبولیت کو گھٹانے کے لئے نئی نئی داستانیں تراشیں۔ اور آپ کے حسن سلوک اور رعایا پروری کی پردہ پوشی کی ہر ممکن کوشش کیں۔ انہوں نے سلطانی محل پر قبضہ کر کے ایک ایک پرزہ کاغذ چن کر انگلستان روانہ کر دیا۔ آپ کے دفتری احکام افسروں سے حاصل کر لئے قاضیوں تک سے آپ کے مذہبی احکام واپس لے لئے اکثر درگاہوں کی سندات واپس لے کر نئی سندات نئے دیوان پورنیا کے دستخط کے ساتھ اجرا کی گئیں سلطان کا کتب خانہ لوٹ لیا۔ اس کی تصانیف اور علمی کارناموں کو پردۂ اخفا میں رکھنے کی کوشش کی گئی اس طرح اس زمانہ کے علم و ادب کا بہت بڑا خزانہ بکھر گیا۔ لوگوں نے انتہائی مایوسی کے عالم میں گوشہ نشینی اختیار کی اور بڑے بڑے افسر، سپہ سالار اور علماء و فضلاء نے ہی فضا اور غلامانہ زندگی سے دل برداشتہ ہو کر ترک وطن کیا اور دیہاتوں اور گمنام جگہوں کی راہ لی اور اپنی باقی ماندہ زندگی گمنامی اور گوشۂ تنہائی میں گذار دی۔ بنگلور کے مسلمانوں کی حالت کے متعلق فرانسس بچانن کہتا ہے کہ ان میں سے اکثر تباہ حال ہو گئے تھے۔ ملٹری زندگی کے عادی ہونے کی وجہ سے سول ملازمت انہیں

کر سکتے تھے۔ اور انہیں سلطان کے دشمنوں کی فوج میں داخل ہونا بھی گوارا نہ تھا غریبوں کی گذر معاش کاشت کاری سے ہوتی تھی اور دولت مند تجارت کی طرف مائل تھے۔ نمبر ۲ ۷ صفحے میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو سلطان کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ ان میں سے کوئی بھی انگریزی ملازمت میں داخل ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کو اس کی ضرورت تھی۔ یہ سب سلطان کی یاد کا احترام کرتے اور اس کو شہید سمجھتے تھے جس نے مذہب کے لئے اپنی جان دے دی ہو۔" اس زمانہ کی لکھی ہوئی بعض نظمیں دستیاب ہوئی ہیں جو مذکورۂ بالا بیان کی شاہد ہیں۔

آبرو عزت سے یارو بیٹھے کونا بھلا | بے شرم کے نعمتوں سے ہیچ کا پینا بھلا
نا مہ غیبت سے کسی کے ہو کے چپ رہنا بھلا | جینا ہے عزت کا یارو نیں تو ہے مرنا بھلا
یاردیں کا دور تھا یہ وہ بھی آخر ہو گیا | نان داںہ گم ہوئے برباد خانہ ہو گیا
کم ظرف کو شاں کا دسترخوانہ ہو گیا | جب مومن کا ایماں یارو مبدل ہو گیا

سچ ہے تو ہر ندامت کسکو نہ کہنا بھلا

دیکھ لو احوال یارو مومناں تم کر کے غور | اشرفی جس پاس ہے اشراف کر ہوتا ہے شور
عالماں اور کاملاں بہتے سب انکے حضور | کرتا ہے ماں دیکھ لو کم ظرف کی ترقی غفور

اشرفی اشراف جب سمجھے اوسے ٹھکرانا بھلا

گم ہوئے ہیں خانداں کیسے کیسے دیکھ لو | اور ڈرو یارو خدا کی شرم اپنی دیکھ لو
نہ رہے انکے نشاناں گم ہوئے ہیں دیکھ لو | بے شرم کو نیں ہے راحت آخرت میں دیکھ لو

1- Journey from Madras Through the Countries of Mysore, Canara and Malabar by Francis Buchanan in Three volumes printed London in 1807 page 47

صحبت بے حیا سے یار و سٹہر مانا بھلا

یہ جلادا ہے جہاں کا سچ لکھا غمگیر تو — مانگ دعا درگاہ میں حق کے ہاتھ اٹھا غمگیر تو
فعل بد پر زار روتی رہے سدا غمگیر تو — پڑھ محمد کا سدا کلمہ بنا غمگیر تو
یہ مخمس سیکھ کے سب رستے پڑھنا بھلا

اے عزیزاں ٹک سنو غم یہ بیاں ہے راز دار — آفریں کہتے ملائک عرش پر صد بار بار
ملک دکن کے شہر میں کوئی ہوا ایک دیندار — آج تک سلطان ثانی ہیں شہنشہ اسکے نثار
نا طمع دنیا کی رکھا دل سے دولت کا بار — شہادت ہو گیا دین محمد پر نثار
نقل ایک کریا ہوں یہاں سے سب سنو تم اے عزیز — تھا وہ ملک بھی نصارا بر بنا کرے تمیز
چو طرف کی داد فریادی کیے بن خوار زار — تھے نصارے نسل باجوں بے حیا و نابکار
ایک تھی بھائی کی دختر پور نیا کی جوں حذر — جو لعبتیں اور ستمبر بھی اتھی نادر سند ر
نازنیں نازک بدن میں اور بھی پتلی کمر — ناز و نخرہ اور لٹک چال و چلن میں خوش غنر
ال بھی سر میں لمبے گیسو اچھی ساڑھی ملک — جوں لعبتیں اک مکھ پر داب موتی سا چمک
دو بہوا ں کمان فارسی دساور سک — اس جسکے تھے رسیلے سر گویا جوں ملک

مذکورۂ بالا مثنوی میں پورنیا کے بھائی کی بیٹی اور سپاہی حسن نامی ایک مسلمان کی داستانِ عشق بیان کی گئی ہے۔ میرے ! ن کی بیاض میں اس مثنوی کا آخری حصہ غائب ہے۔ بہر حال اس مثنوی کے تمہید سے اس زمانے کے مسلمانوں کے احساسات کا پتہ چلتا ہے۔ اور زبان کے متعلق بھی قیاس آرائی کی جا سکتی ہے ایک اور نظم سپاہی کی زبانی اس بیاض میں لکھی ہوئی ہے۔

بے رحم دلبر تمہارے عشق کی تلوار کا — ہم سفر جاتے ہیں جانی حکم ہے سرکار کا
کب ملادے گا خدا کیا خبر قید ہے دربار کا — میں سپاہی ہوں اے جانی حکم ہے سرکار کا

نوکری سے سخت مشکل یوں نکلیں یوں گلے	رات کو نیند ہے دن کو کبھی فرصت ملے
نوکری میں آپھنسے انگریز کے جھنڈے تلے	جب تریکا تاپ ہو تو ہم مسافر ہو چلے
جو کہ میں انگریز کے نوکر اسے حرمت بڑی	جبکہ کرتا پہنتے تھے کیف آنکھوں میں چڑی
نوکری میں آپھنسے ہر پھر کرا انگریز کو	جنگ پر جاتے میں جانی مرجائینگے ایک روز کو

الغرض یہ تھے یہاں کے مسلمانوں کے جذبات اور واردات قلبیہ جن کی تصویر کشی ان نظموں میں کی گئی ہے۔ مسلمان سلاطین بیجاپور و سلاطین مغلیہ اور پھر عہد سرکار خداداد کے زیر سیادت و اقتدار ملک میسور میں کافی ترقی کرتے رہے تھے اس کی آبادی اور ان کا وقار بڑھ گیا تھا۔ سرکار خداداد کے خاتمے کے بعد بھی مسلمان عزت و راحت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مہاراجہ ممّاڈی کرشنا راج بہادر وڈیر سلطان شہید کے بعد تخت نشین ہوئے۔ یہ بڑے فقیر دوست تھے۔ مولانا پیر کے بڑے معتقد تھے۔ بڑے مکان[2] میسور کو خاصہ ہر روز روانہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے مجرائی علاقہ میں آج تک اس کا نام "لومہ مکان" چلا آتا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر امیروں، نوابوں، بخشیوں اور مشائخوں کے یہاں روزانہ اور کہیں کہیں عیدوں میں خاصہ روانہ کرتے تھے۔ مہاراجہ کی رشتہ دار خواتین اور مسلم خواتین میں میل جول تھا۔[1] اسلامی تہذیب و آداب جمہوانہ ہندوستان بھر میں صرف میسور میں دیکھے جاتے تھے۔ دربار۔ خاصہ دار۔ نوبت نقارہ۔ نقیب۔ چوبدار۔ نذر بادشاہ۔ زندہ باد سلطنت پائندہ باد بادشاہ سلامت ہوش دردم۔ نظر برقدم۔ کے نعرے اس کے شاہد ہیں۔ مہاراجہ کرشن راج بہادر نے کمال الدین شاہ۔ وشاہ میر کو میسور میں جاگیریں دیں۔ نواب میر غلام علی شوستری خان جہان خان۔ نواب میر ندیم اللہ خان۔ نواب باقر علی خان۔ راجہ خان بخشی صفدر جنگ۔ عابد جنگ

۱۔ میسور میں مہاراجگاں کی رواداری (مخطوطہ) مصنفہ جناب۔ آر عبدالقادر صاحب

۲۔ بڑے مکان کا ذکر تفصیلاً آگے آئے گا۔

وغیرہ وظیفہ خوار تھے اور سلطنت کے ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ سید محی الدین میر عدالت اور ان کے فرزند سید علی صاحب قاضی تھے۔ آغا علی عسکر صاحب نے جو سر مرزا اسمٰعیل صاحب دیوان ریاست میسور کے جد اعلیٰ ہیں۔ ۱۸۶۵ء میں جبکہ برٹش گورنمنٹ کے سامنے مہاراجہ چامراج وڈیر کے متبنیٰ بنانے کا مسئلہ زیر غور تھا۔ نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ محل کے خاص حکیم باقر علی صاحب تھے۔ دربار کے منجم و منشی غلام حسین صاحب عاصی تھے۔ مہاراجہ صاحب نوابوں و مصاحبوں کے یہاں شادی و بیاہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ شال دوشالے خاصہ ہار پالکی، جلو کے پیادے اونٹ وغیرہ روانہ فرماتے۔ عیدوں میں خاص دربار ہوتے جس میں مسلم عمائدین شہر، امراء اور وزراء باریاب ہو کر نذریں پیش کرتے تھے۔ الغرض زوال سرکار خداداد کے بعد بھی مسلمان یہاں عزت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مسلمانوں کے لئے تعلیم گاہیں قائم ہوئیں۔ اور فارسی و اردو زبانوں میں یہاں کے علماء و فضلاء نے تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ انگریزوں نے دکنی میں تاریخیں لکھیں۔ ترجمے کرائے اور نظم و نثر میں بے شمار کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔

صرف ریاست میسور ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان بھر میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں انگریزوں نے بڑا حصہ لیا۔

انیسویں صدی کی ابتدا سے پہلے ہی انہوں نے اردو زبان کی رفتار ترقی اور مقبولیت کو دیکھ کر قواعد اور لغت کی کتابیں لکھنی شروع کردی تھیں۔ انیسویں صدی میں عیسائی مشنریوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو اردو زبان میں شائع کرنا شروع کردیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے انگریز ملازموں کے لئے اردو زبان کا سیکھنا اور اس میں ابتدائی امتحان پاس کرنا ضروری قرار دیا۔ انگریزوں سے میل جول کی وجہ سے صدہا انگریزی الفاظ

۱۔ داستان تاریخ اردو مولفہ حامد حسن قادری صفحہ ۷۰ برقی پریس آگرہ ۱۹۴۱ء ہوچھی

اردو میں شامل ہو گئے جن میں سے بعض کے تلفظ ہندوستانی لب و لہجہ کے مطابق کر لئے گئے۔ مثلاً لالٹین، بوتل، سنتری، لاٹ صاحب وغیرہ۔ انگریزی محاورات، ضرب الامثال اور کہاوتوں کا اردو میں چربہ اتارا گیا۔ ڈاکٹر گلکرائسٹ نے اردو کی خدمت ۱۷۸۵ء سے ہی شروع کردی تھی۔ اردو زبان کے متعلق انگریزی زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ۱۸۰۰ء میں یعنی ٹیپو کی بساط سیاست کے الٹ جانے کے بعد صرف ایک سال کے اندر ہی اندر کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔ اور اس کے پرنسپل ڈاکٹر گلکرائسٹ مقرر ہوئے۔ انہوں نے اردو زبان کو اپنے دامانِ سرپرستی میں لیا اور اردو میں لغات، تاریخ، قواعد، وغیرہ کے متعلق کتابیں خود لکھیں اور دوسرے لائق و فائق ہندوستانی لوگوں کو جمع کر کے ان سے متعدد کتابیں اردو میں ترجمہ کرائیں۔ جن کا تفصیلی ذکر تاریخ ادب اردو کی کتابوں میں ملتا ہے۔ عیسائی مشنریوں نے بھی تبلیغی کاموں کے لئے اردو زبان کو آلۂ کار بنایا۔ اردو کے ٹائپ اور لیتھو کے چھاپے خانے جاری کر کے اپنے عقائدِ مذہبی کی اشاعت شروع کی۔ مغلیہ سلطنت اور فارسی زبان کا تنزل اور اردو زبان کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ انگریزوں نے انیسویں صدی کے اوائل میں ہی اردو زبان کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور فورٹ ولیم کالج کے کھلتے ہی اردو کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام کردیا اور اردو کی تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ان کتابوں کے چھاپنے کے لئے اردو ٹائپ کا مطبع بھی قائم کر دیا۔ اور ۱۸۱۶ء سے ۱۸۱۹ء تک سیرامپور کے مشنریوں نے پوری بائبل کا ترجمہ پانچ جلدوں میں شائع کیا۔ لکھنؤ (۱۸۱۲ء)، کانپور (۱۸۳۰ء) اور دہلی (۱۸۳۵ء) میں اردو مطبعے قائم ہوئے۔ اور ۱۸۳۶ء میں دہلی سے مولوی محمد باقر نے دہلی اردو اخبار جاری کیا۔ اس سے پہلے مولوی اکرم علی نے کلکتہ سے ۱۸۱۵ء میں پہلا اردو اخبار شائع کیا تھا۔ ۱۸۳۷ء کے بعد سے ۱۸۴۹ء تک ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں مطبعے قائم ہو چکے تھے

اور اردو کے شجر میں نئی نئی کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔

میسور میں کرشنا راج وڈیر سوم کے بتیس سالہ عہد حکومت کے اوائل میں ہندو مسلمان گھروں ہی میں تعلیم حاصل کرتے رہے ۱۹۲۶ء میں لندن مشن نے بنگلور میں میسور مشن کالج قائم کرکے جدید تعلیم کی بنیاد ڈالی۔ اور اس مدرسے میں ہندوستان کے مختلف حصوں سے طلباء داخل کئے جانے لگے شمالی ہندوستان میں مطبعوں کے قیام اور اردو زبان میں کتابوں کی تصنیف و تالیف نے جنوبی ہندوستان کو بھی متاثر کیا۔ میسور کی دکنی زبان نے حیدر علی و ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں ہی شمالی ہندوستان کا اثر قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ شمال سے علماء و فضلاء سلاطین دکن کی قدردانی کی وجہ سے اکثر یہاں آتے اور دارالسلطنت میں قیام کرتے رہتے تھے فورٹ ولیم کالج سے اردو کتابوں کی اشاعت نے اس اثر کی رفتار بہت تیز کر دی میر امن کی آسان اور عام فہم زبان نے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔ اور ولی و سراج کے کلام کے ساتھ ساتھ میر و درد کی پیروی کی خواہش بھی ان کے سینوں میں موجزن ہونے لگی اور دکنی زبان شمال کی زبان سے قریب تر ہوتی گئی۔

اس عہد میں جو شعراء اور ادیب ابھرے ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔

سید سیف الدین عبداللطیف لطیف آرکاٹی

سید سیف الدین عبداللطیف نام اور تخلص لطیف تھا۔ یہ شیرہ پور (ریاست میسور) کے باشندے تھے۔ چونکہ زمانۂ دراز تک آرکاٹ میں مقیم رہے اس لئے لطیف آرکاٹی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا کلام ریاست میسور میں بہت مقبول ہے۔ اور ان کا دیوان بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت

میرے پیش نظر ان کے دیوان کا ۱۲۹۹ھ کا شائع شدہ نسخہ ہے۔ یہ دیوان ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں منشی محمد ادیس خاں، عبدالرزاق ناظر، سید عمر مسرت اور محمد حسین شیخ کے قطعات تاریخ لکھے ہیں۔ جن میں ۱۲۸۸ھ تاریخ طبع مندرج ہے لیکن کتاب کے شروع میں ۱۲۹۹ھ لکھا ہے۔ دیوان میں حروف تہجی کے اعتبار سے کلام ترتیب دیا گیا ہے۔ ایک مستزاد میں اپنی اردو دانی و طرز سخنوری کے متعلق فخریہ کہتے ہیں

کہتا ہے سخن سن کے مرا عالمِ بالا — اردو کے قسم سے
ہندی میں تو کوئی ایسا نہیں بولنے والا — اس درد و الم سے
تقلید نہیں اوسکو کسی اہلِ سلف کی — ہر شعر و غزل میں
یک طرزِ سخن اپنے تو تازہ ہی نکالا — خود اپنے ہی دم سے
ہر پیر و جواں اوسکے دل آویز سخن کو — محفل میں خوشی کے
سنتے ہی کہا سلمہ اللہ تعالا — الطاف و کرم سے
سچ ہی جو سخن لائقِ توصیف ہو جس کا — انصاف سے اپنے
کیونکر نہ کرے اوسکی ثنا ادنیٰ و اعلا — تقریر و رقم سے
یک بارگی ہی تخفیف سے اس بحر فضا میں — موزونی کے خاطر
کس لطف سے میں اپنے تخلص کو سنبھالا — تعلیم قلم سے

تشبیہات کی ندرت ملاحظہ ہو کہتے ہیں

ترے باغِ حسن سے اے صنم نہ ہی گل ملا نہ ثمر ملا
مگر ایک شاخِ جدائی سے جو ملا سو خارِ جگر ملا
میں عدم سے لے کے یہاں تلک ابھی جستجو میں پڑا پھرا
کسی باغِ دہر سے کچھ ثمر نہ ادھر ملا نہ ادھر ملا

۱۔ دیوان مطبع ۱۲۹۹ھ شائع شدہ نظام المطابع۔ مدراس۔ اس سے یہ اقتباسات لئے گئے ہیں۔

اے جوہری مجھے مت ستا میں غریقِ بحرِ فراق ہوں
کہ سوائے دانۂ اشک کے نہیں کوئی مجھکو گہر ملا
یہی داغ ہے اے بلبلو کہو کیا ہوا وہ کدھر گیا
جو اڑا یہ صحنِ چمن سے اب کہیں اس کا پھر نہیں پر ملا

گنہ جو کر چکے پھر مت کرو ہوا سو ہوا　　کرم توقع ہے غضب سے ڈرو ہوا سو ہوا
شرار برق چمکتے ہیں ابر رحمت سے　　سرِ سجود زمیں پر دھرو ہوا سو ہوا

تار سنبل کو ترے تیر نظر سے باندھ کر　　زخمِ دل کے واسطے میں رشتہ و سوزن کیا

ساقی مجھے بلوری میں شبنم کے دے گلاب　　تا مجھ پہ مرغ گل نہ کرے تہمتِ شراب

سرقہ بازوں اور متشاعروں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں
غیروں کی ریس پر نہ کرو عمر کو ضائع　　موقوف ہے یہ کشتِ امل اپنے عمل پر
دو تین غزل بولکے شاعر جو بنے ہیں　　کیا سہل زبیں دار ہوئے غیر کی ہل پر

ردیف "ر" میں آپکی ایک غزل سردار جنگ بہادر کی ردیف میں ہے جو اس زمانے کے رئیس الامرا فیاضؔ قدردانِ علم و فضل تھے۔ ایک اور غزل کریم الدین احمد خاں بہادر کے متعلق لکھی ہے۔

ہے دریائے کرم کا بے بہا دُر　　کریم الدین احمد خاں بہادر
سند اسکے سیاست کی مقرر　　مجھے بیجی جنگوں سے تو اتر
الٰہی فیض سے سلطان دیں کے　　بندھا دے در پہ اسکے فیل و اشتر

فارسی زبان پر اردو کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں

فارسی شعر کے لکھنے میں نہ تم لاف کرو | پہلے ہندی میں تو کچھ اپنی زباں صاف کرو
جو کہ اپنی ہی زباں کہنے میں افصح نہ ہوا | فارسی اوس سے کہاں بنتی ہے انصاف کرو

اگر ہم فارسی کہتے تو یوں مشہور نا ہوتے | کسی کے صفحۂ خاطر پہ یوں مسطور نا ہوتے
ولو بالفرض ہم تقلید غیروں کی کیا کرتے | تو اہلِ ہند کے محفل میں یوں منظور نا ہوتے

لطیف اپنے معاصر شعرا میں ایک خاص انفرادیت کے مالک تھے۔ اور دور دور تک ان کی شاعری کے چرچے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

شہرت مرے سخن کی یہاں تک ہوی بلند | فردوسیاں کو ہے مرے اشعار کی طلب

دکنی زبان اور شمالی ہند کی مروجہ اردو زبان میں فرق بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں۔

اردو میں لیاقت کہنے کی کچھ ہم کو نہیں کرمت سمجھو
ہر ایک کے سخن فہمی کے لئے ہم اپنی زباں برتے ہیں

نہ صرف جنوبی ہند بلکہ شمالی ہند میں بھی لطیف کے کلام کو غیر معمولی مقبولیت واہمیت حاصل تھی لہٰذا کہتے ہیں

نوبت مرے اشعار کی ملکوں پہ بجی ہے | کس دھوم سے بارو
یہ دولتِ دائم مجھے کیا خوب سجی ہے | اسپند اتارو
کہتے ہیں سخن غزل کو ہر شاعرانِ ہند | شکر خدا ہیں لیسے بھی ملک دکن کے بیچ

ہے شور بلبلاں کا فقط گلستاں تلک　　شہرت مرے سخن کو ہے ہندوستاں تلک

ـــــــ

شہرت مرے سخن کی جو گلشن میں پڑ گئی　　مرغانِ گل کے ہوش ہوا ہو کے اڑ گئی
بے ہوشی بلبلوں کی کہا گل نے دیکھ کر　　شاید غزل لطیفؔ کی سودا سے لڑ گئی

ـــــــ

اپنے محفل کے سوا محفل آفاق کے بیچ　　شعر مقبول ہوا میں نے جدھر بھیج دیا

اپنے وطن کے متعلق رقمطراز ہیں

شیر دشرزہ ہر دو میرے روبرو مجبور ہے　　کیونکہ میرا اصل مولد شہر شرزہ پور ہے
ہے بہت قرب مسافت دور مت سمجھو اسے　　متصل اس شہر کے آبادیٔ بنگلور ہے
شہریار اس شہر کا جب واصل حق ہو گیا　　تب سے سمجھو دل بھی میرا در رہ سے رنجور ہے
حافظ قرآن تھا اور تھا حافظ خلق کا　　خلق پر اس کے زمانہ اب تلک مشکور ہے
اسم اس فیاض عالم کا یہی معروف تھا　　حضرت حافظ محمد خاں جو یہ مشہور ہے
یک ہزار و دو صد و شش سال کی ہجری میں وہ　　راہیٔ جنت ہوا سجدے میں سود کور ہے
جا زیارت کو تو اس فیاض عالم کی لطیفؔ　　مرقد عالی پہ جسکے حق کا دائم نور ہے

مذکورۂ بالا غزل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شرزہ پور کے عامل حافظ محمد خاں صاحب کی وفات ($\frac{۱۲۰۶ھ}{۱۷۹۱ء}$) کے بعد اپنا گاؤں چھوڑا تھا۔ ٹیپو سلطان نے ($\frac{۱۲۱۴ھ}{۱۷۹۹ء}$) میں جام شہادت نوش کیا۔ لطیفؔ ٹیپو سلطان کے زمانۂ حیات میں ہی شرزہ پور چھوڑکر مدراس چلے گئے۔ اور دربار آرکاٹ سے وابستہ ہو گئے تھے اور سلطان کی شہادت کے بعد بھی ایک مدت تک زندہ رہے اور شعر و شاعری کا مشغلہ جاری رکھا۔ انہوں نے $\frac{۱۲۴۱ھ}{۱۸۲۵ء}$ میں غلام غوث محمد خاں کی تخت نشینی کی مبارکبادی میں ایک

۱۔ اعظم جاہ کے انتقال کے بعد غلام محمد غوث خاں $\frac{۱۲۴۱ھ}{۱۸۲۵ء}$ میں مسند حکومت پر متمکن ہوئے تھے۔ اور ۱۲۷۶ھ م ۱۸۵۵ء میں ان کا انتقال ہوا

نظم لکھی ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

کرم سے سلطانِ دوجہاں کے بہار دولت صبا جو لائی
ہر ایک گل کو قبائے رنگیں پہنا کے رشکِ چمن بنائی

ایک اور غزل میں شمالی ہند کے متقدمین اردو شعراء کو خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

غزل

گرچہ لطیف شعر کے کہنے سے نام ہے | پر شاعرانِ ہند کا بوڑھا غلام ہے
سودا سے میر درد سے جرأت یقین سے | انشا سے اور نقی سے عقیدت مدام ہے
خدمت غلامی ایسے فصیحوں کی کیجئے | جن کے سخنوری سے سخن کا قیام ہے
جرأت رہا نہ درد نہ انشا یقیں رہا | سودائے خام تجکو یہاں صبح و شام ہے
اے بے سخن سخن سے ہمارے ڈرا کرو | شمشیر شاعروں کی صدا بے نیام ہے
شکر سخن میں اپنے تو مشغول رہ لطیف | تیرا سخن پسند دل خاص و عام ہے

دیوان لطیف میں اس زمانے کی ادبی زندگی بڑی بہار دکھا رہی ہے جس سے میسور کی اردو نوازی کی جیتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے اشعار میں بے ساختہ پن اور روانی موجود ہے۔ شمالی ہندوستان کے شعراء کی تقلید میں ہندی الفاظ کے بجائے سادہ اور سلیس فارسی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ماحول کی عکاسی میں خوب خوب زور طبع دکھایا ہے

سید عبدالرحیم صاحب درگاہی میسوری

سید عبدالرحیم نام۔ درگاہی تخلص ہے۔ آپ ایک متشرع عالم تھے۔ شرک و بدعت کو مہلک سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپ نے ساری عمر اس کے خلاف جہاد میں صرف کردی۔ ۱۸۵۵ء میں انتقال فرمایا۔ جس مسجد میں آپ کا قیام تھا۔ آج تک وہ درگاہی صاحب کی مسجد کہلاتی ہے۔[۱] اردو کے اچھے شاعر تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں ان کا اردو دیوان شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعض شعر یہ ہیں۔

*

اذان سن جماعت سے لیویں کنارا
نبی ان کو بولے بہود و نصارا

*

سا یخ بولے حدیث پیغمبر
بے نمازی ستی سور بہتر

*

حقدار بے نماز ہے دوزخ کی آگ کا
بچنا ہے اس ستی ہے اگر عقل کچھ ذرا

*

علم انشا میں بھلا حق کی پچھانت ہے کہاں
ہے خطوں میں اول لکھتے مشفق و مہرباں
بندہ مخلوق کو لکھتے ہیں قبلہ دو جہاں
اس سبب اسلام میں نشیاں ہیں غافل گمراہ

۱۔ درگاہی کا چھپا ہوا دیوان ہم نے سرقاضی محمد قاسم، ضیا انصاری کے کتب خانہ میں ۱۹۴۲ء میں دیکھا تھا۔ اور اس سے منتخب ذیل ابیات نقل کر لیے تھے۔ ۔ دیوان ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور حروف تہجی کے اعتبار سے غزلوں کی ترتیب دی گئی ہے۔ سلیم تمنائی کے کتب خانے میں آپ کا ایک قلمی نسخہ دیکھا۔ جس میں منظوم خطبات ہیں

ے

علم دیں اسلام کا فقہ غنا بدلے ازال　　فرض ہے درگاہی پڑھنا موماناں کے تئیں کمال
اسمیں کلمہ کی حقیقت اور سب مقصد ہے حال　　تب رہے سنت جمع مومن مسلماں بے زوال

ے

سخن تیرا درگاہی سب کے پسند ہے　　کہے عالماں مجھ کو سب ارجمند ہے
مگر جاہلاں کیج جو کہ آتش پسند ہے　　نہ کر خوف ان کے گلے میں کمند ہے

پیری مریدی کے متعلق کہتے ہیں۔

تو کرنا مریداں جو اپنے فخر کوں　　کہ دنیا کا کرے جمع مال و زر توں
چھوڑا کر عبادت ریاضت صبر کوں　　پھرانا بنا ملحداں دربدر کوں

ے

طمع دار پیراں ہیں بھنے مکر کے　　ہوسے ہے خلافت بہت اس عصر کے
خدا کو نا دسے بدن میں لسنر کے　　کہو انکو درگاہی کندے سقر کے

فرماتے ہیں کہ ہم نے مساوات ہلالی کے اصول کو ہیں پشت ڈال دیا ہے اور ہم جاہتے ہیں کہ دوسرے مسلمان بھائی کی خستہ حالی سے فائدہ اٹھائیں

مسلمان غلام جو لاچار آوے　　اسے دیکھ دور تیں نظراں چکاوے
ہنیں اس کو ارشاد برحق بتاوے　　مگر اپنے نخاہن لانے بلاوے

آخر میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں

عقلمند کے درگاہی بولا جو بانان　　کبیرہ گنہ چھوڑ لیجو صواباں
قیامت کو آخر کو دینا حساباں　　گناہاں سے دوزخ کے جب ہو عذاباں

دیوان پر مذہبی رنگ چڑھا ہوا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کے فرائض کی تو تبلیغ اور شرک و بدعت کی مذمت کی گئی ہے۔ ادب کے لحاظ سے اس کتاب کو زیادہ اہمیت نہیں تاہم لسانی اعتبار سے اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ البتہ میسور کی مروجہ بولی پر اس سے

روشنی پڑتی ہے ۔ اس لئے کہ عموماً مذہبی مسائل عام بول چال کی زبان میں ہی لکھے جاتے ہیں ۔ الغرض درگاہی کا کلام صاف اور سادہ ۔ ہر طرح کے الجھاؤ اور پیچیدگیوں سے میرا اس عہد کی لسانی تاریخ کو زبانِ حال سے بیان کر رہا ہے ۔ زبان قدیم ہے ۔ دکنی الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں

اس کے علاوہ درگاہی کو تنبیہ النسا نامی ایک اور کتاب کا مصنف بتایا جاتا ہے ۔ جس میں شرک و بدعت کے خلاف جہاد کیا گیا ہے ۔ میرے پاس تنبیہ النسا نامی کتاب کا ایک پرانا مطبوعہ نسخہ ہے لیکن اس میں مصنف کے نام کا پتہ نہیں چلتا میں نے اس کتاب کے بہت سے مخطوطات انجمن ترقی اردو علی گڈھ اور حیدرآباد کے کتب خانوں میں بھی دیکھے ہیں لیکن مصنف کے بارے میں یقینی طور سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا ممکن ہے آئندہ تلاش اور تحقیق سے اس پر مزید روشنی پڑ سکے ۔

میر حیات حیات

میر حیات بن میر یوسف حسین کولاری مصباح الحیات کے مصنف ہیں ۔ مدرسہ لطیفیہ ویلور میں تعلیم پائی ۔ سید حسین اور سید علی جیسے بڑے بڑے عالموں کی صحبت سے فیض پایا تھا ۔ منشی غلام حسین متخلص عاصی مترجم سرکار خداداد ی و ممڈی کرشن راج وڈیر کے داماد تھے ۔ پہلی بیوی کے انتقال پر سید حسین بن علی شاہ قادری کی دختر ان کے نکاح میں آئیں ۔ صوفی احمد علی اپنے رسالہ مسمیٰ سرمہ بصیرت میں لکھتے ہیں :" علوم عقلی و نقلی از تصوف میں دخل تمام رکھتے تھے ۔ سید

---

۱ اس کا مخطوطہ سلیم تمنائی کے کتب خانہ میں ہے

ریاضت سے درجۂ کشف و شہود پایا تھا۔ اور لوگوں کو تدریس و تالیف سے فیض پہنچایا تھا۔ ان کا مجموعۂ تالیفات بمبئی میں کئی بار چھپ کر شائع ہوا ہے اس ملک کا کوئی قریہ نہیں جس میں یہ کتاب موجود نہیں۔ اس میں ایک رسالہ موسوم بہ آب حیات تصوف میں محققانہ لکھا ہے۔ بعد حضرت منشی صاحب کے منشی حضور مہاراجہ بہادر بھی رہے تھے۔ علم طب میں مہارت کاملہ تھی۔ بڑے ذہین و فہیم تشخیص مرض میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ۱۲۸۱ھ میں وفات پائی[1]" آپ کا مزار بڑے مکان میں ہے

ان کی تصانیف میں سراج الحیات، تحفۂ حیات، شمع محفل اور تعلیم نسواں بھی مشہور ہیں۔ قصیدۂ بردہ کا اردو ترجمہ بھی بڑی خوبی سے کیا ہے۔ مصباح الحیات پہلی مرتبہ (۱۲۸۱ھ) دو سو پچاس کی تعداد میں مطبع فردوسی سے شائع ہوی۔ اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ جو اس وقت میرے پاس ہے وہ ۱۳۱۴ھ میں مطبع کریمی واقع بمبئی سے قاضی عبدالکریم ابن جناب قاضی نور محمد تاجر کتب و مالک مطبع کے زیر اہتمام طبع ہوا۔ مصباح الحیات کے اس نسخہ میں جملہ بائیس (۲۲) رسالے نظم و نثر میں لکھے گئے ہیں اور یہ کتاب ۶۰۷ صفحوں پر مشتمل ہے۔ ان رسالوں کے ناموں سے ہی نفس مضمون کا پتہ چل سکتا ہے۔

پہلا رسالہ بنام "سراج العقائد" موسوم ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ جس کے محرر شاہد خود میر حیات ہیں۔ اس نسخہ کی عبارت اور طبع شدہ رسالہ کی عبارت میں کافی فرق ہے۔ قلمی نسخہ کی زبان نسبتاً قدیم ہے۔ ملاحظہ ہو۔

---

1. Annual report of the Administration of Mysore for the year 1870-71 (Education)

قلمی نسخہ

(۱)

کروں ابتدا میں بحمد خدا
عدم تھے ہمی ہمکو پیدا کیا

(۲)

یقیں ہے محمد خدا کا رسول
کریں حکم اوسکا دل وجاں قبول

(۳)

کہا ہمکو دے کر خدا زندگی
پہچانو مجھے ہور کرو بندگی

(۴)

خدا جب مجھی تم پہچانو کہا
کہ سکنا عقاید کا واجب ہوا

(۵)

دو عالم کا پیدا کرنہار ہے
نہ اسکو شریک و مددگار ہے

(۶)

حیات یہ عقاید لکھا مختصر
کہو دل سے اپنی دعا خیر کر

قلمی نسخہ کے آخر میں لکھا ہے

برد دل از دو جو رغم بار ہا

مطبوعہ نسخہ

(۱)

کروں ابتدا میں بحمد خدا
عدم سے ہمیں اوسنے پیدا کیا

(۲)

ہیں برحق محمد خدا کے رسول
کرے حکم ان کا دل وجاں قبول

(۳)

کہا ہمکو دے کر خدا زندگی
پہچانو مجھے اور کرو بندگی

(۴)

خدا جب مجھے تم پہچانو کہا
سو سیکھنا عقاید کا واجب ہوا

(۵)

دو عالم کا پیدا کرنہار ہے
نہ اسکو شریک و مددگار ہے

(۶)

حیات یہ عقاید لکھا مختصر
کہو دل سے اپنے دعا خیر کر

کہ نا آزمودہ کند کار ہا

بتاریخ بست و پنجم ماہ ذی حجہ بروز جمعہ بوقت چاشت از قام بافت کاتب الحروف سید میر محمد علی موسوی المظہر و عرف میر جیا تخلی استاد در زالہ جھور در راج کشن بہادر در مدرسہ سید میر مہدی وی ۱۲۶۰ سنہ مقدسہ تمام شد۔

قلمی نسخہ اور مطبوعہ نسخہ کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخہ اصل کتاب کی مسخ شدہ صورت ہے۔ جس میں ناشر کتاب نے اپنے زمانے کی معیاری زبان کے مطابق ترمیم کرلی ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس آپ کے دو رسالوں سراج الفقہ اور مفتاح الایمان کے بھی قلمی نسخے ہیں۔ نمونہ کے لئے میں نے اشعار اپنے مملوکہ قلمی نسخوں سے دئے ہیں

(۲) "مصباح الحیات" کے دوسرے رسالہ کا نام "سراج الفقہ" ہے اس کے چند عنوان مندرجہ ذیل ہیں

دربیانِ عقیدہ - دربیان پنج فرض بنائے اسلام / دربیان چار مذہب سنت اسلام / دربیانِ اقسام وضو گوید / دربیان فرائض وضو گوید۔ دربیانِ مستحب ہائے وضو / دربیان شکنندۂ وضو۔ دربیان سبب غسل دربیانِ سنت ہائے غسل / شرائط تیمم / دربیانِ فرائض نماز / دربیان فطرہ و قربانی / دربیان روزہ و حج۔ دربیان زکات وغیرہ۔ نمونہ عبارت یہ ہے

سنو بھائی جان مرد کو یہ کفن ازار و لفافہ بھی یک پیرہن
ازار و لفافہ بھی سرتا قدم ہو اُردن سی کھینے قدم تک بہم
ہو دو تسپہ عورتکوں ہوے شمار کہ بکدا ستے دوسرا سینہ بند
او دو ہاتھ ہو بھائی یہ تن ہات زیادہ نہ ہو اس سے لے نیک ذات

---

(۳) مصباح الحیات کے تیسرے رسالہ کا نام مراۃ الاحکام ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں۔

ص

اس تحفہ کو لکھا ہے سب حیات + تو دعا کر حق میں اس کے دل کے سات

(۴) تاج الفرائض۔ (۵) تاج المصائح۔ (۶) آداب سعادت۔ (۷) احوال النبی

(۸) نورالہدایہ (۹) شفاعت نامہ (۱۰) دیدار نامہ۔ (۱۱) تاج العقیدہ۔

(۱۲) شرف الایمان (شرف الایمان نثری رسالہ ہے)

مندرجۂ ذیل عبارت بطور نمونہ مطبوعہ نسخہ سے لی گئی ہے۔

"تصدیق دل سے بولتا ہوں میں نہیں ہے کوئی معبود اور موجود۔ مگر اللہ ہے جو ایک ہے اور بے شریک ہے اور تصدیق سے بولتا ہوں میں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے خدا کے او پیغمبر خدا کے ہیں۔ الغرض محمد کے ثنا اور فضیلت میں تمام قرآن شریف ہے۔ اوسمیں دو تین آیتیں یہ ہیں" (۱۳) نجات نامہ بھی نثری رسالہ ہے آخر میں لکھتے ہیں

کرتو مقبول اوسکے تئیں یارب	ہوگیا ہے نجات نامہ اب
بھو نبی پر درود اور صلوات	بضرورت لکھا ہے اسکو حیات

---

(۱۴) نورالاسلام اور (۱۵) ہدایت نامہ نثر اور (۱۶) مفتاح الایمان نظم میں لکھا ہوا ہے اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ اس سے ذیل کی ابیات بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں۔ اس کے ۸۰ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں تیرہ ابیات لکھی ہوئی ہیں۔ عنوان ہے

"نسخہ حسب حال گو یار"

بنی آدم مرکب ہے خطا سے	سنو اے بھائی جا کرم دعا سے
لیا میں گناہ کے سر اوپر بار	کہ میں نادان تر ہوں ہو گناہ گار
ردیف و قافیہ پر نا نظر ہے	نہ مجھ کو لفظ و معنیٰ کی خبر ہے

کبھو یک بیت دکھیے میں لکھا ہیں	ضرورت اسکیتیں دکھنے کیا نیں
عوام الناس کے گفت و گو پر	لکھا ہوں صاف اسکو اے برادر
تکلف نیں کیا ہوں دیکھ منظوم	کہ تا ہر یک کو ہووے صاف معلوم
الٰہی کر مری خاطر کیتیں شاد	دو عالم سے مرا دل کر تو آزاد

تاریخ تصنیف لکھتے ہیں

بحمد اللہ کہ یہ مفتاح الایمان	ہوی آخر بحق شاہِ عرفان
سن ہجری اتھا اسو فالے یار	ہزار و دو صد و چالیس پر چار

۱۲۶۰ھ محمد میر حیات

در بلدۂ مہسور تحریر افتاد

یہ رسالہ میر حیات نے سلطان شہید کے ٹھیک تیس سال بعد لکھا تھا۔ اس کی زبان عوام الناس کی روزمرہ تھی۔ ممکن ہے اسی زمانہ کے قریب آپ نے دوسرے رسائل بھی لکھے ہوں۔ (۱۷) مصباح الحیات کے ستارہویں رسالہ کا نام آب حیات ہے۔ اس کے پانچ باب ہیں۔ اس منظوم رسالے میں متعدد حکایات بیان کی گئی ہیں۔ (۱۸) کلید معرفت نثر میں ہے۔ (۱۹) باب المعرفت نثر میں لکھی گئی ہے۔ (۲۰) دستور الایمان (۲۱) زاد الایمان (۲۲) نور الایمان وغیرہ نثر میں ہیں۔ مصباح الحیات کے خاتمہ پر ایک نظم فارسی میں ہے۔ جس میں تاریخ وفات مولوی میر حیات صاحب از غلام محمد علی عبد الرؤف المعروف بہ امیران مہسوری مندرج ہے۔

ان کا ایک اور رسالہ تعلیم النساء کے نام سے موسوم ہے اور یہ میں نے ان کے رسائل کے ایک مجموعہ میں لکھا ہوا سر قاضی محمد قاسم صاحب انصاری مرحوم و مغفور میسور کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ اس میں ۵۵

حسب ذیل مضامین شامل ہیں

فضیلت مرد بر زن۔ حکایت د نصیحت کردن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔ حکایت نصیحت کردن صدیق رضہ بہ عائشہ رضہ۔ حکایت۔ نصیحت فرمودن عمرؓ بہ دختر خود۔ حکایت نصیحت فرمودن عثمانؓ بہ دختر خود۔ حکایت نصیحت فرمودن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہ دختر کلثوم۔ حکایت نتیجۂ حق گذاریٔ شوہر۔ حکایت دوم در بیان نتیجۂ آزادیٔ شوہر۔ حکایت امتحان کردن خود زادائے حق شوہر۔ حکایت حقوق شوہر کہ بذمہ زن است حکایت حق زن کہ بذمۂ مرد است۔ حکایت زن صالحہ خوبیٔ شوہر است۔ حکایت پر یہ رسالہ ختم ہوتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو

امتحان کردنِ خود زادائے حق شوہر

تم سنو اب ہوش سے اے بی بیاں ۔۔۔ پہلے کرنا اپنے دل کا امتحاں
مرد ہے سو جان ہے ایمان ہے ۔۔۔ اس پہ کرنا جان و دل قربان ہے

حکایت

رابعہ بصری اپنے حجرے سے ۔۔۔ زاہد آکے پوچھے یک ان کے کنے
کیا سبب ہے تم اپے شادی کئے ۔۔۔ آہ کہا تم خانہ بربادی کئے
رابعہ اس کو کہے یہ بات دو ۔۔۔ کیوں کرے شادی نظر میں جسکے ہو
حق شوہر جس سے نا ہووے ادا ۔۔۔ وہ رہے دوزخ میں جلتی ہے سدا
جب سنے اس بات کو عالم کہیں ۔۔۔ اسکے اوپر سب کئے ہیں آفریں

خاتمہ

مرحبا فرمائے او سپر اقربا ۔۔۔ اسکے بھی ماں باپ پر سو مرحبا
کم جہاں میں ایسی بی بی ہیں حیات ۔۔۔ جس سے شوہر کو ہے راحت اور نجات

جان تعلیم النساء ہے اس کا نام   مصطفےٰ پر ہوں درود ان اور سلام

آپ کی ایک اور تصنیف خمسۂ حیات جو ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء میں زیر اہتمام رحمت اللہ محمد سعادت اللہ دہلوری مطبع محمد عبداللہ مشاق میں طبع ہوی۔ میں نے سر قاضی محمد قاسم صاحب قسیمؔ کے کتب خانہ میں دیکھی تھی اور اس سے مندرجۂ ذیل نوٹ لئے تھے۔ نمونۂ عبارت یہ ہے

اسم اللہ ہے مسمی سو وجود   اس سے پیدا علم اور نور شہود

ہو گئی جب موجزن دریائے نور   ہو گیا ممکن سے واجب کا ظہور

پھر بیان میں مسئلہ توحید کے اور بیان میں مسئلہ جبر و قدر کے لکھا ہے

سوال ۔ وصل کسکو کہتے ہیں

جواب ۔ وصل او سے جو فنا عبد کا ہے اوصاف سے بستر بکے بیچ اوصاف حق کے

سوال ۔ وصال کسکو کہتے ہیں

جواب ۔ وصال وہی جو دوئی کے خیال کو دور کرتا ہے

سوال ۔ وصل الفعل کسکو کہتے ہیں

جواب وصل الفعل او ہے جو ظہور وحدت کا کثرت میں دیکھنا اور کثرت کو وحدت میں دیکھنا۔ آخر میں ابیات مندرج ہیں

اب ضرورت سے ہیں یہ کام کب   پانچ مسئلے یہاں تمام کیا

راز مخفی کو جن پہچانا ہیں   جان اور دل سے اسکو مانا ہیں

عبد و رب کے جن نے تمیز کیا   جان سے اسکے تئیں عزیز کیا

کر یہ مسئلہ یہاں تمام حیات   ہو نبی پر درود و صلوات

سر حیات کی تصانیف میں سے مصباح الحیات بہت مقبول ہوی کیونکہ ایک صدی سے زیادہ تک ہندوستان کے مختلف حصوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوتی رہی مبورہیں اردو زبان کے ارتقا میں اس کی اہمیت

اس لئے زیادہ ہے کہ یہ عوام کی تعلیم وتلقین کے لئے انہیں کی زبان میں لکھی گئی ہے۔ زبان آسان اور سہل. تشبیہات واستعارات سے مبّرا اور تصنع سے پاک ہے۔ الغرض میرحیات کی تصانیف ان کے اعلےٰ اور پاکیزہ خیالات اوران کی قادرالکلامی کی شاہد ہیں۔

عبدالحق

محمد اسحٰق مصنف مثنوی ریاض العارفین کے چھوٹے بھائی ہیں۔ "چھوٹی چارکرسی" انہوں نے ہی لکھی ہے. نصف صدی پہلے ہر مسلمان یہ کتاب اپنے بچوں کو پڑھاتا تھا۔ مذہب کا بیان، وضو، غسل ونماز کے فرائض ایمان کی صفات وغیرہ اس کے عنوانات ہیں. نمونہ ملاحظہ ہو

یہ چار کرسی فرض ہے — کہتا ہوں تجھکو یاد کر
سیکھنا مسلماں فرض ہے — جاکر اپنے استاد گھر
سُن تو نبیؐ کے باپ کا — ہے نام عبداللہ لکر

ہیں تین فرضاں غسل میں — پہلا فرض کر غرغرہ
دسرا لے پانی ناک میں — تیسرا فرض کرآنگ تر
چوتھا سوال پر ایماں — لاتا محمدؐ سے پکڑ
آگے ہوے آدم تلک — رکھ یاد تو دل کے بھیتر

آ بیگ تو شاگرد ہو — استاد سے منکر نہ ہو
فرضاں ہیں ایکسیتیس یو — دل کی پٹی پر نقش کر

جویاں سیکھے بر حق اسے دیدارِ حق مطلق اسے
دکھلادے عبدالحق اسے جس میں ہے مسئلوں کا اثر

یہ نظم مختصر اور آسان بحر میں بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کی زبان صاف ہے اور عوام کی بولی کی ترجمانی کرتی ہے۔ دکنی الفاظ اور خصوصیات کی حامل ہے۔ بچوں کی مذہبی تعلیم اس چھوٹی سی تصنیف کی غرض و غایت تھی۔ حسن بیان کی متلاشی نظروں کے لئے اس میں کوئی جاذبیت نہیں پائی جاتی

مسرور

غلام[1] حیدر متخلص مسرور میسور کے رہنے والے تھے۔ آپ کا ایک منظوم رسالہ بنام "سنتش لطائف" میں نے انجمن ترقی اردو علیگڑھ کے کتب خانے میں دیکھا تھا لیکن سلیم تمنائی صاحب کے کتب خانے میں جو رسالہ میں نے دیکھا۔ اس کے اختتام پر لکھا ہے کہ "ختم شد ترجمۂ فارسی رسالہ نقشبندیہ حسب حکم حضرت پیر و مرشد حقیقی و کعبہ تحقیقی و تصدیقی بزبانِ اہل دکھن باذرار گنہگار تراب الاقدام تبع صغار و کبار امیدوار شفاعت آنسرور یعنی غلام حیدر نشی المتخلص بہ مسرور بتاریخ بست و ششم شہر جمادی الاول یوم جمعہ ۱۲۳۶ھ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم آمین یا رب العالمین۔"

---

[1] "ایک کتب خانہ" محمد مہ رفعت رہ ہ "میسور میں اردو" سلیم تمنائی

مندرجۂ بالا عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فارسی رسالۂ[1] نقشبندیہ کا یہ ترجمہ اپنے پیر و مرشد کے حکم پر ۱۲۲۳ھ میں کیا گیا

انتھا فارسی یو رسالہ اول　　کیا سہل دیکھنے سوں جو تھا کبل
یو تصنیف ارشاد مرشد کا تھا　　کئے حکم دکھنی کا او رہنما

اپنے پیر و مرشد کے نام اور زاد بوم کے متعلق لکھتے ہیں

میرا پیر سید[2] محمد سعید　　ہدایت کے بابوں کا محکم کلید
کہتے ہیں کہ دہلی کیں ملک دور　　وہاں یک بڑا شہر ہی رامپور

رامپور آپ کا وطن تھا۔ آپ وہاں سے حج کی خاطر مکہ تشریف لے گئے اس وقت ابو الحسن بن بدر الزماں خاں نے آپ سے عرض کیا کہ ہند تشریف لے چلیں۔

کیا عرض خدمت میں کر التجا　　چلو ہند کے طرف اے رہنما
آپ نے ابو الحسن کی بات نہ مانی

وو محمد رشید دیں بات نا کر قبول　　شکر خواب میں جب کئے خو د نزول
ہوا حکم اسطرح تو ہند جا　　وہاں سب کو راہ ہدایت دیکھا

دوسری روایت یہ ہے کہ

بھی دوسری روایت یو ہی مختصر　　کئی کے اکابر سے کوئی معتبر
کہتے تھے مریا کوئی ابدال ہند　　آتا شیخ جانا وہاں ہی پسند

اس طرح آپ میسور تشریف لائے جب کہ میسور کی حالت بہت بری تھی

جو بارہ سو اں اور تئیس سال　　گذر گئے تھی ہجرت سیتے باکمال

۱۔ حضرت سید محمد سعید نقشبندی کے ایک مرید قاضی سید علی نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ جس کا ذکر سلیم تمنائی نے "میسور میں اردو" اور "مشائخین صوفی کے ملفوظے" (مقدمہ) میں کیا ہے۔

۲۔ محاسن الاعراس (مملوکہ سلیم تمنائی) م، لکھا ہے کہ آپ کا مزار سرنگا پٹنم میں ہے

عجب ایک قصبہ ہے میسور نام | ملی تھی جو عالم وہاں خاص و عام
بکس یک سوں سوزی کے ماری ہوے | طمع کرکے دیدی پسارے ہوے
پٹ کھول کر اس کے جم انکھیاں | ذری قند پر جوں ہزاراں مکھیاں
ہوی تھی جمع کرکے بپرا سگل | ہوا شہر میسور رہنے سوں ذل
قیامت نزک دن جو ہوتی چلی | مسلمان ایس دیں کھوتے چلی
گناہاں کی شیوی کئے اختیار | بیسے بھول گئے امر پروردگار

غرض سود، زنا، و نفاق، اور ناانصافی کا دور دورہ تھا۔ بس ایک قیامت تھی۔

یو قصہ ملامت کا کر مختصر | علامت قیامت کے ہیں سربسر

محمد غلام حسین سرور نے اس رسالہ کی ابتدا حمد و نعت اور صحابۂ کرام کی تعریف سے کی ہے۔ ۱۲۳۳ھ میں میسور کی بگڑی ہوی حالت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیر و مرشد کی تعریف کرتے ہیں۔ و شجرۂ نقشبندیہ تحریر کرنے کے بعد "نقش لطائف" بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ چھ اور لطیفے رقم کئے ہیں۔ جن کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ۔

لطائف جہی ہوی تمام اب مرت رنرتی کو
کئے ہیں خود فکر ایسے لطایف جہی اور دیگر
دگر جہی لطیفے جو ایجاد ہیں | ہمن پیر سوں خاص ارشاد ہیں

پھر شغل وغیرہ کے بیان کے بعد رسالہ ختم ہوتا ہے

اتا مختصر کر تو سرور یہاں | نبی کا وسیلہ ہے در دو جہاں

الغرض سلطان کی شہادت کے بعد سے ہی جنوبی ہندوستان نے اپنی انفرادیت کھو دی تھی اور کل ہندوستان ایک علم کے نیچے جمع ہو گیا تھا۔ اور فورٹ ولیم کالج میں ہندوستان بھر کی ایک متحدہ زبان کا پیکر تیار ہو رہا تھا۔ جنوبی ہندوستان کے ارباب ذوق نے بھی اپنی دکھنی یا

ہندوستانی زبان کی بجائے شمالی ہندوستان کی یعنی دہلوی زبان کی جو اس وقت "اردوئے معلیٰ" کے نام سے موسوم ہوچکی تھی پیروی کرنی شروع کردی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اردو زبان شمال میں دن دونی رات چوگنی ترقی کررہی تھی۔ اور اس کی ہمہ گیر مقبولیت نے۔ دکنی، بہاری، پنجابی، دہلوی اور لکھنوی کی ہندوستانی بولیوں کے صوبجاتی امتیازات کو مٹاکر ایک کردیا تھا۔ اور زبانِ اردو ملک کی واحد متحدہ زبان تسلیم کرلی گئی تھی۔ چنانچہ ریاست میسور کے شعراء و مصنفین نے بھی اس موقع پر اتحاد ملی و قومی جذبہ کی پرورش اور تعلیمی و ادبی انقلاب میں نمایاں حصہ لیا اور تصنیف و تالیف میں دہلوی زبان کی پیروی کرنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ جنوبی اور خصوصاً میسور کے شعراء و ادبا نے اردو کی ہمہ گیر ترقی میں پر زور حصہ لے کر ریاست میسور کو چار چاند لگادیے۔

باب سوم

عہدِ کمیشن ۱۸۳۱ء / ۱۲۴۷ھ تا ۱۸۸۱ء / ۱۲۹۹ھ

اس دور کی علمی سرگرمیاں ۱۸۳۶ء سے شمال میں فارسی زبان کی بجائے اردو سرکاری زبان قرار پائی۔ ذوق نے عربی اور فارسی الفاظ کے خزانوں سے اردو کو مالا مال کیا تو غالب کی بلندیٔ تخیل اور قادر الکلامی نے اردو کی وسعت، ہمہ گیری اور عمقیت کا لوہا اپنے تو اپنے بیگانوں سے بھی منوالیا۔ بادشاہِ وقت کی اردو نوازی نے اس کا ذوق عام کر رکھا تھا۔ گھر گھر میں مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ نظم کے علاوہ خطوط غالب نے بھی نثر کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اسلوبِ بیان کی سادگی اور بے ساختگی نے دعوت نظر دی اور یہ زبان پورے پورے جاہ و جلال کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی۔ جنوبی ہندوستان کی آنکھیں بھی اس کے حسن و جمال سے چکا چوند ہو گئیں۔ ریاستِ میسور میں بھی اردو علم و ادب کے چرچے ہونے لگے۔ اردو کا پہلا مطبع ۱۸۴۸ء میں قائم ہوا۔ اس کے بعد اور مطبعے یکے بعد دیگرے معرضِ وجود میں آئے۔ اس کا ذکر میسور کی تعلیمی رپورٹ کے زیر عنوان آئندہ باب تفصیل تمام کیا جائے گا۔ ۱۸۶۵ء میں میسور کا پہلا اخبار "قاسم الاخبار" جاری ہوا۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی "طلسم کرنال"، "منشور محمدی"، "میسور اخبار"، "سلطان الاخبار"، "محافظ"، "نیر اعظم"، "بنگلور اخبار"، "تعلیم" اور "اخبار مصلح" یکے بعد دیگرے شائع ہونے لگے۔

چنانچہ اس دور میں بنگلور نے اپنی اردو سرگرمیوں کی وجہ سے اپنی عظمت کا

لوہا شمالی ہندوستان سے بھی منوالیا تھا
اس زمانے میں شعرائے میسور کا کلام تشبیہ و استعارہ سے پاک، عام فہم اور تکلف سے مبرا ہوتا تھا۔ معمولی باتیں سیدھے سادے طریقے سے سمجھائی جاتی تھیں۔ نہ خیالات میں پیچیدگی ہوتی اور نہ صنائع لفظی کی بھرمار تاہم پرانے الفاظ جو اب متروک ہیں۔ اُن کے کلام میں پائے جاتے تھے۔ مثلاً نت، نسدن، کبھو یا کبو۔ دستے۔ وغیرہ۔ شعرائے میسور اپنی زبان کو اردو کے نام سے پکارتے تھے۔ "نے" (علامت فاعل) کا استعمال نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی ہوتا بھی تو بے جا ہوتا تھا۔ فارسی و عربی الفاظ خاص مناسبت سے استعمال ہوتے تھے۔ اور مصنفین شعراء و ادباء اپنی اچھی اچھی تصانیف بول چال کی زبان میں لکھتے اور ان کے مدنظر اپنی علمیت جتانے سے زیادہ اپنے خیالات کو عوام تک پہنچانا مقصود ہوتا تھا۔ یائے معروف اور یائے مجہول میں اطلے کی حد تک بہت کم امتیاز برتتے تھے۔ اس زمانے کے بعض شعرائے گرامی اور ادیبوں کے کارنامے ملاحظہ ہوں

سید اسحٰق سالم

سالم میسوری باشندے تھے۔ ان کے اشعار ریاست بھر میں بہت مقبول تھے۔ میسور کے ایک کتب خانے میں میں نے ان کا مطبوعہ دیوان بھی دیکھا تھا اور بعض اشعار نقل بھی کر لئے تھے۔ اس میں مطبع اور سنہ اشاعت کے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی متعدد غزلیات میسور کی قدیم بیاضوں میں نقل کی ہوئی ملتی ہیں۔ ان کے کلام کی پختگی، تشبیہات اور محاورات کے استعمال اور روانی اور برجستگی میں قوس قزح کی نیرنگیاں جلوہ گر ہیں۔

شاہد کثرت جو پایا لطف قرب اللہ کا	رونما پہلے ہوا جلوہ رسول اللہ کا
ہم اللہ سے بہم جبتک نہ ہو نام رسول	رہتا کلمہ نہیں ہوتا وہ حق کی راہ کا

یا نبیؐ تیری ثنا عرشِ معظم سے عظیم　　کیوں گذر ہو ویگا ذہن ناقص دکوتاہ کا
یثربی کہلاؤں میں ہو یہ نتیجہ یا نبیؐ　　نالہائے صبح گاہی اور شب کی آہ کا

وصف شاہوں سے مجھے عار ہوا خوب ہوا　　نعتِ حضرت کا طلبگار ہوا خوب ہوا
جسکے خدامی کے خواہاں ہیں سلاطین زمن　　اسکا میں حاشیہ بردار ہوا خوب ہوا

یادِ لبِ حضرت میں ہوں یوں دیدۂ تر سرخ　　یاقوت کے مانند ہیں اشکوں کے گہر سرخ
سرخی کے سوا کچھ نہ نظر آوے شب و روز　　عشقِ گلِ درخسار سے ہے نورِ بصر سرخ

جو علیلِ علتِ ہجر ہو علل کا اس کے پتا ملے
نہ مفید اسکو غذا ہو کچھ نہ شفا کو کوئی دوا ملے
نہ حصول صورت زیست ہو جیلوں جبتلک نہ مدینے کو
جو مدد سے خضر کے بھی اگر مجھے جامِ آبِ بقا ملے

بخشش نبی کے عرض پہ داں بار بار تھی　　ہر بات پر رسول کے رحمت نثار تھی

ان کا کلام جذبات نگاری کا جاندار مرقع ہے۔ جوشِ مذہبی اور حب نبوی کے پاکیزہ خیالات نے اشعار کو کیف آور بنا دیا ہے

مسز قاضی محمد قاسم تبسم کے خانگی کتب خانے سے ۱۹ رسالہ بشیر میں سے اس دیوان سے انتخابات لیے گئے

غلامِ عابد

عابد [۱] ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء میں شہر میسور میں پیدا ہوئے۔ پہلے آہ تخلص کرتے تھے۔ پھر عابد تخلص اختیار کیا۔ ان کے بزرگ بیجاپور سے سرنگپٹن آئے۔ پھر میسور میں مستقل بود و باش اختیار کرلی۔ عابد کچھ عرصہ تک میر مدرس کے عہدے پر مامور رہے۔ سید دستگیر صاحب تحصیلدار حیدرآباد نے انہیں حیدرآباد بلاکر اپنے عزیزوں کو ان سے تعلیم دلوائی پھر وہاں سے واپس آکر بڈھن نگر ریاست میسور، چلے آئے اور سجادہ صاحب نے انہیں بکمال احترام ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی۔ پھر بنگلور جاکر خضر خاں کی مسجد میں انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ ان کے انتقال بعد ان کے بھائی غلام احمد صاحب نے اس مدرسہ کو قائم رکھا۔ عابد نے ۱۲۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کے چھوٹے بھائی غلام احمد نے اپنے دیوان۔ انوارِ سرمد [۲] کے آخر میں غلامِ عابد کے قصائد بطور نمونہ شایع کئے ہیں۔

متجلی جو کفِ پائے پیمبر ہوگا — یدِ بیضا کو کہاں تاب کہ ہمسر ہوگا
دریکتائے دو عالم پہ یہ ششدر ہوگا — آئینہ آئینہ در پیش سکندر ہوگا
سرنہو جسکو وہ کسو جہ سے ہمسر ہوگا — کیا طوبیٰ قد سرور کے برابر ہوگا
زلف و عارض کی جدائی میں جنت دوزخ — بے شبہہ سنبل و گل افعی و اخگر ہوگا
منہ مرا اور رسولِ دو جہاں کی توصیف — بحر کو ناپنے کافی کہیں ساغر ہوگا

۱۔ ان کے حالات مولانا ادیب صاحب کے ذریعہ دستیاب ہوئے
۲۔ مملوکہ سلیم تمنائی

گر لعابِ دہنِ پاک کی توصیف سنے پانی پانی عرقِ شرم سے کوثر ہوگا

دیکھی بیت پسندِ نبوی ہو عابد
دین کی طرح مدینے میں ترا گھر ہو گا

پانچ بیتیں ہی لکھی ہیں عابدؔ بیمار نے شہرہ اس خمسہ کا تا چین و ختن ہو جائیگا
ان میں ہے حضرت کے دندانِ مبارک کا بیاں لفظ لفظ اس کا نہ کیوں درِ عدن ہو جائیگا

شاعری میں انہیں سید اسحٰق سالمؔ سے تلمذ حاصل تھا۔ ان کے شاگردوں میں ان کے چھوٹے بھائی مولوی غلام احمد۔ احمد علی صاحب اور مولوی میر حیات روحیؔ بھی ہیں۔ ان سب نے اردو زبان کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا

ابو الحسن ناظرؔ

سنہ ۱۸۱۱ء میں موضع ساولی میں پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کے والد وہاں کے پیش کار تھے۔ ان کے والد کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اور انہوں نے کچھ نقد معاوضہ لے کر بریت لکھا دی تھی اور پیش کار کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ چونکہ علم و فضل اس گھر کے لئے موروثی تھا۔ لہٰذا انہوں نے گھر ہی میں تعلیم پائی۔ فارسی و عربی میں کمال حاصل کیا۔ اور والد سے فن طب سیکھا۔ یہ بڑے صاحب کمال نیک خلق اور سخن شناس آدمی تھے۔ آج بھی ان کا نام ادب سے لیا جاتا ہے۔ اور ان کے علم و فضل اور طبی مہارت کی تعریف کی جاتی ہے۔ عوام میں یہ میاں صاحب کے نام سے موسوم تھے۔ ان کے فرزند میاں محمد حنیف ناظمؔ کی بیاض سے ان کے چند شعر اخذ کر کے یہاں لکھے جاتے ہیں

غم و شادی بہم مل مل کے آئے کہ جب ہم سامنے منزل کے آئے
ہے انکو دیکھنے کا شوق جسکو وہ دیکھیں سامنے محمل کے آئے

بہار آخر ہوئی کیا بات ہے یہ دو غنچے جب چمن سے کھل کے آئے
میں انکی ڈیوڑھی پر کیوں نہ جاؤں میرے گھر کو قدم میں دل کے آئے
تماشا ہو گیا اس سال دگنا محرم اور ہولی مل کے آئے
نہیں یہ خون کے آنسو اے ناظر مری آنکھڑیوں میں ٹکڑے دل کے آئے

تیرے حسن سبز کا جب دھیان مری جاں ہو گیا
میرے دیوان کا جو صفحہ ہے گلستاں ہو گیا
تیرے دیوانہ کی جب حالت دگرگوں ہو گئی
اس کے گھر کا کونہ کونہ خود بیاباں ہو گیا
جب صنم کے حسنِ رنگیں پر پڑی میری نظر
کفر کی صورت نمایاں میرا ایماں ہو گیا
دل کا غنچہ کھل گیا آنکھیں منور ہو گئیں
سامنے میرے جوان کا روئے خنداں ہو گیا
اس مرے محبوب کی روشن جبیں کو دیکھ کر
شرم سے بادل میں پنہاں ماہِ تاباں ہو گیا
دیکھ کر میری طرف وہ اسطرح کہنے لگے
جا اے ناظر آج پورا تیرا ارماں ہو گیا

ان کی نظمیں سادگی اور دلکشی کی زندہ مثال ہیں۔ ان کی چچی تلی تشبیہیں سلاست بیان اور انداز فکر نے ان کے کلام کو چمکا دیا ہے

بابو حسن شریف آثم | ان کے والد کا نام عماد الدین تھا۔ ۱۸۳۱ء میں شہر کولار میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء ۱۷ مئی بروز پنجشنبہ سلگنڈہ میں انتقال فرمایا۔ انہوں نے سات آٹھ سال کی عمر

میں قرآن شریف حفظ کیا تھا۔ اپنے والد سے ہی اردو اور فارسی پڑھی
پھر درویش محمد نامی ایک عالم و فاضل سے عربی و فارسی کا اکتساب کیا۔
بسر بیواس راؤ نام ایک پنڈت کے پاس اس کے بیٹے آنند راؤ کے ساتھ
گنتری و سنسکرت پڑھتے رہے۔ پھر سنجیا نامی ایک عامل نے انہیں
اپنے بیٹے کو سنسکرت پڑھانے کی خدمت پر مامور کیا۔ اسی تعلق سے شقدار۔
پھر جمعدار اور پولس انسپکٹر بنے۔ چند سال نوکری کے بعد پنشن لے لی۔
آثم صاحب کو مطالعہ کتب کا بڑا شوق تھا۔ پنشن کے بعد یہ شوق پورا ہوا
فوائد الاسلام۔ شہادت نامہ۔ رسول مقبول۔ میزان المنطق اور چند قصیدے
و غزلیات ان کی تصانیف میں ہیں۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے

وہ حقیقت نظر نہیں آتی — کچھ بھی اس کی خبر نہیں آتی
لطف تیرا ہے عام تو پھر کیوں — میری امید بر نہیں آتی
کیوں ہے اس بت پہ دل مرا قرباں — جس کی صورت نظر نہیں آتی
خوب ہے بولنے سے خاموشی — بات کرنی اگر نہیں آتی
وہ سعادت کہ جس کا طالب ہوں — کیا کبھی میرے گھر نہیں آتی
میرے اشکوں کی آب و تاب کبھی — تم میں لعل و گہر نہیں آتی
میرے دل کو قرار ہو جس سے — کوئی ایسی خبر نہیں آتی
سب پہ آتی ہے آپ کو رقت — اک مرے حال پر نہیں آتی
اس کے نالے ہیں بے اثر جس کو — طرز مرغ سحر نہیں آتی

ذوق طبعی اگر نہ ہو آثم
شاعری عمر بھر نہیں آتی

آفت جاں ہے دل مرا کیا ہے — پھر کسی سے مجھے گلہ کیا ہے
آپ کی بے توجہی کے سوا — قہر کیا چیز ہے بلا کیا ہے

ہے حصول بقا کی اک صورت | جس کو کہتے ہیں سب فنا کیا ہے
اعتراف عبودیت کے سوا | ایک ناچیز کی دعا کیا ہے

فکر عقبیٰ اگر نہ ہو آثم
ایسے جینے میں پھر مزا کیا ہے

ذرہ اور آفتاب کی باتیں | ہیں حقیقت میں خواب کی باتیں
طاق نسیاں کی زیب و زینت ہیں | اب حدیث و کتاب کی باتیں
عیش شیریں نہ تلخ ہو جائے | سن کے واعظ عذاب کی باتیں

رحمت حق سے کر نہ دیں مایوس
تجھ کو روز حساب کی باتیں

انہوں نے چھوٹی چھوٹی بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔ خیال و زبان کی لطافت اور شگفتگی نے ان کے نغموں میں بے ساختگی اور اثر کے دریا بہا دیے ہیں۔ ہر بات کو عام فہم اور نرم انداز میں پیش کرنے کا ماہرانہ سلیقہ پایا جاتا ہے۔ حقیقت نگاری کو بڑے استادانہ طریقے سے نباہا ہے۔

محمد جعفر جعفر ان کے باپ دادا بیجاپور سے نواب حیدر علیخاں کے عہد حکومت میں آئے تھے۔ موضع دیفکٹ گری کوٹہ تعلق چنتامنی میں قیام کیا۔ ۱۸۱۰ء کے قریب ان کی ولادت ہوی۔ آپ کے والد کا نام عبدالقادر تھا۔ یہ سگڈہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ تقریباً سو سال زندہ رہے اور ۱۹۰۷ء میں دنکٹ گیری کوٹہ میں وفات پائی۔ ان کی کوئی اولاد نرینہ تو باقی نہیں۔ البتہ ان کے نواسوں کی اولاد ہے۔ یہ اچھے خوش نویس تھے۔ فقہ کی عربی درسی کتابیں بھی پڑھی تھیں طبیعت موزوں تھی۔ مذاق شاعری رکھتے تھے۔ نمونہ شاعری یہ ہے۔

یارب مجھے نبی کی زیارت نصیب کر
بوسہ سے اس قدم کی زیارت نصیب کر
یارب تو جانتا ہے مرا مقصدِ دلی
جعفر کی تو دعا کو اجابت نصیب کر

راز مخفی تمام ہے کلمہ
اسم ذاتی کا نام ہے کلمہ
نفی و اثبات کی خبر دینے
ذات کا انضمام ہے کلمہ
عارفانہ شراب پینے کو
مئے وحدت کا جام ہے کلمہ
تیغ واجب برنگِ جوہر ہے
اس پہ ممکن مقام ہے کلمہ
پیر کامل اگر ملے جعفر
انحصار کلام ہے کلمہ

تم تن کو ایس راہ نبی قربن بنا دو
دے اجر مضاعف تمیں اللہ تعالےٰ
تن چیز ہے کیا جان تصدق ہے نبی پر
ماں باپ کو صدقے میں نبی پر سے اتارا
حق واسطے جعفر کو غلامی کی سند دو
وہ لکھدیا پہلے ہی غلامی کا قبالہ

پرانی وضع کے شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں دکنی الفاظ اور تراکیب اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ زبان میں لطافت اور شادابی بڑی حد تک ملتی ہے۔ ارفع اور شائستہ خیالات بڑی مشاقانہ قدرت سے نظم کئے ہیں۔

شہر بانو شاکرہ

شہر بانو کی تاریخ پیدائش ۱۸۲۷ء ہے۔ انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ شاکرہ ریاست میسور کی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اردو زبان کو اپنایا اور اس میں ترنم ریز ہوئیں۔ ان کے والد کا نام حاجی علی رضا شوشتری تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ اور کانپور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا تھا اور امین الملک سر مرزا اسمعیل بالقابہ

سابق دیوان میسور کے دادا آغا علی عسکر سے بیاہی گئی تھیں۔

پروفیسر آغا عباس شوستری (مصنف ایران نامہ، خاتم النبین اور اسلامک کلچر) کی آپ حقیقی پھوپی ہیں۔ انہیں زبان فارسی کے علاوہ اردو زبان سے بھی خاص شغف تھا۔ متعدد مرثیے، نظمیں اور سلام لکھے ہیں۔ ان کے فرزند گرامی محمد نبی صاحب (جو سر مرزا اسمٰعیل کے چچا ہیں) نے ان کے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ "بیاض شاکرہ" کے نام سے مطبع نور المطابع لکھنؤ سے ماہ اپریل ۱۹۱۸ء میں شائع کروایا تھا۔ یہ مجموعہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۳۰ نوحے اور پانچ سلام ہیں۔ گو کہ ان کی مادری زبان فارسی تھی تاہم انہوں نے اردو شاعری کا پورا حق ادا کیا ہے

نمونہ کلام

سلام :-

مجرئی نہر پہ جب قتل علمدار ہوا
بولے شبیر کہ میں بیکس و بے یار ہوا

میں نے پالا تھا جسے گود میں بیٹے کی طرح
آج وہ بھائی مرا خون میں سرشار ہوا

بولی زینب نہ رہا بھائی کا یاور کوئی
ہائے تنہا خلفِ حیدرِ کرار ہوا

سب سے بہتر ترا ہو جائیگا جنت میں مقام
واہ کیا خوب ترا بخت مددگار ہوا

لاش اصغر پہ یہ سر پیٹ کے بانو نے کہا
خوں میں غلطان مرا کیا دُرِ شہوار ہوا

فاطمہ خلد میں لے جائینگی بیشک اسکو
شاکرہ جو کوئی شبیر کا دلدار ہوا

سلام :-

مجرئی! جسکو محبت ہے شہِؑ دلگیر سے
کام ہے اسکو ہمیشہ ماتم شبیرؑ سے

خاک اڑاتے ہیں فلک پر راندن جن و ملک
کٹ گیا جب سے گلا شبیر کا شمشیر سے

امت بیدیں نے پیاسا اسکو کر ڈالا قتل
جو پلا تھا اے عزیزو فاطمہ کے شیر سے

شور و غل سادات میں رونے کا برپا ہو گیا
پاؤں زخمی جب ہوئے سجاد کے زنجیر سے

نوحہ

دھوم مچی ہے قاسم بنے کی شادی کی ۔۔۔ غم ہے جہاں میں نوشاہ کی ناشادی کی
خیمہ میں شاہ کے غم سے ہوا ہے حشر بپا ۔۔۔ شور وبکا ہے بدلے مبارکبادی کی
تیغ وسناں بھی بہر سلامی لائی قضا ۔۔۔ نوبت ہوی قاسم کی بہ دامادی کی

شاکرہ غم میں آلِ نبی کے رو تو مدام
باعث یہی ہے گھر کی تیری آبادی کی

شعر و شاعری کا ملکہ ان کی فطرت میں خداداد تھا ۔ انہوں نے اعلیٰ درجے کی فنی مہارت سے سلام اور نوحے لکھے ہیں ۔ جن کی خصوصیت ان کی سادگی اور آمد کا زور ہے ۔ حقیقی جذبات کی مصوری ان کے اشعار میں پورے پورے شان کمال کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔

شاکرہ بیور کی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنی مشاقی اور قادرالکلامی کا لوہا ہر خاص و عام سے منوالیا

محمد حیات[1] قائل[2] بکاندار بندگی شاہ صاحب قادری

ان کے دادا عاقل بیجاپور سے بیور آئے تھے ۔ اور ان کے والد ماجد محمد رحیم اللہ شاہ صاحب عالم، صوفی، خداپرست اور متوکل بزرگ تھے ۔ محمد حیات جناب عابد صاحب کے شاگرد تھے اور انہیں سے

---

۱ - جناب ادیب صاحب نے آپ کے حالات و نمونۂ کلام ارسال کیا ہے
۲ - شاعر و بہشت مملوکہ سلیم تمنائی میں آپ کا تخلص قائل لکھا ہوا ہے

زبان فارسی کی تحصیل بھی کی تھی۔ نوّے سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اس لحاظ سے ان کا سنہ پیدائش ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء ہے ساٹھ سال تک مسجد میں سکونت پذیر رہے۔ تمام عمر بلا ناغہ تہجد گذار رہے۔ صبح و شام تصوف کی کتابوں کے مطالعہ میں گذارتے رہے۔ علم موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ شہر میسور کے مشہور گویے علی جان شان ان کے استاد موسیقی تھے۔ لوگوں کی فرمائش پر شعر بھی کہتے تھے

نمونہ کلام

حساد مرے شعر کو کب مانے ہیں — گو عقل ہے عاقل نہیں دیوانے ہیں
لگ جاتی ہے جب سوز سخن سے آتش — جل جاتے ہیں پر یہ نہیں پروانے ہیں

برباد ہوی عمر مری یا اللہ — جانا نہیں جز جرم کے کچھ الا اللہ
مرقد میں ملک پوچھینگے جب کون ہے تو — مدّاحِ نبی کہہ دوں گا انشاء اللہ

مرمتِ مسجد کی تاریخ اس طرح لکھی ہے

بنی زیبا یہ مسجد بارِ دیگر — رہے خوش دو جہاں میں اسکا بانی
کہا ہاتف نے سن لے حد ہے زیبا — یہ ہے لاریب بیت اللہ ثانی

اپنی وفات کی تاریخ قبل از وفات خود لکھ لی ہے

تیغ آماس سے شہید ہوا — کیا شہادت بنی ممات حیات
سال بولا لبِ دردے یوں — موت آئی گئی حیات حیات

مولانا شاہ عبدالحی واعظ

مولانا بنگلور کے ایک جلیل القدر عالم و فاضل اور یگانۂ روزگار بزرگ تھے۔ مولوی عبدالقادر علی صاحب صوفی ان کے فرزند گرامی ہیں ان کی تصنیف "جنان السیر" پر منشی قلب حسین اطہر صاحب نے تقریظ لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو مولانا حافظ حاجی سید شاہ محی الدین قادری ملقب بہ سید عبداللطیف دیلوری بن ابوالحسن بن محی الدین قطب زماں سے بیعت حاصل تھی

ان کی تصانیف کوئی سوا سو کے قریب ہیں۔ جن کا موضوع مذہب، تصوف اور سیرتِ طیبہ وغیرہ ہے۔ انہوں نے عربی خطبات کا اردو زبان میں جو ترجمہ کیا ہے۔ ان کا مجموعہ آج بھی ریاستِ میسور اور جنوبی ہند کی اکثر مساجد میں والہانہ عقیدت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ مقبول عام و متداول کتاب "جنان السیر" ہے۔ اس کتاب کو بلا شبہہ اردو زبان میں مثنوی مولانا روم کا نعم البدل کہا جا سکتا ہے۔ شاید ہی ریاست میسور کا کوئی ایسا گھر

۱۔ نصیرالدین ہاشمی نے اپنی کتاب "مدراس میں اردو" میں شاہ محمد عبدالحی صاحب اور منشی سید عبدالحی صاحب سبزواری کو ایک ہی شخصیت سمجھ کر دونوں کی تصانیف اور نمونہ کلام کو خلط ملط کر کے پیش کیا ہے اور اردو عبارت کا نمونہ سید عبدالحی سبزواری صاحب کے مضمون "اردو میں انگریزی کا استعمال کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔" (رسالہ کوثر بنگلور جنوری ۱۹۲۶ء بحوالہ میسور اخبار ۱۸۹۲ء) سے اخذ کر کے دے دیا ہے) حالانکہ جنان السیر اور خطبات جمعہ دونوں شاہ صاحب کی تصانیف ہیں۔

ہوگا جس میں قرآن شریف کے بعد اس کتاب کا پڑھنا اور رکھنا باعث خیر و برکت نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سیرت طیبہ پر اس قدر مبسوط اور جامع منظوم کتاب اردو میں شاید ہی ہو گی اور نہ آئندہ لکھی جانے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مسلمان ہر سال ماہ ربیع الاول میں پہلی تاریخ سے بارہویں تک میلاد کی محفلیں منعقد کر کے خوش الحانی کے ساتھ اس کو پڑھتے ہیں اور اکثر بزرگ عوام کی تفہیم کے لئے اس کی تشریح بھی کرتے ہیں۔

جنان السیر کے دس باب ہیں جو دس چمن کہلاتے ہیں۔ (۱) انوار نبوت۔ (۲) گلزار نبوت۔ (۳) بہار نبوت۔ (۴) اخبار نبوت۔ (۵) بشارات محمدی۔ (۶) شمائل محمدی۔ (۷) عبادات محمدی۔ (۸) معجزات محمدی۔ (۹) آثار نبوت۔ (۱۰) اطوار نبوت

آپ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء میں سفر حرمین الشریفین سے مشرف ہوئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کے ارشاد کے مطابق ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء میں آپ کی عمر اٹھاون سال تھی۔ اس لحاظ سے آپ کا سن ولادت ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء ہے۔ چمن ہشتم، نہم اور دہم آپ کے فرزند گرامی کی تصنیف ہیں۔ آپ کی ایک اور مثنوی قران السعدین فی حقوق الزوجین مطبع فردوسی واقع مدراس سے شائع ہوئی ہے۔ انوار نبوت کا نمونہ کلام یہ ہے۔

دیکھی ہے آئی ہے حدیث صحیح — سرور عالم نے کہا ہے صریح
جو کہ رکھے دوست کسی کو بہت — یاد کرے گا وہ اسی کو بہت
تذکرہ محبوب کا ہو جس قدر — اصل محبت ہو قوی اس قدر
اور بھی فرمائے شہ بحر و بر — کہ نہ رکھے جو کہ مجھے دوست تر

بچوں سے اور باپ سے ماں سے زیاد
جسم سے اور جان سے اپنے زیاد

پھر کہتے ہیں۔

دہ عربی فارسی لے با صواب | شہ کی سیرمیں ہیں بہت سے کتاب
لیک ہے ہندی میں بہت کم ترجمان | اسلئے کم جانے سیر ہندیاں

چمن اول پیغمبر صلعم کی ولادت پر ختم ہوتا ہے اور دوسرے چمن میں نبوت کے بعد گیارہ سال تک کا حال مندرج ہے۔ (اس کی ابیات ۱۹۲۰ ہیں) اس باب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں

عمر میری ہوئی گرچہ سی سال | نہ ہوئے میرے سے کچھ نیک اعمال

چمن سوم معراج شریف کے بیان میں ہے پھر اس کا تکملہ وضمیمہ بھی لکھا ہے۔ چوتھے چمن میں آنحضرت کی رحلت تک کے واقعات مندرج ہیں۔ آخر میں ایک پرسوز دعا کے بعد خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

جب ہزار دو صد و باسٹھ تھا سن[۱] (۱۲۶۲) | تب تر و تازہ ہوا دوسرا چمن
یعنے گلزار عبادت اے امام | یا با آگے دس برس کے اختتام
اب ہیں بارہ سو بہ چہ ہفتاد و پنج[۲] | بس ہوا ابھرے چمن کا نعمہ سنج
بس مرتب ہوگئی پوری کتاب | یعنی یہ چاروں چمن اے کامیاب
شاہ کے احوال میں اے نیک فن | دفتر اول ہے یہ چاروں چمن

پانچواں چمن بشارت محمدی کے بیان میں ہے آخر میں لکھتے ہیں۔

۱۔ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۵ء

۲۔ ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء

سو شکر ہوا ہے یہ رسالہ — اب ختم بفضل حق تعالےٰ
سن ایک ہزار دو صد اوپر — نود پہ تھا ایک جب مقرر
اور شہر رجب کی جا نہو تم — وہ شب تھی بزنگ بست و ہفتم

چھٹا چمن آنحضرت کے اوصاف و شمائل کے متعلق ہے۔
خاتمہ پر لکھتے ہیں۔

بحمد اشراب یہ نسخۂ پاک — ہوا آخر بجاہ شاہ لولاک
تھے تب ہجرت سے گذرے اے نکوماں — ہزار دو صد نود پہ اک سال
تھی اٹھائیسویں از شہر شعباں — سفر میں قلت فرصت کا ساماں

چمن ہفتم میں لکھتے ہیں

آہ اب تک مجھے اے میرے خدا — حج نہ گھر کا ترے نصیب ہوا
اس تمنا میں ہے یہ عمر مری — آہ پنجاہ و شست کو پہنچی
اور جو عمر تھوڑی ہے باقی — اپنے فضل و کرم سے رکھیو نہی
تو ہے قادر کہ استطاعت دے — جسم اور جاں میں میرے قوت دے
عافیت سے تو مجھ کو لے جاوے — گھر تلک اپنے مجھکو پہنچا دے
اور وہاں سے مدینہ لے جاوے — قبر اپنے نبی کی بتلا دے
اور وہیں دیوے تو ممات مجھے — کلمہ طیبہ کے ساتھ مجھے

ان کا ایک رسالہ قران السعدین فی حقوق الزوجین (مطبوعہ ۱۳۲۵ھ) میں میاں بیوی کے حقوق کی وضاحت کی ہے۔
اس کے خاتمہ پر لکھتے ہیں۔

لے۔ ۱۲۹۱ھ بمطابق ۱۸۷۴ء

کیا پہلا رسالہ حسن انجام | بھی ہے دسریکا اب آغاز ارقام
ہوے اس سے حقوق مرد معلوم | حقوق عورت کے اب ہوتے ہیں منظوم
ہیں بیتیں اس رسالہ کے یہ تخمیں | مقرر سات سو نود اوپر تین

قرآن السعدین کے آخر میں لکھتے ہیں

مرتب ہو یہ منظوم ہمایوں | ہوا ہے نسخۂ اول سے مفرون
بھی بیتیں اسکے سب اے اہل تقدیس | ہوئے تعداد میں دو سو یہ چالیس
ہزار و دو صد و ہفتاد پر چار | برس ہجرت سے جب گذرے تھے اے یار
بنے ہیں تب یہ ہر دو نسخۂ خوب | کرے حق مومنوں کے انکو مرغوب

اس کے آخر میں اس رسالہ کی تاریخ تصنیف منشی عبدالحفیظ آرام خلف الرشید جناب محمد صاحب معاملہ دار اور جناب عبدالحق صاحب تحقیق ۔ (اڈیٹر شمع سخن) نے لکھی ہے ۔ ان دونوں کا ذکر آگے آے گا ۔
واعظ کے متعدد رسالے میرے پاس ہیں ۔ بخوف طوالت ان کا مختصر حال یہاں بیان کیا جاتا ہے

سر التہا دنین شرح فی بین احوال الجنین ۔ یہ کتاب ۱۷۲ صفحوں پر مشتمل ہے جو ۱۳۰۶ھ میں مطبع محمدی واقع معسکر بنگلور سے شائع ہوی ۔ اس میں بھی آپ حمد و نعت اور منقبت حضرت سید عبدالقادر جیلانی قطب ربانی معشوق ہر دو جہانی قدس سرہ العزیز کے بعد حضرت مولوی سید شاہ محی الدین قادری قطب ویلور کی مدح میں لکھتے ہیں ۔

لہ ۱۲۷۴ھ بمطابق ۱۸۵۷ء

خصوصاً شیخ میرا قطب اشہر | یقیں اس عصر کا ہے شیخ اکبر
یقیں ایسے ہیں اخلاق جمیلہ | ہیں بیحد اسکے اوصاف جمیلہ
سمجھ عبداللطیف اب اسکا ہے نام | لقب ہے محی الدیں لے نیک انجام
ہے وہ فرزند سید بوالحسن کا | ہے پوتا محی الدیں قطب زمن کا

اس کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ ان کے مرشد کے حکم پر کشفی کی اسرار شہادت پر لکھی ہوی شرح کا نظم ہندی میں ترجمہ کیا پھر ان کے احباب کی فرمائش پر یہ قصہ صحت و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے آخر میں کہتے ہیں۔

ہزاراں شکر ہے اب یہ رسالہ | ہوا آخر بفضل حق تعالےٰ
سن ہجری نبی کا تھا سنو تم | ہزار و دو صد و ہفتا دو سوم

سرالشہادتین کے آخر میں ایک مختصر رسالہ بنام فلاح کونین آپ نے لکھا ہے۔ جس میں عشرۂ محرم میں سیدنا امام حسینؓ کے احوال شہادت کے پڑھنے اور ماتم کرنے کے متعلق سوالات کے جوابات ہیں۔ آخر میں جناب قلندر حسین اطہر بنگلوری کا قصیدہ اہل بیت کے ذکر میں منقول ہے۔

آپ نے ایک اور رسالہ قصائد نعتیہ محمدیہ کے نام سے لکھا ہے اس کی چند ابیات ملاخطہ ہوں۔

حمد یارب تجھی کو لایق ہے | اس کی نسبت تجھی کو صادق ہے
تو ہی ہر شے کا جب کہ خالق ہے | سب ثنا میں ترے ہی ناطق ہے

حمد را با تو نسبتی است درست
بر در ہر کہ رفت بر در تست

وصف جب ماہ و آفتاب کی ہو | ذرہ و آب یا شراب کی ہو
عرش اعظم کی یا تراب کی ہو | فی الحقیقت تری جناب کی ہو

حمد را با تو نسبتی است درست
بر در ہر کہ رفت بر درِ تست

کبھو دریا میں تو رکھے قطرہ کبھو قطرے میں ہے کئی دریا
مہر میں ذرہ ذرہ مہر میں لا تو رکھا ہے تری ہے اسکی ثنا

حمد را با تو نسبتی است درست
بر در ہر کہ رفت بر در تست

کلیہ معرفت نامی (صفحہ ۷۲) آپ کا ایک اور رسالہ خود شناسی و خدا شناسی اور آخرت شناسی کے متعلق مطبع محمدی واقع عسکر بنگلور میں طبع ہوا تھا۔ دوسرے رسائل یہ ہیں۔ رسالہ عمدۃ النصائح صفحات ۴۰۔ تحفۂ قبول صفحات ۵۲۔ رسالۂ ردّ بدعات صفحات ۱۶۔ چہار گلشن صفحات ۱۲۳۔ رسالۂ حسن المقصد فی العمل المولا مطبوعۂ ۱۲۷۹ھ مطبع فردوسی لشکر بیور۔ یاکریم و یا رؤف و یا رحیم صفحات ۴۳ مطبوعہ ۱۲۷۹ھ مطبع قادری۔ ترجمہ مجموعہ خطیب حرمین الشریفین مطبوعہ مطبع شوکت الاسلام بنگلور۔ یہ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا مجموعہ فتاویٰ تین جلدوں میں ہے۔ جلد اول ۴۲۰ صفحات۔ جلد دوم ۴۱۳ صفحات۔ اور جلد سوم ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان سب کتابوں کا ضخیم مجموعہ میں نے بیبیر کے سرقاضی محمد قاسم صاحب فہیم انصاری کے کتب خانہ میں دیکھا ہے اور ان کے مختصر نوٹ بھی لئے ہیں۔ مسلک المریدین نامی ان کا ایک اور رسالہ میں نے بیور میں حکیم جناب محمد پیر صاحب کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ ان تمام رسالوں کی تفصیل و تبصرہ کے لئے ایک علحدہ کتاب چاہیئے۔

ردالمحلہ میں ان کا ایک اردو رسالہ ہے جو فرقہ باطنیہ کے رد میں لکھا گیا ہے۔ اب تک ان کی منظوم کتابوں پر سرسری روشنی ڈالی گئی

آپ نے نثر میں بھی بہت سارے رسائل لکھے ہیں ۔ نمونۂ نثر ملاحظہ ہو ۔

" پس اگلے اولیائے عظام و محققین صوفیائے کرام کے اقوال و تمثیلات جو علم حقایق و معارف میں توحید وجودی اور عینیت و غیریت کے باب میں آئے ہیں سو وہ فی الواقع شریعت مطہرہ کے مطابق و موافق ہیں نہ مخالف لیکن ان کے اصطلاحی عبارات و الفاظ سے ان کے اصل مطلب کو اخذ کر کے سمجھانے کے لئے ایسا عالم و فاضل و عارف کامل چاہیئے کہ علم شریعت و طریقت ہر دو کا جامع رہے ۔ ایسے شیخ کامل کے قال صحیح سے ارشاد نہ پا کے اور ان بزرگوں کے اسرار پر پئے نہ لیجا کے دو فریق غلطی میں پڑے ہیں ۔"

غرض یہ ریاست بیوڑ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے ۔ مثنوی نگاری میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا کلید معرفت ان کی آخری تصنیف ہے ۔ جو ۱۳۰۰ھ میں لکھی گئی ۔ ان کی اکثر تصانیف میں انہوں نے احقرؔ تخلص استعمال کیا ہے ۔ لیکن خطبات کی مقبولیت عام کی بدولت آپ بنام واعظ ہی مشہور رہے ۔ یہ بھی اس زمانہ کے دوسرے مصنفین کی طرح اپنی تصانیف کی زبان ہندی کہتے ہیں ۔

ان کی تصانیف میں قدیم الفاظ بکثرت ملتے ہیں ۔ خصوصاً قران السعدین فی حقوق الزوجین کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا کہ اس سے ایک صدی پہلے کی تصنیف ہے ۔ دراصل آپ نے کتابوں کو آسان اور عام فہم بنانے کے لئے عام بول چال کی زبان اختیار کی ہے ۔ ان کی کل تصانیف میں دکنی کی چھاپ دکھائی دیتی ہے

محمد قاسم شاد و غم

محمد قاسم بن غلام حسین بنگلوری شاد و غم دونو تخلص کرتے تھے میر اکرم علی خاں جاذب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

غم ہوں میں سیف اللسان فیض جناب جاذب سے
کام کرتا ہے جو میرا ہر سخن شمشیر کا

انیسویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے یہ فن شاعری کے استاد تھے۔ انہوں نے بزم غم قائم کرکے شعرائے بنگلور کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کی تاکہ انہیں اپنی فطری صلاحیتوں سے کام لے کر منظر عام پر آنے کا موقعہ ملے۔ اسی بزم کی جانب سے انہوں نے ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں قاسم الاخبار جاری کیا یہ میسور کا پہلا اردو اخبار تھا۔ اور ان کی وفات تک اس کی بتیس جلدیں شائع ہوئیں۔ ان کی تصانیف میں "مثنوی غم" جو ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں چھپی دیوان غم بھی چھپ چکا ہے۔ مگر اس وقت مفقود ہے۔ البتہ ان کے چھوٹے بھائی محمد غوث جادو نے اپنے دیوان کے ابتدائی صفحات غم کا کلام بنام "یادگار غم" شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاست میسور سے شائع ہونے والے شعری مجموعوں میں جو اکبر کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہوتے تھے۔ آپ کا کلام ملتا ہے۔

"مثنوی غم" ایک نوجوان شاعر سعید کی جوانمرگی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی میں کل تین سو چون ابیات ہیں۔ اس کا قطعہ تاریخ محمد علی طلسم نے لکھا ہے

۱۔ مثنوی غم مملوکہ سلیم تمنائی اور کلام جادو کے دیباچہ سے غم کے آبا و اجداد کا حال معلوم ہوتا ہے

غم کی وفات ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ محمد عبداللہ حسین خلیل نے قطعہ تاریخ وفات تحریر کیا ہے۔

حضرت غم محمد قاسم — کرد رحلت ز دار مکر و فساد
مرد مردم شناس شد ز جہاں — طوطی ہند شد بخلد آباد
غیرت خت عسکری سخنش — ہست دیوانش کوزہ قناد
دیدم اندر جبرا از اشعار — گاہ غم بود تخلصش گہ شاد
سال فوتش خلیل کرد رقم
شاد باد ابخلد دائم شاد
۱۳۰۹

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

جب میں ان کا واصف رخسار گلگوں ہو گیا — موج بوئے گل ہر مصرع کا مضموں ہو گیا
عشق مجنوں پاک ہے سودائے لیلیٰ کا اثر — تربت لیلیٰ پہ سبزہ بید مجنوں ہو گیا

آب عارض دیکھ کر ہے پانی پانی ابر تر — تاب رخ سے کیوں نہ ہو دل تھوڑا تھوڑا برق کا

قفس پہ باندھے بہر خدا پر طاؤس — ہو اپنے داغ الم کا تو کچھ نشاں صیاد
گماں جو اسکو ہوا میرے دم چرانے کا — لگا کے سیخ پہ کرتا ہے امتحاں صیاد
چمن چمن مرے غم سے ہے وادیٔ ایمن — ہے برق طور جلے دل کی داستاں صیاد

کس کو خوش آئے گلستاں کی ہوا میرے بعد — نالہ ہو جائیگی بلبل کی صدا میرے بعد
نشۂ مئے سے الٹ جائیگا ان کا مقنع — ٹھوکریں کھائے گی عالم میں حیا میرے بعد
سلسلہ والے مرے ہو گئے مجنوں اے غم — رہی زنداں میں نہ خالی کوئی جا میرے بعد

غم نے اردو کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے

قاسم الاخبار کی بنا ڈالی۔ اپنے معاصر نسیم کا دیوان شائع کیا۔ "بزم غم" جیسے ادارہ کے بانی مبانی بھی یہی تھے۔ اخبار میں اپنا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ اس کے باوجود وہ میدان شعر میں پیچھے نہ رہے۔ ان کی غزلیں مرصع ہوتی تھیں ان کی قادر الکلامی اور اعجاز بیانی نے ان کی ہمہ گیر قابلیت کے جوہر چمکا دیے تھے اور انہیں مقبول خاص و عام بنا دیا تھا۔ ان کے بیٹے غلام محمد شریف ادب بھی اچھے شاعر تھے۔

نوابؒ محمد حسین علی سلطان نسیمؔ

نسیمؔ کا تعلق میسور کے شاہی خاندان سے ہے۔ ان کے دادا عبد الصمد زاہد قریشی ٹیپو سلطان کے ہمشیرہ زادے اور پڑنانا غنی[2] رضا علی خاں حیدر علی کے حقیقی ماموں زاد بھائی اور نواب محمد ابراہیم علی خاں کے فرزند تھے اور میر میراں کے عہدے پر فائز تھے۔ سلطان کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ اور اکثر مہمات پر وہ بھیجے جاتے۔ بنکی نواب ان کا لقب تھا۔ کنڑی زبان میں بنکی کے معنے آگ کے ہیں۔ یہ بڑی پر جوش و آتش مزاج کے طبیعت کے مالک تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے ان کے دیہاتوں کو آگ لگادی تھی۔ اس واقعے کے بعد سے بنکی نواب اس خاندان کا لقب بن گیا۔ اور اس خاندان کے افراد آج بھی اس نام سے ملقب ہیں۔ انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہوئے کورگ میں رضا علی خاں شہید ہوئے۔ گنبد سلطانی کے چبوترے پر ان کا مزار ہے۔ سقوط سرینگ پٹن کے بعد انگریزوں نے

۱۔ نسیم کے متعلق دو تین مضمون اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن میں نے نسیم کے قدیم دوست محمد علی خاں مسا۔ اور بخشی عبدالجبار خاں شافی کے تذکروں سے استفادہ کیا ہے

۲۔ میانہ نے نسیم کے پڑنانا کا نام غنی رضا علی خاں لکھا ہے۔ حالانکہ دوسرے تذکروں میں ان کا نام غلام رضا علی خاں بتلایا گیا ہے۔

ان کے فرزند بنگی نواب محمد قاسم علی خاں کے پنشن مقرر کردی ۔ ان کی دختر زہرہ بیگم نسیم کی والدہ ہیں۔ نسیم کے والد عبدالقادر قریشی فرزند عبدالصمد زاہد قریشی کو بھی ستر روپیہ ماہوار انگریزی سرکار کی طرف سے ملا کرتے تھے۔ اور ۴ ۵ روپیہ ماہوار زہرہ بیگم کے نام پنشن مقرر تھی۔
نسیم ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۶ھ میں میسور میں پیدا ہوئے۔ بسم اللہ خوانی کے بعد مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کر کے دسویں سال تک اس زمانے کے دستور کے مطابق آمدن نامہ۔ کریما۔ نام حق عقائد جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر والدین کے ہمراہ بنگلور گئے اور جہاں ایک بڑے فاضل شہر استاد غلام زین العابدین عرف عابد میاں صاحب سے فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں اور علم عروض وقوافی و علمِ بدیع کی تعلیم حاصل کی۔ عنفوانِ شباب میں میسور آکر منشی غلام حسین صاحب منجم سے ہیئت، حساب، رمل، نجوم وغیرہ علوم سیکھے۔ سولہ سال کی عمر میں ہی نسیم شعر کہنے لگے۔ اور مولوی حافظ میر شمس الدین فیض حیدر آبادی سے اصلاح لیتے رہے۔ طبیعت بڑی موزوں پائی تھی بنگلور اور میسور میں شعر و سخن کا بازار گرم تھا۔ مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ نسیم بھی بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے اور مقبول عام کا شرف حاصل کرتے۔ ان کا کلام اس زمانہ کے رسائل منشور محمدی وغیرہ میں شائع ہوتا تھا۔ آج بھی ان کی بیشتر نظمیں یہاں کے لوگوں کی پرانی بیاضوں میں ملتی ہیں

بنگی نواب محمد رضا علی خاں شہید کی قبر کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ابراہیم علی خاں حاکم نیلور۔ نواب حیدر علی خاں کے حقیقی ماموں۔ اور بنگی نواب محمد رضا علی خاں حیدر علی کے ماموں زاد بھائی اور ٹیپو سلطان کے چچا تھے۔

نسیم کی میسور تشریف آوری کے چند دن بعد ہی ان کے والدین نے بھی میسور نقل مکان کیا اور تا زیست یہیں رہے۔ نسیم خوش رو خوشگو اور حاضر جواب تھے۔ اس زمانے میں تلاش معاش کی فکر میں یل، بل، بورنگ، چیف کمشنر میسور سے رجوع کیا اور ان کی وساطت سے تحصیلداری حاصل کی۔ لیکن شعر و سخن کی رغبت نے سرکاری ذمہ داریوں سے ہم آہنگ ہونے نہ دیا۔ آزاد منش نسیم کو نوکری کی بندشیں ناگوار گذریں لہٰذا سات آٹھ سال ہی میں ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ اور اس زمانے میں ایک بیوہ انگریز خاتون سے حسب شرائط اسلام نکاح کر کے تری کیرہ تعلق میں جہاں اس خاتون کے کافی کے باغات تھے رہنے لگے۔ بڑی عیش و مسرت سے شعر گوئی اور اخبار بینی میں زندگی بسر ہونے لگی لیکن سات آٹھ سال میں ہی اس بیوی کے انتقال پر محفل عیش عشرت درہم برہم ہو گئی۔ تاہم اس نے ازراہ دوربینی دو تین لاکھ روپے کے باغات نسیم کے نام رجسٹر کروا دئے تھے۔ جس کی وجہ سے فکر معاش کی طرف سے اطمینان کلی تھا۔ کچھ عرصے کے بعد نسیم نے ایک اور انگریز خاتون سے عقد کیا لیکن نتیجہ برعکس نکلا اور بہت ہی جلد طرفین میں علحدگی ہو گئی۔

میانہ کے قول کے مطابق نسیم نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں۔

انگریزی حکام نسیم پر بڑے مہربان تھے اور ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ شراب و کباب سے احتراز نہ تھا۔ بڑے رنگین مزاج اور آزاد طبع واقع ہوئے تھے۔ خوش اخلاق سنجیدہ مزاج اور شجاع تھے۔ ہر کسی سے بڑے خلوص اور محبت سے پیش آتے۔ اور بات چیت میں ظرافت کا رنگ جھلکتا تھا۔

ان کے زمانۂ حیات ہی میں ان کا کلام مقبول عام ہوا۔
ان کی صدہا غزلیں، مخمس، مسدس، مثنوی، رباعی، سلام اور مرثیے
زبان زد خاص و عام تھے۔ گو کہ نسیم میسور کے رہنے والے تھے۔ مگر
اہل دہلی و لکھنو کی زبان کا تتبع کیا کرتے۔ ساقی کہتے ہیں ہمیشہ انکے
پاس دو ملازم ایک شیخ ابراہیم لکھنوی اور دوسرے مولا بخش
دہلوی رہتے تھے۔ نسیم ان سے اکثر بات چیت کرتے رہتے اور بار ہا
مجھ سے انہوں نے کہا ہے۔ "ساقی یہ دونوں میرے ڈکشنری ہیں"
ان کا کلام آفاقی تھا۔ دل کے خیالات کو محاورہ کا رنگ دے کر باتوں
باتوں میں ادا کرنا ان کا اصل جوہر تھا۔ شعر خوانی کا انداز بھی کچھ
ایسا نرالا تھا کہ جس سے شعر کی شان اور لطف کلام دوبالا ہو جاتا تھا
اور شعر کو نہایت ہی بانکپن سے ہر ہر لفظ جدا کر کے پڑھتے تھے۔
حافظہ غضب کا تھا اور موسیقی میں مہارت کاملہ حاصل تھی۔ نازک
مزاج تھے۔ غرور نہ تھا۔ خوش مزاج خوش لباس اور خوش شکل تھے۔
قد اونچا اور جسیم۔ کمان ابرو۔ گورا رنگ۔ چھڑی دار بال۔ سر پر
جو حاشیہ بنارسی کنارے کا دوپٹہ اکثر باندھتے تھے یا زریں ٹوپی
پہنتے تھے۔ تن زیب کا انگرکھا یا لانگ کوٹ۔ سفید پاجامہ کبھی ٹخنوں
کمر میں پٹکہ ہاتھ میں قینچی۔ پاؤں میں ترچنا پلی کا نوکدار جوتا کبھی شوز
کبھی ہاف بوٹس پہنتے۔ داہنے ہاتھ میں کہربے کے بڑے بڑے منکے
تھے۔ ہاتھ میں عطر میں بسا ہوا رومال رہتا تھا اور چھنگلی میں
ایک طلائی انگشتری (سنگ سلیمان نصب کی ہوئی تھی) اور اس انگشتری پر
ایک طرف تصویر شیر کی اور اس میں تین حرف T. N. B کندہ تھے
یہ انگشتری چیف کمشنر ایل۔ بورنگ کی دی ہوی تھی۔ بی سے
بنگی۔ ین سے نسیم اور ٹی سے ٹیپو سلطان مراد ہیں۔

عبدالحمید خاں صاحب نے نسیم کی بذلہ سنجی و ظرافت طبع کے بیان میں نو لطیفے لکھے ہیں جن میں سے دو بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں

لطیفہ ۱: ایک دن نواب نے کئی عمائد کے ساتھ حسب عادت کھانے کے دوران میں پانی پیا۔ جھٹ سے ایک صاحب نے کہا۔ کہ نواب صاحب آپ کھاتے کم ہیں اور پیتے بہت۔ تو جواب دیتے ہیں

مری شراب کے دشمن خراب ہوں یا رب
نہ کس کے کھانے میں ہوں میں نہ کس کے پینے میں

لطیفہ ۲: ساقی کہتے ہیں۔ "ایک دن نواب صاحب کے ہاں راقم حاضر ہو کر کیا دیکھتا ہے۔ ایک منی فروش شراب کی بل لے آیا۔ اور آپ فکرمند بیٹھے ہیں۔ مجھے جو دیکھا کہنے لگے۔ آئیے آئیے خواجہ ساقی آئیے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور پوچھا چہرے سے آزردگی ظاہر ہے۔ اور یہ کیا تحفہ ہے تو آپ فوراً کہہ اٹھے

دھنی دئے بیٹھا ہے در پر مئی احمر والا
دشمنی کرتا ہے دارا ہے دختر والا

ساقی نواب صاحب کی بیماری کے متعلق لکھتے ہیں کہ "۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں نسیم سخت بیمار ہوئے تو اپنے انتہائی شوق کے باوجود ان کی تیمارداری کرنے سے قاصر رہا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان دنوں ہاسن ہائی سکول کی منشی گری کے کام پر تبادلہ ہو گیا۔ ہاسن جانے کے وقت عیادت کے لئے نسیم کے مکان پر گیا دیکھا بالاخانے کی ایک کوٹھری میں نہالی پر پڑے ہوئے تھے۔ ملازم پنکھا جھل رہا تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ مجھے دیکھ کر حسب عادت تبسم فرمایا اور کچھ بات چیت کے بعد ایک بوسیدہ کتاب دی جس میں ان کے اشعار

کے ساتھ چند عملیات و نسخہ جات بھی انہیں کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے تھے۔ جس کو انہوں نے اپنے پرانے دوست محمد علی خاں ڈپٹی عملدار تر ویکرہ کی مدد سے اس کو مرتب کر کے اس کا نام مخزن الفصاحت رکھا جس سے ترتیب دیوان کی تاریخ نکلتی ہے۔

نسیم کی شاگردی کے متعلق ان کا ایک خط با مسودہ کے نواب متخلص وحشی کے نام۔ مصنف مشہور ہیں اردو نے اپنی کتاب کے صفحے ۲۶ میں شائع کیا ہے۔ میں نے بھی اس خط کی نقل میانہ کے لکھے ہوئے سوانح حیات نسیم میں بھی دیکھی ہے۔ نیز لکھا ہے کہ نواب وحشی نے ۱۸۷۵ء میں اپنے فرزند کی شادی کے موقع پر نسیم سے ایک غزل سہرا کی ردیف میں لکھنے کی فرمائش کی تھی نسیم نے دو تین گھنٹوں میں ہی ایک اردو خط ایک مثنوی اور ایک فرمائشی غزل لکھ کر بھجوادی

خط کا آغاز یوں ہے۔

ئے گلگوں پلا ساقی کدھر ہے
کہ ہر نخل تمنا بر ثمر ہے

سبحان اللہ بحمدہ آج علی الصباح کیا مبارک خواب دیکھا جس کے خیال میں جشن جمشیدی ایک دور ساغر بھی نہ تھا۔ ڈاک کا ہرکارہ نصرت الاخبار دہلی لایا۔ میں نے تعبیر پائی۔ میں کیفیت جشن شادی نوشاہ نواب محمد حیدر علی خاں صاحب بہادر صاحبزادہ بلند اقبال عطائی ام نواب محمد عمر علی خاں بہادر دائی باسورہ مع حسن ایمائے شعر دہ سخن بندہ نظر آئی۔ اور اس کی خوشی و انبساط بیچارہ قلم چہ بر نگارد۔ میں نے فرمائشیں حسب حوصلہ بجا لائیں الامر فوق الادب۔ بلکہ ایک مثنوی طرہ ہے۔ لیکن حیران ہوں کہ

الہی پیچ دار عبارت کیا لکھوں۔ فقط لغات سے بھر دوں۔ مقفی یا مسجع لکھوں تو سراسر آورد و رعایت قافیہ بھی بھرتی کے الفاظ آجاتے ہیں۔ زبان کا مزہ نہیں آتا۔ خیر نثر مرجز سہی۔ یہ بھی نظم کا بھائی ہے ہم منشی نہ شاعر نہ مولوی۔ نثر عاری لکھنے سے کیا عار ہے۔ اگر ہم سے کچھ قصور بھی ہو جائے۔ ہم دہلی اور لکھنو والے نہیں۔ محبت دلی حاضر ہے جو دل سے آیا قلم سے نکلا۔ چشم بد دور چشم دید خود، نواب صاحب نے وہ رنگیں عبارت لکھی ہے کہ نسیم و صبا کا رنگ اڑ گیا۔

مورخہ ۵ ماہ اکتوبر ۱۸۷۵ء الراقم محمد حسین علی سلطان نسیم قریشی
بمقام بنگلور

اس میں لکھا ہے کہ اخبار نیر اعظم مراد آباد نمبر ۶ مطبوعہ سیزدہم جنوری ۱۸۷۹ء کے اعلان پر کہ مصرع۔ حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا ہر غزل اس طرح لکھی جائے کہ ہر شعر کا مصرع ثانی یہی مصرع رہے۔ نسیم نے بدیہتا ایک پوری غزل کہہ ڈالی۔ جس کو غلام جیلانی صاحب نے حسب الارشاد تحریر کیا تھا۔

اس غزل کے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں

ملا جو خاک میں دانہ دہی نہال ہوا — حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا
برنگ دانہ ملا خاک میں نہال ہوا — حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا
جلا با وصل سے جب مرم مراد وصال ہوا — حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا
نکالا خضر نے آب بقا کو مر مر کے — حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

نسیم کے حالات محمد علی خاں میانہ نے ۱۸۹۱ء میں لکھے تھے اس مخطوطے میں عبدالحمید خاں صاحب ساقی کے نام نسیم کا ایک منظوم خط اور تین خطوط نثر میں مندرج ہیں۔

نامۂ منظوم کے چند اشعار یہ ہیں

اے ساقیٔ بادۂ فصاحت — اللہ رکھے تجھے سلامت
خط آیا معہ غزل تمہارا — اصلاح کی احتیاج کیا تھی
ساقی جو لکھے مدام کا غذ — رکھواؤں سبیل میں کی گھر گھر
لٹواؤں تمام گنج دنیا — اندر کی سبھ کروں پری سے
دریائے شراب ہی بہاؤں — دن رات چلاؤں کشتیٔ مئے
ساقی جو نہیں نہیں حلاوت — ہے تلخ مجھے شراب شیریں

مثنوی کے شروع کے ابتدائی اشعار یہ ہیں

لا ساقی پیالۂ مثلث — یہ شکل عروس وہ مثلث
آنکھیں نہ نکالے مجھ پہ ملا — زاہد نہ پکارے توبا توبا
ہمشیر ہے دخت رز کی یہ بھی — ہمزاد ہے جن کی اور پری کی

فرمائشی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

سر کو نوشہ کے مرے شاہ نے باندھا سہرا
سورۂ نور کا دکھلاتا ہے جلوہ سہرا
باغ الفت کے حسینوں نے جو چنیں کلیاں
اس پری کے لئے پریوں نے بنایا سہرا
پوتے پڑپوتوں کے تم باندھیو سر کو سہرے
جیسے بابا نے تمہارے تمہیں باندھا سہرا
حب کا تعویذ بنے پھول ہر اک سہرے کا
وصل یار اس کو ہو جسنے ترا دیکھا سہرا
پنجۂ مہر سے زہرہ نے بلائیں لے لیں
جب تبسم چمن شوق نے لکھا سہرا

ں مخطوطے کے ایک صفحے پر چند سطریں میانہ کے قدیم دست
ام جیلانی صاحب کمندان کے خط خاص سے بجنسہ نقل کی ہوی -
ــریر کی گئی ہیں ۔

تاریخ ہے جنوری کی سات آج سن آٹھ سو یکہزار ایکتھر
استادی سے خط لکھا ہے میں نے یعنی یہ نسیم باغ الفت

نسیم کا خط ساقی کے نام

اقی خمخانہ محبت دام محبتہٗ

. . . . تو بھی کیا بادہ خوار ہے ساقی
یا غضب ہے کہ تم بے پر کی اڑ پر یقین جانتے ہیں ۔ اسیکو مانتے
، ۔ تمہیں شیفتہ پری کہوں کہ ولی کہوں ۔ شہاب الدین شہاب
نشی اسحاق صاحب سے متحد ہوے ۔ میں بیمار ہوں سو دیکھ
ال اور مجھے ان دنوں مشق زیادہ نہیں کر کے فی البدیہا مشاعرہ کے
رت ایک بیت نہیں لکھے تک غزلیں لکھے ، یہیکا منہ پر ہوائیں
ٹی ، روے لگے ، بد دعا دینے لگے ۔ بنگلور سے خبر لو ان کے
گرد قادر پیراں سے پوچھو تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں کرکے
، ذکر نکلا یا نہیں تم کیوں پڑے اچھلتے ہیں ، بے طرق چلتے ہیں ۔
تو ہے ۔ کیا شاعری ایک مخبری پر ختم ہے کیا ۔ بڑے عابد صاحب
۔ چھوٹے عابد صاحب کے سریکا ایک ایک غزل کے شاعر ہیں ۔
صاحب تحصیل تخلص نے ہزاروں غزلیں خمسہ لکھا ہے اور ہمیشہ
، روانہ کرتے ہیں ۔ تمہارے دیکھنے کے واسطے ان کے چند اشعار
کے ساتھ روانہ کیا ہوں اور تمہارا مجرا بھی ٹھیک ہے ۔ لیکن
ا لکھا کر کے ساقی صاحب مست نہ ہو جانا

مشق کر مشق کہ تا لطفِ سخن پیدا ہو
خود بخود شعر میں بے ساختہ پن پیدا ہو
تم سال دو سال میں غزل یا خط بھیجو تو جواب میں لکھونگا
ہمیشہ ہمیشہ لکھتا ہوں۔ فقط

اس کے علاوہ نسیم کے دو اور خط ساقی کے نام اس مخطوطے میں ہیں۔

شعر و سخن سے نسیم کو فطری لگاؤ تھا۔ ان کا دیوان ان کی جولانیٔ فکر کے عجیب و غریب نمونے پیش کرتا ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

ہے بڑا رتبہ میں یہ گرچہ ہے دیواں چھوٹا
حسن رونق اگلے کتابوں سے ہے قرآں چھوٹا
دل پر نور کی گیسو کو نہ رہے تو رہنیں
کافروں کو نظر آتا ہے مسلماں چھوٹا
رستم زال بھی ہیں تو مجھے کیا خوف رقیب
ہوں میں چھوٹا یہ نہیں میرا نگہباں چھوٹا

اشک سے چشم کے ہم زخمِ جگر دھوتے ہیں   ذہنِ دل مادۂ انگور ہوا خوب ہوا

عشقِ زنداں میں جو میں نے بحر پیر نالے کیے
سر در غلطاں صدف کے لب پہ نیخالا ہوا

جی میں آتا ہے تخلص ہی بدل دوں لے نسیم
شب کو جاتے ہی وہ کہتے ہیں او حالا ہو گیا

خواب میں پھر وہ نظر آئے نہیں   تا قیامت میں تو سوتا ہی رہا

ملا جو خاک میں دانہ وہی نہال ہوا   حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

جلا بھنا ہوں مجھے خواہش کباب نہیں   پلا دے دھو کے سبو ہی اگر شراب نہیں
تمہارے زلف کی تصویر کیا کرے سیراب   خطا معاف ہو ہم تشنۂ سراب نہیں
نسیم پی گئے سب میکدوں میں کیا ہے خاک   دوا کے واسطے لندن میں بھی شراب نہیں

ہندوی خال کے مضموں بہت باندھا ہوں
کیوں نہ ہو ہند کے ہر کوچہ میں چرچا میرا

پھر ترا شور تبسم جو نمک ریز ہوا   پھر مزا تازہ مجھے زخم کہن دکھلایا

میکشی جب نسیم چھوڑیں گے   بھیک مانگیں گے سب شراب فروش

کب آنے پاتا ہے رندوں میں نام زاہد کا   ہماری بزم میں بوئے کباب خام نہیں

آتش دہک رہی ہے رگ و پے میں سربسر   اے سوز عشق آگ لگے تیرے پیار کو

بنا ہے ساتھ حور کے کل بادۂ طہور   پیر مغاں سے سیکھ لو آداب میکدہ

کہے یہ شیخ کے توبہ کروں گا ساغر سے   الٰہی وہ بھی محروم جام کوثر سے

سرد الفت سے بتوں کی لے نسیمؔ ان دنوں میسور بھی کشمیر ہے

پوچھتے پھرتے ہیں نسیمؔ حسیں بانکے[1] نواب کا کدھر گھر ہے

نزع میں یاد مجھے کس کی ادا آتی ہے جامِ کوثر لئے ہاتھوں میں قضا آتی ہے

آپ کا دیوان ۷۹ صفحات پر مشتمل ہے اور غزلیں حروفِ تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں۔ آخر میں جناب محمد قاسم صاحب غم مہتمم قاسم الاخبار کی ایک نظم ہے۔ حضرت نسیمؔ کا کلام آج تک ریاست میسور میں نہایت محبت و احترام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور اہل میسور دہلی اور لکھنؤ وغیرہ شعراء کے مقابلہ میں نسیمؔ کو فخریہ پیش کرتے ہیں۔

نسیم کی شعر گوئی میں تخیل کی لطافت کے ساتھ محبت کا درد، رنگینیاں، حلاوت اور شیرینی پائی جاتی ہے۔ زورِ طبیعت، شوخیٔ مزاج اور ذوقِ معنیٰ آفرینی نے انہیں میسور کا مقبولِ عام شاعر بنا دیا۔ اور ریاست کے ہر ہر گوشہ میں ان کا طوطی بولنے لگا۔

---

[1] میسور اور بنگلور میں ایک سڑک بانکی نواب سڑک کہلاتی ہے

منشی قلندر حسین اطہر

منشی قلندر حسین اطہر بنگلور کے باشندے اور حضرت تبسم کے ہمعصر تھے انہوں نے مولوی شاہ عبدالحی صاحب واعظ بنگلور کی "جنان البیر" پر تقریظ لکھی ہے۔ جس کی عبارت کا نمونہ ہدیہ نظر ہے۔

"جنان سخن ہیرا بی ثنا سے اس بہار ہیرا کا شاداب ہے کہ گلستاں کا ین و من کان جسکے شمال مہب نوال سے نضارت یاب ہے۔ چنار اسکے سوزش غم سے شرربار شقائق اسکے آتش الم میں داغدار گل اسکے گنجینۂ عالم نواز سے زر درکنار اور بلبل اسکے کارگاہ برگ و ساز سے نغمہ در منقار۔ دہان غنچۂ تسبیح نیایش میں اسکے گویا لب شگوفۂ تہلیل ستائش میں اسکے قطرہ زن ثنا ہیں اس جوہر اول کے ہو جو سالار جمیع مرسل کے ہیں۔

آپ کے شاعرانہ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے یہ غزلِ نعتیہ ۲۲ رنومبر ۱۸۷۶ء کے منشور محمدی میں شائع ہوی تھی

کیا منزہ روئے زیبا ہے رسول اللہ کا
خود خدائے پاک شیدا ہے رسول اللہ کا

کیا نبوت، کیا ولایت، کیا فقیری خسروی
صدقہ یہ ہر ہر کو پہنچا ہے رسول اللہ کا

رو دیا جنکے تعشق میں ستون تکیہ گاہ
کون ہے وہ جو نہ شیدا ہے رسول اللہ کا

آتش دوزخ سے اطہر عاصیوں کو حشر میں
بخشوائیں گے بھروسہ ہے رسول اللہ کا

غزل نعتیہ منشور محمدی ۲ ر ڈسمبر ۱۹۰۶ء

ازل سے بخت ہے یا در ہمارا	محمد ہے جو پیغمبر ہمارا
ہے رخشاں اوج پر اختر ہمارا	کہ نور حق ہے پیغمبر ہمارا
نشانِ آتش عشق نبی ہے	وجود مشت خاکستر ہمارا
لکھا ہے رفع دیوانی کی خاطر	جو شعر نعتیہ اطہر ہمارا

منشور محمدی ۲ ر ڈسمبر ۱۹۰۶ء

مذکورۂ بالا نثر اور نظم کے نمونے انکے قدرت بیان کے شاہد ہیں۔ بنگلور کے علماء اور فضلاء کی محفلوں میں اطہر بھی پورے کمال کے ساتھ ضو فشاں تھے۔

محمد عبدالرحمن دل

دلؔ بمقام سلگٹہ ضلع کولار ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۹۹ء میں ان کا انتقال بمقام بنگلور ہوا۔ انہوں نے مدراس اور بنگلور میں تعلیم پائی تھی۔ چن پٹن کے سرکاری مدرسہ میں بحیثیت معلم کام کیا۔ پھر اپنی لیاقت علم و فضل کی بدولت ترقی کرتے کرتے ۱۸۹۵ء میں کونسلر آف میسور اسٹیٹ بن گئے۔ اور خاں بہادر کا خطاب پایا۔ دلؔ حضرت غمؔ کے مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔

دل مرحوم صوبیدار میجر محمد عبدالقادر صاحب مرحوم کے خلف الرشید تھے عبدالسبحان ہشیار ریٹائرڈ اسسٹنٹ کمشنر ریاست میسور نے اپنی تصنیف خطبات اسلام حصہ اول کے تیسرے صفحہ پر بعنوان " جذباتِ توحید" اپنے والد ماجد حضرت دل کی ایک اردو نظم نقل کی ہے۔ اس کے بعض

اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

برق رحمت ہو رہنما میری ۔ رہ کھلے مجھ پہ ربّنا تیری
مہر سی چمکے برق ایمانی ۔ دل مرا ہو کمال نورانی
رعد الطاف دے صلائے کرم ۔ بے نوا کو ہو اک نوائے کرم
رو نما ہو تجلی وحدت ۔ تاکہ مفقود ہووے وہ ظلمت
جام دل ہو ولا سے بس معمور ۔ ماسوا کا خیال کوسوں دور
مئے الفت سے دل مرا ہو چور ۔ نشۂ عشق سے زبس مخمور

سالکِ مسلک فنا ہوں میں
واصل منزلِ بقا ہوں میں

انہوں نے ایک مختصر منظوم رسالہ " الماس جوبلی" ۱۸۹۷ء میں ملکۂ وکٹوریہ کی الماس جوبلی کے موقع پر لکھا تھا۔ اس میں ملکہ کے حالات زندگی اور میسور کے ممبر کونسل کرشن مورتی کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطاب پانے کا ذکر اور میسور کی ریجنٹ مہارانی کی تعریف و توصیف نظم کی گئی ہے۔

نیز انہوں نے ایک رسالہ نثر میں بنام " تحریرات اقلیدس مقالہ اول" لکھا ہے۔ اس وقت یہ کولار میں میر مدرس کے عہدے پر فائز تھے۔ رسالہ کے سرورق پر تحریر ہے۔

" ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا ہوا فہیم نکتہ داں محمد عبدالرحمٰن صاحب میر مدرس مدرسہ انگریزی و دیسی سرکاری کولار کا حسب منظوری سرکار دولتمدار صوبۂ میسور ان متعلموں کے واسطے جو سررشتۂ تعلیم عام سے متعلق ہیں۔ یہ رسالہ مطبع مسلمانی عبداللہ مشتاق واقع ویلور میں مطبوع ہوا۔ ۱۸۶۷ء"

مترجم موصوف کے اس رسالہ کے دیباچہ سے انکی طرز تحریر

پر روشنی پڑنے کے علاوہ میسور کے دوسرے اردو مدارس وغیرہ کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

" امابعد! بندہ امیدوارِ مغفرت منّان محمد عبدالرحمٰن خلف جناب محمد عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی میجر صوبیدار چہار دہم پیدل مدراس یہ گذارش رکھتا ہے کہ جب سے بفیض بخشی و تربیت منظوری سرکار دولتمدار صوبۂ میسور میں متعدد مدارس ہندوستانی مقرر ہونے آئے بندے کو خیال تھا۔ تحریرات اقلیدس سے جن کے فواید مواید اس فن کے عالموں پر ظاہر و باہر ہیں ۔ مقالہائے موجودہ بترتیب سہل و قریب الفہم جو ترجمہ انگریزی میں ملحوظ ہے بزبانِ ہندوستانی ترجمہ کیئے جائیں تاکہ مدارس مذکورہ کے متعلموں اور دوسرے شائقین کو فائدہ کثیر ہو لیکن بہ سبب چند واردات شاہد مطلوب منصہ ظہور پر جلوہ گر نہ ہوی ۔ علی الخصوص قلت استعداد مدارس مذکور نے انصرام مقصود کی طرف ملتفت ہونے نہ دی ۔ انہوں بفضلہ و بفضلِ حبیبہ مدرسۂ اسلامیہ محمدیہ واقع بنگلور کے چند لڑکوں نے اس فن کے سیکھنے کی استعداد حاصل کی ہے اور کتاب لائق نہ ہونے کے سبب سے اس کے فائدوں سے محروم ہیں ۔ کرم فرما محبی منشی عبدالحفیظ آرام نے جو ناظمِ مدرسہ قبل الذکر ہیں اور متعلموں کی ترقی کی طرف بدرجۂ اتم راغب و مائل ایما فرمائی کہ مقالۂ اول تحریرات موصوفہ سے بزبان ہندوستانی ترجمہ کیا جاوے تو بالفعل مذکور مدرسوں کے بڑے فائدے کا سبب ہے ۔ بایں ہمہ بندے کے خیال میں بتدریج سب مدارس کا فایدہ متصور تھا۔ چنانچہ جناب مہتمم صاحب مدارس میسور نے بھی اپنی دستورالعمل کے درجۂ اول میں تحریرات اقلیدس کے درس و تدریس کو مقرر فرمایا ہے

بندہ نے باوجود ہیچمدانی و عدم لیاقت کے نظر برایں

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ✤ اگر خارے بود گلدستہ گردد

ترجمۂ مذکور کی طرف متوجہ ہو کے عرصۂ قلیل یکھتے ہیں مقالۂ اول کا ترجمہ کیا۔"

ان کا یہ رسالہ ۸۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔ آخر میں عربی اصطلاحات کے ہندوستانی معنوں کی فہرست نیز انگریزی و عربی اصطلاحات کی فہرست بھی دی ہے۔ مثلاً

عربی	ہندوستانی
اخراج	کھینچنا۔ کھڑا ہونا
اشکال ذو ثلاثۃ الاضلاع	تین کونی شکلیں
اشکال ذو اربعۃ الاضلاع	چوکونی شکلیں
بدیہی	دستی بابت (بمعنی دکھائی دینے کے)
بسیط	چوڑان و لمبان
زاویہ متصلہ	نزدیک کا کونہ

ذیل کے اشعار آپ سے منسوب ہیں

آرام سے کیا سوتے ہیں آغوش لحد میں ✤ جو گود کے پالے تھے پڑے گور کے پالے
گلشن کسے معلوم ہے بستاں ہے کسے یاد ✤ ہم خانۂ صیاد میں ہیں ہوش سنبھالے

حوروں کے طلبگار نہیں تیرے طلبگار ✤ تیرے ہیں طلبگار طلبگار محبت
خمخانۂ ہستی میں ہے بس پیر مغاں کی ✤ آتا ہے جو یاں ہوتا ہے سرشار محبت

ریاست میسور میں دل مرحوم ایک ذمہ دار عہدے پر فائز تھے فرائض منصبی کی ادائیگی کے باوجود اردو نوازی میں بھی سرگرم عمل

رہتے تھے۔ مشاعروں میں بڑے شوق سے شرکت کرتے اور اہل علم و فن کی ہر ممکن طریقے سے مدد کرتے تھے۔

عبدالحق تحقیق

سنہ ۱۹۰۰ء میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں انہوں نے ایک رسالہ بنام "شمع سخن" جاری کیا تھا جو بارہ تیرہ سال تک کامیابی سے چلتا رہا۔ یہ رسالہ ۱۶ سے ۲۵ صفحات تک شائع ہوتا تھا۔ جس میں اس عہد کے نامور علماء و فضلاء لکھا کرتے تھے۔ اشعار ذیل آپ کی قادرالکلامی اور روانیٔ طبع پر شاہد ہیں۔

جلوہ مرے بقا کا ہستی شرر کی دیکھو ۔۔۔ گرم رہ فنا ہوں باقی و بے نشاں ہوں

خلوت سے تنگ ہے دل نہ باغ میں شگفتہ ۔۔۔ کیا راز دل کہوں میں غنچہ کا ہمزباں ہوں

دکھا نہ مسیحا سے بھی جب تیرا مداوا ۔۔۔ اللہ کو سونپا تجھے بیمار محبت

صورت گر معنیٰ نہ ہوا جوہر مانی ۔۔۔ آئینہ ہوا مانع دیدار محبت

جنبش باد فنا یاد جو آجاتی ہے ۔۔۔ گل کو ہوتی ہے خلش ہوتے ہیں لرزاں کانٹے

نفع منعم کی محبت بھی نہیں موذی کو ۔۔۔ دامن گل میں پڑے گو رہتے ہیں عریاں کانٹے

عبدالحی صاحب واعظ کی تصنیف قران السعدین فی حقوق الزوجین کی تحقیق کی لکھی ہوئی تاریخ تالیف اس کتاب کے آخر میں مندرج ہے۔

حضرت مولوی شہ عبدالحی ۔۔۔ حامیٔ شرع رسول الثقلین

لکھ بہ دو نسخے کئے یہ منظوم ۔۔۔ صاف ہندی ہے حقوق الزوجین

جلوہ گر مثلِ قران السعدین ہو رہے دربرج صفا صدبارین
جس سے ہے نور ہوا عظ نفشاں بہ احادیث نبی الحرمین
کہا تاریخ منجّم دل کا
حسبِ تحقیق قران السعدین

اس عہد کے اردو نواز طبقے کی طرح تحقیق نے بھی اردو کی خدمت اپنے گراں بہا رسالے "شمع سخن" کے ذریعے کی ہے۔

قادر شریف صابر

قادر شریف متخلص صابر محمد شریف کے فرزند اور بنگلور کے متوطن تھے۔
سنہ پیدائش ٹھیک معلوم نہیں۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسۃ العلوم سے فضیلت کی سند حاصل کی۔ صابر ابتدا ہی سے تنگدست رہے۔ ان کے والد بھی ایک غریب تاجر تھے۔
صابر کو شروع سے ہی شعر و سخن کا شوق رہا۔ بچپن گذرا جوانی آئی۔ دیکھا تو بنگلور مشاعروں کا مرکز تھا شہر بھر میں آئے دن کہیں نہ کہیں مشاعرے ہوا کرتے۔ جن میں بنگلور اور بیرون بنگلور کے سربرآوردہ شعراء جیسے خان بہادر عبدالرحمٰن صاحب دلؔ۔ کونسلر ریاست میسور۔ خان بہادر محمد علی صاحب جوہرؔ ڈپٹی کمشنر۔ خان بہادر محمد عبدالرحمٰن صاحب خاکیؔ۔ حضرت اطہرؔ۔ حضرت غمؔ۔ حضرت جادوؔ۔ حضرت عبداللہ حسین خلیلؔ اور حضرت تحقیقؔ وغیرہ

۱؎ حضرت صابر کے حالات کے لئے ہم جناب محمود مصنف سلطنت خداداد کے ممنون ہیں

شریک ہوتے اور داد سخن دیا کرتے تھے۔

جس شہر کی گلیوں میں شعر و شاعری کے چرچے اس قدر فراواں ہوں وہاں صابر جیسے ہونہار نوجوان کا شاعری کی جانب مائل ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پتہ نہیں کہ انہوں نے اصلاح سخن کس سے لی۔ بہرطور ان کا نام رسالۂ دلسوز سے چمک اٹھا۔ ۱۸۸۷ء میں جب مولانا شرر نے لکھنؤ سے "دلگداز" جاری کیا تو صابر نے بنگلور سے "دلسوز" شائع کیا۔ اس میں مضامین نثر کے علاوہ طرحی و غیرطرحی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ شرر نے جب روسیوں اور ترکوں کی جنگ سے متعلق ناول "حسن انجلینا" شائع کرنا شروع کیا تو صابر نے اپنے رسالہ میں نواب حیدرعلیخاں اور انگریزوں کی جنگ سے متعلق ایک ناول شائع کرنا شروع کیا انگریز حکام کو یہ ناول ناپسند ہوا تو رسالہ زبردستی بند کر دیا گیا۔

صابر اخبار "باد صبا" کے بھی ایڈیٹر رہے۔ یہ ہفتہ وار اخبار بنگلور کے نائی پیشہ مسلمان نکال رہے تھے۔ جب یہ بھی بند ہو گیا تو صابر قاسم الاخبار کے دفتر میں ملازم ہو گئے۔ اور کتابت بھی سیکھ لی۔ گذر اوقات اسی اجرت کتابت پر تھا۔

لکھنؤ سے اس زمانہ میں شعر و سخن کا ایک گلدستہ "پیام یار" شائع ہوتا تھا جو کثیرالاشاعت تھا۔ اس کے ہر نمبر میں صابر کا کلام ہوتا تھا۔ جس کی بدولت ان کی شہرت ہندوستان بھر میں ہو گئی۔

صابر نجوم کے قائل نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف اس زمانے میں ایک چھوٹا سا رسالہ بھی شائع کیا۔ اور حسن و عشق کے موضوع پر ایک مثنوی بھی لکھی جو بنگلور میں شائع ہوئی۔ آخر عمر میں ان کو علم نجوم کی شاعری کا بھی شوق ہو گیا تھا۔

پس "آزاد ظریف" کے نام سے ایک بھانڈ کا مجمع بنایا۔ ان دونوں بھانڈوں کی شاعری زیادہ تر جھگڑ بازی ہوتی تھی۔ مگر صابر نے کبھی متانت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا

صابر جب بنگلور میں روزگار سے بہت تنگ آگئے۔ تو وانمباڑی جاکر "نصیبر" نام کا ہفتہ وار اخبار جاری کیا اور پنچ الپنچ بھی۔ جب یہ دونوں بھی بند ہو گئے۔ تو پھر بنگلور واپس آگئے۔ وانمباڑی کے دوران قیام میں انہوں نے ایک غزل کہی تھی جس کا مقطع یہ ہے۔

سیر کر لیتا ہوں صابر رات بھر جنت کی میں
جب خیال آتا ہے مجھکو خواب میں بنگلور کا

صابر تلاش روزگار میں حیدرآباد بھی گئے۔ اس وقت امیر مینائی بھی وہاں تھے۔ داغ کا طوطی بول رہا تھا۔ کیونکہ وہ نظام دکن کے استاد تھے۔ مگر صابر امیر مینائی کے شاگردوں میں شامل ہو گئے ملازمت وہاں بھی نہ ملی۔ بنگلور واپس آکر "مطبع علوی" کے نام سے ایک مطبع جاری کیا۔ اور اس کے چند ماہ بعد انتقال کر گئے۔ اگرچہ انہوں نے اپنا دیوان ترتیب دیا تھا مگر شائع نہ ہوا۔ اور نہ کسی کو ان کے مسودات کا پتہ ہے۔ صابر کی تمام زندگی عسرت و تنگدستی میں گذری۔ اس لئے ان کے کلام میں حزن و یاس کا عنصر زیادہ غالب ہے۔ ان کے کلام سے ان کی عالمانہ شان اور طبع رسا کا پتہ چلتا ہے۔

تم کو ہے شوق مشق خنجر کا ‏ ‏ ‏ مجھ کو ہے شوق بازی سر کا
دل میں رہ کر نظر نہیں آتا ‏ ‏ ‏ ہے ستم یہ بھی اس ستمگر کا
بے نشاں وہ نہیں ہے اے قاصد ‏ ‏ ‏ لامکاں گھر نہیں ہے دلبر کا

حرمتِ مے بیان کر داعظ　　خیر ہے۔ ذکر کیا یہاں شر کا
جبہہ سائی ہزار ہو صابر　　لکھا مٹتا نہیں مقدر کا

کلام کا درد اور بشریت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

تڑپتے لوٹتے ہم ہجر میں بستر پہ سوتے ہیں　　الٰہی وہ بھی ہیں جو زانوئے دلبر پہ سوتے ہیں
کسی در پر نہ گھر پر راہ کے پتھر پہ سوتے ہیں　　اٹھائے کوئی کیوں ہم کو کسی کے سر پہ سوتے ہیں
پریشاں ہے زمانہ حشر میں پرسش سے اے ساقی　　بڑی راحت سے تیرے مست سب کوثر پہ سوتے ہیں

خدا غریبوں کا ہے کارساز اے صابر　　دھواں لحد سے جو نکلا تو شامیانہ ہوا

معشوق کی عظمت کا یہ حال ہے کہ۔

اے ماہ تیرے در کی گدائی کے واسطے　　پھرتا ہے لے کے چرخ بھی کاسہ ہلال کا

دوست کے آنے اور جانے کا سماں یوں کھینچتے ہیں۔

غش کی طرح آئے تو گئے ہوش کی صورت　　آفت تمھاری جان پہ یارانہ کسی کا

باوجود اقلیم سخن کے مالک ہونے کے اپنی حرماں نصیبی پر یوں ماتم کناں ہیں۔

دیکھ لے دے کر فلک اب لعل و گوہر ہاتھ میں
ہوں وہ بداختر کہ بن جائیں گے پتھر ہاتھ میں
جو نہیں میرا قلمرو کونسی ہے وہ زمیں
شاعری کے اب ہیں صابر ہفت کشور ہاتھ میں

وہ بدنصیب ہوں کہ مجھے قاسم ازل　　حصہ دیا نہ مال و کمال و جمال میں

ں میں وہ بدبخت فرصت کو رہا مجھ سے گریز
جب گیا میں سیر کو گلشن بھی صحرا ہو گیا

عظمت انسانی کے بیان میں یوں رطب اللساں ہیں

ے

ے ملایک کہوں کیا کون ہوں اور کیا ہوں میں
سجدہ تم سے لیا وہ خاک کا پتلا ہوں میں
ہم ظاہر ہے جو دیکھو مجھے قطرہ ہوں میں
اصل کو میری اگر سمجھو تو دریا ہوں میں
سطے میرے نے ارض و سما شمس و قمر
جہاں خانہ میں مہمان ہوں پیارا ہوں میں

نیا میں آکر ہم نے کیا کیا۔ ے
ہٹی کو بسم یار کو دل حق کو جان دی ہم ساتھ جو کہ لائے تھے تقسیم کر گئے

اپنے تخلص کی وجہ تسمیہ کے بیان میں صفت حسن التعلیل کا استعمال ملاحظہ ہو

ظلم ظالم اس قدر سہتا رہا قادر شریف
لوگ صابر نام اب رکھتے ہیں اس ناشاد کا

میسور میں ایک فی البدیہہ مشاعرہ ہوا تھا۔ اس میں طنزیہ طور پہ مصرع طرح دیا گیا تھا۔ طنز اس لئے کہ صابر کوتاہ قد تھے صابر نے مقررہ وقت میں گیارہ شعر لکھے تھے۔ ان میں سے دو یہ ہیں۔

یہ ہاتھ ہیں توڑے شجر طور کے پتے ڈٹیں قد کوتاہ سے کب دور کے بتے
وہ نشو و نما ہے یہ مرے طبع کی صابر میسور میں سرسبز ہیں نیگاور کے بتے

ایک مرتبہ کہتے ہیں۔

ہندوستاں پہ کچھ نہیں موقوف شاعری
یہ حصہ اس کا ہے جسے پروردگار دے

صابر کے کلام میں اعلیٰ تخیل، روانی اور دلکش ترکیبوں کی فراوانی ہے۔ اس دور کے تمام شاعروں نے صابر کو استادِ عصر تسلیم کیا ہے۔ ترنم اور دلکشی نے ان کے کلام کو زوردار اور پر لطف بنادیا ہے۔

حسن خاں کلیم و خطیب

ان کا مولد و مسکن محسکر بنگلور تھا۔ یہ اردو، فارسی اور عربی کے عالم متبحر اور فن شاعری کے استاد تھے۔ تقریباً سو سال کی عمر میں اوائل بیسویں صدی میں انتقال فرماگئے۔ ریاست بھر میں آپ کے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ جن میں عطاؔ اور صولتؔ نہایت مشہور و معروف رہے ہیں۔ بھانڈ کی شاعری بھی نہایت فصیح و بلیغ اسلوب میں کرتے تھے۔ اور اپنے وقت کے مشہور شعراء ناصرؔ و صابرؔ اور دیگر محرمی مجموں کے ساتھ مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ اور ان کی بدیہہ گوئی زبان زدِ خاص و عام ہے۔ ان کا کلام بھی ان کے شاگردوں کی فاصبانہ ذہنیت کا شکار ہو کر رہ گیا۔ جس کی وجہ سے دیوان کی اشاعت نہ ہو سکی۔ انھوں نے فارسی میں بھی دادِ شاعری دی ہے اور کبھی کبھی عربی زبان میں بھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

یا نبی سایۂ اللہ ہے سایہ تیرا   نور اللہ کا ہے جسم مصفا تیرا

کون منکر ہے شفاعت کا تری اے شفیع ـ بعد اللہ کے محشر میں وسیلہ تیرا
دیکھکر حلیہ انوار نبی کی رنگت ـ رنگ اڑجائے ابھی اے گل رعنا تیرا
پڑگیا مہر نبوت کا جو سایہ تجھ پر ـ نور چمکا ہے عجب ہے ید بیضا تیرا

اے گل گلے سے تو نہ لگائے مجھے اگر ـ بو ہو کے چھپ تیرے پھولوں کے ہار میں

کانوں میں اسکے پھول نہیں ہیں گلاب کے ـ ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

شعر و شاعری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ خوبصورت تشبیہوں اور استعارات سے کلام کو مزین کرتے تھے۔ قدرت بیان۔ روانی اور اردو زبان کی لطافت نے لوگوں کو گرویدہ بنا لیا تھا

عبدالحفیظ آرام

بنگلور وطن تھا علم و فضل مشہور و ممتاز عالم با عمل تھے۔ انہوں نے بنگلور میں مدرسۂ اسلامیہ جاری کیا۔ اور خصوصاً بچوں کی تعلیم میں زیادہ حصہ لیا کرتے تھے۔ انیسویں صدی کے آخر میں "ترغیب" نامی ایک ماہوار رسالہ پہلی مرتبہ عورتوں کے لئے جاری کیا۔ بزم غم کے مشاعروں میں آرام ہمیشہ شرکت فرماتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

تربت میں بھی کیوں چشم مری وا نہ رہیگی ـ آرام ہوں میں طالب دیدار محبت
داغ بت ہندو سے ہے دل شمع سراپا ـ کیوں سانس نہو رشتۂ زنار محبت

قران السعدین فی حقوق الزوجین کی تاریخ تالیف اس رسالے کے آخر میں ان کی ہی لکھی ہوئی ہے

قسمت سے رسالۂ قران السعدین — جس وقت مرتب ہوا با زینت وزین
تاریخ کہا از روئے جرأت آرام — کیا خوب رسالہ ہے حقوق الزوجین

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی — گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

آرام نہ آرام جہاں ہے زیبا — جو وقت کہ گذرا وہ کبھی پھر نہ پھرا

آرام کے ایک بھائی کی جوانمرگی نے انہیں کافی صدمہ پہنچایا تھا۔ وہ اپنے واردات قلبیہ کو اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

ایسی تپ غم سے تنِ سوزاں میں لگی آگ — دامن جو بجھایا تو گریباں میں لگی آگ
اس رنج و الم کے میں مضامین جو باندھے — اوراق لگے جلنے قلمدان میں لگی آگ

شیخ احمد اتقن

نام شیخ احمد۔ تخلص اتقن۔ یہ ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں انتقال فرمایا۔ ان کے آباء و اجداد سپاہی پیشہ تھے۔ ان کے والد نے پنشن حاصل کرنے کے بعد جبلپور سے آکر روزی پور ضلع بنگلور میں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ اتقن یہیں پیدا ہوئے۔ جوانی میں بحیثیت ہڈ ماسٹر مدارس سرکاری میں ملازمت کی۔ ان کو فن شاعری کے علاوہ نجوم

اور رمل سے بھی دلچسپی تھی۔ صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت کم سخن نیک خو اور نیک کردار تھے۔ خالص ہندی میں بھی انہوں نے متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

یہ مہارانی والی میسور — ساری زبان ہند میں مشہور
یہ دعا ہے کہ اس ریاست کو — حق تعالیٰ سدا رکھے معمور
اب جو ریجنٹ ہیں مہارانی — ان کے جود و کمال ہیں مشکور
تہ دل سے دعائے الفق ہے — شاد و خرم ہو حاکم میسور

ایک ہندی شعر بھی ملاحظہ فرمائیے

دا ہوہ لیا تھا جس نے مرادہ دیکھو ادھر پھیر آوت ہے
جب آکے یہاں سے جاوت ہے وہ جی ہی مار لے جاوت ہے

ایک فقیر عثمان شاہ کو دف بجا کر پڑھنے کے لئے یہ شعر لکھ کر دئے تھے۔

راہ اللہ مری خبر لینا — جائے جنت میں اپنی کر لینا
مومنو! کچھ مجھے یہاں دیکر — اپنی گودوں کو زر سے بھر لینا
بن ہوں در پر کھڑا مجھے دیدو — قصر فردوس ہے اگر لینا
پوچھو الفق سے گر یقین نہیں
ہے یہ دنیا تو سر بسر لینا

عبدالرحیم ممتاز

نام عبدالرحیم۔ کنیت ابواحمد۔ تخلص ممتاز اور نامی دونوں کرتے تھے۔ وطن بنگلور۔ ممتاز پریس بنگلور کے مالک تھے۔ اردو فارسی زبان کے اچھے عالم تھے۔ اور اپنے دور کے بہترین شاعر مانے جاتے تھے۔ حضرت امیر مینائی سے تلمذ حاصل تھا۔ یہ بنگلور کے اطراف و اکناف بھانڈ کے طائفہ کے شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور رہے۔ عطا بنگلوری سے زیادہ تر ان کی شاعرانہ نوک جھونک رہا کرتی تھی جو خود بھی بھانڈ کے طائفہ کے ایک مشہور شاعر تھے۔ نمونہ کلام

میسر ہو جیسا کہ دل چاہتا ہے — تو لائے احمد دِلا ئے محمدؐ
خدا پوچھے گر چاہیئے کیا تو کہدوں — مجھے چاہیئے کیا سوائے محمدؐ
خودی بیخودی کیا ہے بیگانہ سب سے — شناسائے حق آشنائے محمدؐ
اگرچہ ہے ممتاز عاصی الٰہی — مگر بخش دینا برائے محمدؐ

غلام عبدالقادر امیر

غلام عبدالقادر متخلص امیر متوطن ترپکرہ، میونسپل کمشنر ترپکرہ۔ حضرت نسیم میسوری کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر یادگار ضیغم میں ملتا ہے بڑے خوش گو شاعر گذرے ہیں۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا دور دور تک چرچا تھا۔ ان کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ نمونہ کلام

واعظ کی گفتگو پہ امیر صنم پرست — مسجد میں جا کے آج مسلمان ہو گیا

ے

بیتاب ہے ہر ایک خریدار محبت — کس زور پہ ہے گرمیٔ بازار محبت
بیخود مئے الفت سے نہ کیونکر ہوں امیر آپ — آتے ہیں کہیں ہوش میں سرشار محبت

میکش

حافظ عبدالعزیز خاں متخلص میکش[1] بن امیر خاں تحصیلدار ریاست میسور، بنگلور میں پیدا ہوئے۔ عبدالقادر معمور مدراسی سے پہلے پہل اصلاح لی۔ پھر داغ سے رجوع کیا۔ رام پور میں برسوں اپنے استاد کے پاس رہے۔ پہلے انھوں نے مغفور اور ارمان۔ لیکن آخری عمر میں میکش تخلص اختیار کیا۔ کلام میں حد درجہ کی شستگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ میکش نے اپنے دیوان کو گلزار میکش کا نام دیا تھا۔ لیکن زیور طبع سے آراستہ نہوا۔ پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام

بس ایک ہی گناہ ہوا مجھ سے اے خدا
خوں جو کیا ہے توبہ کا بزم شراب میں

دھو کے میں آج شیخ کو میں نے پلا ہی دی
تھوڑی سی مئی ملا کے بہت سی شراب میں

وہ اور ہیں جو پیتے ہیں پانی ملا کے مئے
میکش نے زہر گھول رکھا ہے شراب میں

منشی حسن علی نقشبندی آہ

منشی غلام محی الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ان کے والد سپہ گری کے سلسلے میں بنگلور آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔ آہ بنگلور میں رہتے تھے۔ اور ہندوستانی نارمل سکول اور ہائی سکول میں میر مدرس رہے۔ اردو فارسی کے اچھے عالم تھے۔ منشور محمدی جلد اول

۱۔ میسور میں اردو۔ از میلم نزائی۔ مطبوعہ سب رس۔ رسالہ انجمن

نمبر ۱۹ میں ان کی جو رباعیات شائع ہوئی تھیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔

اے آہ سوائے شرک جتنے ہیں گناہ — بخشے گا انہیں فضل سے اپنے اللہ
لیکن تو یقین جان لے اے مرد رشید — جو شرک کیا، دور پڑا، بھولا راہ

صاحب کا ہوا جو کوئی فرماں بردار — اور مان لیا حکم نبی مختار
پھر حق سے ڈرا اور نہ چھوڑا تقویٰ — ہر حال میں اے آہ اسے ہے پھٹکار

نسخہ ہر عیب سے یہ پاک ہو اللہ کرے — تا عدو اور بھی غمناک ہو اللہ کرے
صدقہ سے اس سخن پاک کے مظہر میرا — پڑھ کے یہ نسخہ کو چالاک ہو اللہ کرے

اوقاتِ عزیز کو گنوانا کیا ہے — سستی کو کرو دور بہانا کیا ہے
کچھ فضل و کمال جلد سیکھو بابا — تم جانتے ہو طرز زمانا کیا ہے

مت کھیل ہنسی میں وقت کھوؤ بابا — بے علمی کو دیکھ اپنی روؤ بابا
جاہل ہیں زمانہ میں خوار کیسے کیسے — دنیا کو آنکھ اٹھا کے دیکھو بابا

انہوں نے ایک رسالہ اشتہار القواعد مسمی بہ مظہر الفوائد لکھا تھا۔ ۱۲۸۹ھ میں مطبع فردوسی۔ واقع لشکر بنگلور سے شائع ہوا۔ اس کے دیباچے میں آہ لکھتے ہیں۔

"اما بعد! خاکسار ازل منشی حسن علی نقش بندی عفی عنہ کہتا ہے۔ کہ سن ایکہزار دوسو ستہتر ہجری نبوی میں برخوردار ازل میاں مظہر علی صاحب اطال اللہ عمرہ کے لئے چند سطریں قانون کی

بابت میں لکھا ہے۔ اس امید پر کہ برخوردار مذکور کو اور ان کے ہم عمر یعنے چھ سات برس کے لڑکوں کو اس سے فائدہ حاصل ہو۔ خداوند تعالےٰ ویسا ہی کرے۔ اور نام اس رسالہ کا "مظہر الفوائد" رکھا۔

اس کتاب میں مروجہ اردو زبان کے قواعد بطور سوال و جواب بیان کئے گئے ہیں۔

س ۔ تمہاری زبان کا نام کیا ہے ؟

ج ۔ ہندوستانی

س ۔ قانون والے ہندوستانی زبان کے کتنے حلقے ٹھہرائے ہیں ؟

ج ۔ تین (۳)

س ۔ کون کونسے ؟

ج ۔ اسم ۔ فعل ۔ حرف

آخر میں ایک قطعہ لکھا ہے

لڑکو! اتنے دن جو کھیلے | کیا تم نے میاں کہو کمایا
کیا کرتے ہو کس خیال میں ہو | جو سیکھ لئے ابھی سو آیا
جب ہو گے جواں تو کچھ نہ ہوگا | پچتاؤ گے کیا کریں خدایا
تب آہ کو تم برا نہ بولو | بیچارہ تو آگے ہی بتایا

انہوں نے نزد زبان[1] نامی ایک کتاب جو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ لکھی ہے۔ کتاب کو اس رباعی پر ختم کرتے ہیں۔

سر خاک پہ رکھکر یہی کہتا ہے آہ | مقصود مصنف سے ہے تو ہی آگاہ
ہیں انگلیوں میں تیری دلوں کی باگیں | پھیر اس کی طرف دلوں کو سب کے اللہ

۱۔ نزد زبان فارسی زبان سیکھنے والے مبتدیوں کے لئے بڑی کارآمد ہے۔ آسان اردو زبان میں لکھی ہے۔ ابھی یہ کتاب میسور میں اتنی مقبول ہے کہ اکثر آج بھی فارسی زبان سیکھنے کے شوقین بندے اسی سے کام لیتے ہیں

ایک اور کتاب انہوں نے بنام مجموعۂ قواعد اردو بی۔ یل۔ یس صاحب ڈائرکٹر مدارس ممالک میسور و کرگ (کورگ) کے فرمان کے بموجب اپنے مطبع نقشبندی میں پہلی مرتبہ بمقام بنگلور ۱۸۷۶ء میں شائع کی اس وقت یہ اردو فارسی نارمل سکول کے ہڈ ماسٹر تھے۔ یہ کتاب ۲۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں لکھتے ہیں۔

" اما بعد ایں ہیچمدان خاکسار ازلی شاہ حسین زماں عرف منشی حسن علی نقشبندی۔ بیٹا منشی غلام محی الدین نوراللہ مرقدہ کا گذارش کرتا ہے جناب معلیٰ القاب، عالی منزلت، بلند مرتبت۔ مدارس ممالک میسور اور کرگ (کورگ) کے ڈائرکٹر۔ بی۔ یل۔ یس۔ صاحب بہادر دام دولتہ کے حسب الحکم قواعد اردو کے چاروں حصوں کے مضامین چن کر اس ایک رسالہ میں لکھا۔ اور کہیں کچھ بڑھایا۔ اور کہیں کچھ کم کیا اور کہیں کہیں کچھ توضیح و تشریح کر کے نام اس کا مجموعۂ قواعد اردو رکھا۔ اور سن ایکہزار دوسو اکانوے ہجری میں تحریر سے اس کے فارغ ہوا۔ امید کہ مقبول خاص و عام بنے۔ اور اگر کہیں خطا رہ گئی ہو تو اصلاح حضرات سے اس کا کام بنے۔"

اس قانون میں مصنف نے تذکیر و تانیث کے فعل میں فرق رکھا ہے۔ یعنی لڑکے سنے۔ لڑکیاں سنیں۔ کتی (کتیا) کاٹتی ہے۔ کتیاں کاٹتی ہیں۔ وغیرہ۔ تاہم اس زمانہ میں بھی "نے" علامت فاعل کا استعمال ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی ایک اور تصنیف مسمیٰ بہ کریما مندنامۂ سعدی شیرازی ہے۔ جس میں فارسی الفاظ کے معنے اردو میں لکھ کر اپنے زیر اہتمام شائع کیا تھا۔ اس کے آخر میں لکھتے ہیں ؎

الٰہی بحق محمد رسول ہو یہ طرز تازہ جہاں کو قبول

نیز مختلف مضامین کا ایک مجموعہ بنام منتخبات اردو مدارس

کے لئے ریورنڈ ڈیڈ ورڈ ڈیسل صاحب نے شائع کیا تھا۔ اس کے صفحہ ۲۱ پر ان کی ایک نظم کے بعض اشعار یہ ہیں

؎

تو پہلے ہاتھ، منہ اور ناک کر پاک | ادب سے جا جہاں سفرہ چنا ہے
ادائے شکر کر نعمت خداوند | تو اپنے لطف سے یہ کچھ دیا ہے
غرض ایسی بہت ہیں اور باتیں | عمل ان پر تو کر آگے خدا ہے
اگر آئے پسند اک بات تجھکو | دعا کر آہ محتاج دعا ہے
مبارک منہ سے اتنی بات کہدے | خدا بخشے اسے جو یہ لکھا ہے

غرض انہوں نے اپنے وقت میں اردو زبان کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ تاریخ ہند۔ زبدۃ القواعد چہل سبق۔ نردبان حصہ اول۔ نردبان حصہ دوم۔ منتخبات اردو حصہ اول اور منتخبات اردو حصہ دوم کے بھی یہ مصنف ہیں۔

میر حیات روحی

ان کے والد ماجد کا نام سید بڈھن تھا۔ یہ جناب عابد صاحب کے شاگردوں میں ایک ممتاز فرد تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی اور عربی صرف و نحو کی کچھ ابتدائی کتابیں عابد صاحب سے پڑھیں۔ مزید تعلیم پانے کی غرض سے مولوی عزیز اللہ خاں

---

۱ - ان کے حالات ان کی اہلیہ محترمہ سے معلوم ہوئے جو اس وقت اسی سال کے لگ بھگ ہیں۔ سلطان محمود خاں محمود اور محمد قاسم انصاری خستہ نے بھی ان کے حالاتِ زندگی بیان کئے تھے۔

صاحب اور مولانا میر محمود محمود صاحب کے ساتھ ویلور گئے تو وہاں کے علماء نے ان کی قابلیت دیکھ کر وہاں فارسی کی درس و تدریس کی خدمت ان کے سپرد کردی۔ پانچ سال تک وہیں رہے۔ پھر میسور واپس ہوئے اور ہائی سکول کے منشی بنے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد نارمل سکول میں اردو فارسی کے استاذ کا عہدہ انکے سپرد کیا گیا۔

فارسی زبان میں ان کے اشعار گہر بار نہایت قابل قدر ہیں۔ یہ ایرانی نژادوں کی طرح بڑی بے تکلفی اور سلاست کے ساتھ فارسی میں گفتگو کر سکتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں تقریباً پچپن سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ ہدیۂ نظر ہے۔

وقت ہزیمت آیا دشمن کو اے عزیزو
میرے مقابلہ میں کس طرح آسکے گا
اہل نظر جو تھے سب دنیا سے چل بسے اب
کوئی کمال اپنا کیوں کر دکھا سکے گا
نادان ہیں مقابل ہرگز مقابلہ کو
کوئی نہ آسکے گا کوئی نہ جا سکے گا

غلام احمد احمد

احمد۔ غلام عابد صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ چلمگلور میں مدرس رہے ۱۹۰۹ء میں انہوں نے انتقال کیا۔ ان کا ایک نعتیہ دیوان[1] شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو

ہمیں کیا خوف اے نفس زبوں ہے فوج عصیاں کا
حصارِ عافیت ذکر نبی ہے اپنے ایماں کا

قید حیات موت ہے اہل فراق کو بدتر بدن سے روح کو زنداں نہیں ملا

مرشد کے لقا میں گم جو ہوا پائیگا نبی کے جلوے کو
چھوڑی نہ خودی پایا نہ خدا یہ بھی نہوا وہ بھی نہوا
احمد کا بھلا کیونکر ہو بھلا نیکی نہ ہوئی ہر کام برا
نے فکر نبی نے ذکر خدا یہ بھی نہوا وہ بھی نہوا

خدایا تو نے موزونی عنایت کی ہے احمد کو
عطا کر روح شہ میں شغل دیواں کی کتابت کا

عمر بھر میں ایک جلوہ ہوگیا نظارہ بنی[2]
وہ بھی وقفِ بیخودی جانِ مضطر ہو گیا

---

[1] انوار سرمد مملوکہ سلیم تمنائی

زاہدوں کا سخت مشکل میں گذارا ہو گیا

خلد پر عشاق احمدؐ کا اجارا ہو گیا

دیوان احمد حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے
در ہر حرف کی ردیف کے خاتمہ پر متعدد فارسی غزلیں اور
ردیف یٰ کے خاتمہ پر متعدد مسدس اور معجزات منظوم
مندرج ہیں

احمد کا کلام صاف ستھرا اور ان کے پاکیزہ تخیل کا
آئینہ دار ہے۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ نعتیہ ہے۔ جو ریاست
میسور میں بڑی پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

شاہ عبدالقادر علی قادری صوفی

صوفی شاہ عبدالحی صاحب
واعظ بنگلوری کے فرزند
ارجمند، علم و فضل اور
روحانی قوت کے بادشاہ تھے۔ علم تصوف میں انہیں ید طولیٰ حاصل
تھا۔ بوقت نزع انہوں نے اپنی تاریخ وفات خود اپنی زبانِ
اقدس سے فرمائی۔ ع۔ رفت اہلِ دیں فقیہہ و صوفی و عالم بگو
۱۳۱۴ھ

جنان البیر کے باب ہشتم کو انہوں نے ہی نظم کیا تھا۔ اس میں
لکھتے ہیں کہ "لقب محی الدین نام عبداللطیف" سے ان کو اور ان
کے والد کو شرف بیعت حاصل تھا۔ اور دونوں نے علمِ تصوف کا
اکتساب ان سے ہی کیا تھا۔ لہذا کہتے ہیں

ملا اس کا داماں لڑکپن سے ہی ہے کہ بسم اللہ خوانی اسی سے ہوی
پھر اپنے والد ماجد کے حکم سے معجزات محمدی کے لکھنے کا
احوال بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اکیس برس کی عمر میں انہوں نے
امام غزالی کی احیاء العلوم کا ترجمہ عربی سے ہندی زبان میں پھر
حدیث و فقہ کی ایک کتاب اور تاریخ کا ترجمہ کیا۔ وجود سموات
میں ثوابت نام کا ایک رسالہ لکھا۔ "مالابد" کا ترجمہ ہندی
میں کیا۔ پھر معجزات آنحضرت جمع کئے۔ تاریخ اختتام رسالۂ
معجزات خیر الانام میں لکھتے ہیں

چمن معجزات حضرت کا حضرت خاتم الرسالت کا
باغ دائم بہار ہے گیا ہے رنگ رکھتا ہے کس نضارت کا
نسخہ معجزات یہ اپنا شمہ اک معجزات حضرت کا

بالبدیہہ اس کا سال بلبل دل
بولا صوفی کرشمہ قدرت کا

ان کا ایک نعتیہ قصیدہ یہ ہے

تجھ سا حبیب خالق داور نہیں کوئی تیری صفات و ذات میں ہمسر نہیں کوئی
تیرا نظیر ارض و سما پر نہیں کوئی تجھسا محیط نور کا گوہر نہیں کوئی
چمکے ستارگان نبوت ہزار ہا لیکن ترے سا ماہ منور نہیں کوئی
والشمس ترے مصحف رخ کا ہے لفظ ایک ایسا جہاں میں روئے منور نہیں کوئی

کیجے کرم سے بندہ صوفی کے دل کو پاک
اے شاہ مانند اس کے منور نہیں کوئی

سید شہاب الدین شہاب

شہاب ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء میں بمقام ویلور پیدا ہوئے ان کے جد اعلیٰ حضرت فتح اللہ شاہ قادری نے بغداد سے تشریف لاکر انکولہ نامی ایک بندرگاہ میں قیام فرمایا تھا آپکے تقدس اور کرامات نے تھوڑے ہی عرصہ میں ہندو مسلمانوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ آپ کے پوتے سید قاسم قادری نے جزائر لکادیو میں نقل مکان کیا۔ اس وقت وہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ ان کے فیوض و برکات سے ان چھ جزائر میں اسلام پھیلا۔ حضرت فتح اللہ بغدادی کے دوسرے فرزند کی اولاد میں حضرت سید محی الدین شاہ قادری انکولہ سے کیسر مڑو (نزد منگلور) تشریف لائے۔ وہاں سے نواب حیدر علی خاں کی دعوت پر سرینگپٹن گئے۔ سید عبدالقادر المعروف بہ قادر اولیاء کی درگاہ کے نواب نہایت معتقد تھے۔ انہیں اس درگاہ کے سجادہ نشین کی خدمت عطا کی۔ نواب موصوف کے انتقال کے بعد ٹیپو سلطان اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد نے سید محی الدین شاہ قادری سے بیعت کی۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ان کے متعلقین کو جب ویلور بھیجا گیا۔ تو انہوں نے اپنے پیر و مرشد کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ وہیں انہوں نے انتقال کیا۔ ان کے تین فرزندوں میں سے بڑے فرزند سید عبداللہ شاہ۔ سید شہاب الدین قادری کے والد بزرگوار تھے۔ جس سال سید محی الدین شاہ قادری کا وصال ہوا۔ اسی سال سید شہاب الدین قادری پیدا ہوئے۔ اور سلطان شہید کی بیگمات کی آغوش میں پرورش پائی۔ مکتب میں داخلہ سے پہلے قرآن شریف ختم کیا۔ اس وقت مدراس نواب کرناٹک غلام غوث خاں کی زیر قیادت علماء و فضلاء کا صدر مقام بنا ہوا تھا۔ مولوی

شہاب الدین صاحب مشہور زمانہ مولانا غلام قادر صاحب کی خانقاہ
میں علم حاصل کرکے ویلور واپس ہوئے۔ پھر سرینگپٹن تشریف لاکر
اپنے بزرگوں کی جائداد اور مسند پر تسلط فرمایا۔ ان کا وعظ بہت
ہی موثر ہوتا تھا۔ علم وفضل کے ساتھ ساتھ خدا نے انہیں طبع
موزوں بھی عنایت فرمائی تھی۔ تمام علماء و فضلا ان کی فصاحت
و بلاغت کی تعریف کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فارسی زبان
میں علم تصوف کی ایک کتاب لکھی ہے جو اس خاندان میں موجود
ہے۔ ان کے مرید جنوبی ہند کے اکثر مقامات پر موجود ہیں۔ انہوں
نے بنگلور میں ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔ ان کے فرزند ارجمند
معین الوزارت ، اے ، کے ، سید تاج پیراں صاحب سجادہ گنجام
ریاست میسور میں ایک اعلیٰ خدمت پر مامور تھے۔ اور اب وظیفہ
یاب ہیں۔ سراج العلماء سید شہاب الدین کے اشعار بطور نمونہ
ملاحظہ ہوں۔ ؎

مانند بید خم ہے نہال چمن کی شاخ
پیوند شاید اس سے ہے مجنوں کے بن کی شاخ

دل کے ہم کشتے ہیں یہ داکب طلائی رنگ کی
رو برو ئے کیمیا گر معدن زر کچھ نہیں
آبرو کے پاس میں یوں گھل گیا ہوں اے شہاب
بہر میں اد بر حباب آسا ہے اندر کچھ نہیں

مانگی جو مشک زلف دیا خال گال نے
ہے یہ سوال شام عجب اور جواب صبح

جو عروج خاص نبی کا ہے وہ مقام اوروں کو کیا ملے
کہ وہ ایک آن میں لامکاں کے پرے اللہ سے جا ملے
سبھی قرب و خاص کے مرتبے نہ کسے ہمارے سوا ملے
کوئی موسوی کوئی عیسوی یہ ہمیں شفیع ورا ملے
گئے جب رسول بہ لامکاں یہی قدسیوں کی تھا بر زباں
جو نبوں میں ساتھ خدا کے تھے وہ علانیہ بخدا ملے
سر پائے اقدس زائراں میں پڑا ہی رہتا ہوں سایہ ساں
کہ امید ہے مجھے حشر میں مرے شہ کا ظل لوا ملے

شعر لکھنے سے ضعیفی ہے جوانی میں شہاب
دستگیری ہوی خامے کی عصا سے پہلے

قد جاناں کے تصور کو شہاب　　ناتوانی میں عصا کرتے ہیں

مل گیا میری گرفتاری کا بدلہ الٹا
کاندھے پہ زلف کی زنجیر لئے پھرتے ہیں
کس مسیحا کی فلک کو ہے ضیافت منظور
جو ملک مہر کی کفگیر لئے پھرتے ہیں

ان کو رحمت کا گھمنڈ اور یاں شفاعت کی امید
خیر سے اوروں کے اپنا جرم بہتر ہو گیا

ناتواں مرغِ نظر مژگاں سے بڑھ سکتا نہیں
مانعِ پروازیہ خارِ سرِ دیوار ہیں

نعتیہ کلام کے علاوہ انہوں نے متعدد نظمیں بچوں کے لئے آسان زبان میں لکھی ہیں۔

مساوات انسانی کے اس علم بردار سراج العلماء کا فرمان ہے

بنی آدم ہیں باہم مرد وزن سب
نہیں انسانیت میں فرق مذہب
مسلماں عیسوی ہندو سب اقوام
جدا مذہب ہے پر انسان ہے نام

سید شہاب الدین کو حضرت سید شاہ محی الدین قادری قطب ویلوری سے بھی خلافت ملی تھی۔ قطب ویلوری کی دو مشہور کتابوں میں سے جواہر الحقائق کا دیباچہ انہوں نے ہی تحریر فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے مرشد کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔

علم وفضل تقدس وتقویٰ کی وجہ سے شہاب سراج العلماء کے خطاب سے ملقب ہوئے۔

ان کے کلام میں روانی، متانت اور شستگی پائی جاتی ہے۔ عشق الٰہی سے سرمست ہو کر شہاب اپنی لے الاپتے جاتے اور سامعین کے دلوں پر ان کے شہ پارے گہرا نقش چھوڑ جاتے۔ ہر خاص و عام کی زبان پر ان کی صداقت خلوص اور علم وفضل کا چرچا رہتا۔

مندرجۂ بالا حالات کے لئے ہم آپکے فرزند سید تاج پیراں صاحب کے مرہون منت ہیں

منشی ناصر خاں قلندر ناصر

یہ بنگلور کے باشندے تھے میر فیاض علی ضیا لکھنوی سے اصلاحِ سخن لیتے تھے

ناصر بڑے پرگو شاعر تھے۔ تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے ۱۹۱۲ء میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ ناصر کے کلام کو بنگلور میں وہی مقبولیت حاصل تھی جیسی کہ مصحفی و میر کے کلام کو شمالی ہند میں۔ اور ان کے دیوان میں بھی متعدد فخریہ و تعلی آمیز اشعار موجود ہیں۔ دیوانِ ناصر ۱۳۳۱ھ میں باہتمام کیفی بنگلوری دو جلدوں میں مطبع نبوی سلطان الاخبار معسکر بنگلور میں شائع ہوا۔ جلد اول ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور جلد دوم میں اشعار متفرقات۔ حمد و نعت مخمسے۔ نوحے، قصیدے۔ سلام وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے صفحات ۸۵ ہیں۔ دیوان کے شروع میں دو مکتوب اشتیاق موسوم بہ محضر مبتلائی فراق اور افسانۂ محبت مندرج ہیں۔ جن میں کسی خیالی معشوق کی یاد میں گل افشانی کی گئی ہے

نثر کے نمونے کے لئے دیوان کے دوسرے عنوان "دریائے شوق" کی عبارت آرائی ملاحظہ ہو۔

نامہ شوقیہ موسوم بہ فسانۂ محبت، دفتر فرقت۔

طومار مصیبت

میرے گلزار میں کیا ہے تماشا دیکھو دوست گل چنتے ہیں اور خار دل اعدا دیکھو

اللہ اللہ اے یار بیوفا۔ او معشوق بد دغا۔ باقی صد

دیوان ناصر کی دونوں جلدیں مسلم لائبریری معسکر بنگلور میں ہیں۔

جور و جفا۔ سنگدل و بے رحم و بے پروا۔ سفاک و ستمگار۔
قاتل خونخوار۔ ظلم شعار۔ دشمنِ جان عاشق زار۔ مطلوب کفار۔
مقصود دیندار۔ رہزنِ مسلماناں۔ غارتگرِ دین و ایمان۔ شعلہ دیر
چراغ حرم۔ کسی کا صنم۔ خستہ دلوں کا مرہم۔ مسیح دم رقیبوں
کا مونس و ہمدم۔ سراپا ستم۔ اللہ تجھکو تا قیامت بے ملامت
سلامت رکھے۔ تا دور آسمان تیرے حسن و خوبی کا آفتاب تاباں رہے
تیرا روئے منور بسان خورشید درخشاں رہے۔ خدا کے لیے غفلت
سے پنبۂ ناشنوائی نکال۔ گذارش حال پر ملال ناصر اندوہگیں
عاشق غمگیں، بندۂ خاک نشیں بے یار و مددگار کشتۂ انتظار
تشنۂ دیدار مہجور بیمار ذرا سا سن۔ بس چھوڑ دے تیری دھن۔
فراموش کاری تیرا پیشہ۔ بے خبری تیری جاگیر۔ خودنمائی تیرا
منصب فخر و مغروری تیرا طریقہ۔ دل آزاری تیری ناز و ادا۔
کب تجھکو کسی کا خیال ہے۔ عجب تیرا حال ہے۔ تو ادھر صحبت اغیار
میں شادماں۔ ہم ادہر عالم تنہائی سے با نالہ و فغاں۔ کیا کریں کس
سے کہیں صدمۂ فراق کے مارے ہیں۔ سب بات سے ہمت ہارے
ہیں۔ ایام جدائی کے جھیلتے ہیں۔ جان پر کھیلتے ہیں۔ موت کو موت
آ گئی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جنوبی ہندوستان میں بھی
رنگیں مقفیٰ اور مسجع عبارت پسند کی جاتی تھی۔

ناصر اپنے دیوان کے متعلق "دریائے شوق" کے زیرعنوان
جلد اول کی ابتدا میں یوں رقمطراز ہیں

خورشید رو سرو مہ تاباں بغل میں ہے

جام شراب ہاتھ میں جاناں بغل میں ہے

ناصر ہوں شاعری ہے مری کوئے یار میں
شاعر ہوں ملکِ ہند کا دیوان بغل میں ہے

ایک اور جگہ اپنی غزل گوئی پر یوں نازاں ہیں

یار نے میرے سخن کا شہرہ سن کر یوں کہا
شاعرانِ ہند میں ناصر نرالا ہو گیا

فسانہ ہے مشہور ناصر ترا ⁂ نہیں تجھ سا شاعر زمانے کے بیچ

ایک پوری مسدس اپنے کمال شاعری کے بیان میں لکھی جس کے بعض شعر یہ ہیں۔

اللہ رے کیا آج مرا رتبہ رسا ہے ⁂ پرواز میں جبریل کے شہپر سے سوا ہے
چرچا مرا تا عالمِ بالا تو ہوا ہے ⁂ کہتے ہیں مرے طائرِ مضموں کو ہما ہے
اڑ جائیگا کب دام سے بچ کر مرے شاہیں
کرتا ہوں گرفتار میں وہ مرغ مضامیں

رتبہ یہ ہوا شعر و سخن میں مجھے حاصل ⁂ ہیں ناسخ و آتش مرے گلشن کے عنادل

کس موثر انداز میں بے ثباتی دنیا کا نقشہ پیش کرتے ہیں

اس کشورِ فانی پہ ہے اب کس کا اجارہ ⁂ اے شاہ و گدا کہدو مجھے آپ خدا را
ورثہ نہ کسی شئے پہ کسی کا ہے جہاں میں ⁂ جو کچھ ہے اسی کا ہے ہمارا نہ تمہارا

حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار بہ مست فلک رو یوں زمزمہ سنج ہوتا ہے

بڑھ گئی عرشِ معلی سے شانِ بنگلور ⁂ دعوی کرتے ہیں خدائی کا بتانِ بنگلور
دلی و لکھنو کشمیر و بنارس دیکھے ⁂ وہ مری جان ہے ہیں جان بھوپال بنگلور
بعد مردن مجھے جنت کے مکاں بکتے ہی ⁂ آ گیا دل میں مرے وہم و گمانِ بنگلور
ہے وہاں شاعر دل خستہ تخلص ناصر ⁂ کوئی پوچھے تو کہو جان نشانِ بنگلور

دیوان ناصر میں مقامی رنگ کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں ۔
میسور کے دربار اور اس کے کروفر کی مصوری انہوں نے بڑی چابکدستی سے کی ہے ۔ بنگلور کا لال باغ سیر و تفریح کی جگہ ہے ۔ اس کی تعریف میں لکھتے ہیں ۔

ہے گلستاں سے فزوں اب تو فضائے لال باغ
دیکھئے کیا بلبل شیراز آئے لال باغ
ابر ہے بادل ہے مئی ہے اور ہے ٹھنڈی ہوا
میکشوں کو اب خدا جلدی دکھائے لال باغ
باغ کو کشمیر کے کیا جائیں اب ہم سیر کو
دل کہیں لگتا نہیں اپنا سوائے لال باغ

میلاد شریف کی بڑائی میں یوں رقمطراز ہیں
آج ہے محلِ میلادِ شریف حضرت یہاں سقائی کو آجاتا ہے ابر رحمت

شق القمر کا معجزہ ہوتا ہے جب بیاں چھاتی دھڑکنے لگتی ہے تب ماہتاب کی
ان کا مزید نمونہ کلام ملاحظہ ہو
کیا عکس پڑ گیا ہے دل داغدار کا تختہ کھلا ہے سامنے اب لالہ زار کا
ناصر فسانہ بلبل و گل کا سنائے گا ساقی پلا شراب ہے موسم بہار کا

بختِ واژوں دیکھ لے ساقی تو مجھ مئےخوار کا
منہ تلک میں لے گیا اوندھا پیالہ ہو گیا

تصور رونے میں باندھا ہوں اسکے روئے خنداں کا
گماں ہو جائیگا سائے جہاں کو برق و باراں کا

سے

عالم الغیب میں کیا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دل میں انساں کے خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دست دیا میں یہ مرا خونِ جگر مل دینا
یار کو شوقِ حنا تھا مجھے معلوم نہ تھا
عمر بھر کا تھا جگا سو گیا محشر کے دن
وعدۂ وصل ترا تھا مجھے معلوم نہ تھا

دیوان ناصر کے آخر میں۔ ان کے شاگرد رشید محمد عبدالرحمن کیفی نے۔ "داستان شہر آشوب" کے نام سے ایک طویل مسدس جو چھ صفحوں پر مشتمل ہے اور جس کے ہر چھٹے شعر سے ناصر کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ لکھی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے شعرائے گرامی کے قطعات بھی زینت افزائے دیوان ہیں۔ جس سے اس زمانہ کے بعض شعراء کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً

(۱) جناب عبدالحق صاحب بنگلوری (۲) عبدالرحمن کیفی۔ (۳) باقر علی خاں باقر۔ (۴) جناب عبدالستار صاحب سرور تلمیذ حضرت ناصر (۵) حکیم نواب ابوعیسیٰ محمد غوث احمد علی خاں افسر سکرٹری انجمن مشاعرہ محبوبیہ آصفیہ میسور و ناظم مدرسۂ بحرالعلوم عثمانیہ آصفیہ میسور۔ (۶) جناب غلام محمود صاحب صفی سرینگپٹن۔ (۷) محمد عبدالباسط صاحب باسط میسوری۔ (۸) منشی محمد عبدالخالق صاحب توثیق تلمیذ تصدیق صاحب۔ محمد اسماعیل خاں جلیل بنگلوری (۱۰) غلام محمود محمود بنگلوری۔ (۱۱) عبدالغفار خاں ضرب (۱۲) شیخ احمد تلمیذ ناصر۔ (۱۳) جناب تسلیم۔ (۱۴) عبدالوہاب قاصد شاگرد ناصر۔ (۱۵) قاضی محمد عبداللہ حسین صاحب خلیل۔ بنگلور۔ (۱۶)

عبداللہ شریف منشی تصدیق بنگلوری۔ (۱۷) منشی ابو احمد عبدالرحیم ممتاز و نامی تلمیذ امیر لکھنوی۔ (۱۸) سید عبدالکریم تحریر دکاتی بنگلوری (۱۹) منشی محمد عبدالحی فائق صاحب بنگلوری۔ (۲۰) محمد خاں شہیر فرزند ناصر۔ (۲۱) مرزا یٰسین بیگ مخمور تلمیذ ناصر۔ (۲۲) ظہیرالدین خاں ظہیر۔ فرزند ناصر۔ (۲۳) امیرالدین خاں امیر فرزند ناصر (۲۴) عبدالرشید رشید بنگلوری۔

ناصر کے قطعات وفات عبداللہ شریف تصدیق۔ عبدالحق عبد حق۔ عبدالرحیم ممتاز اور نامی نے لکھے ہیں۔ ان کا سنہ وفات $\frac{۱۳۳۰}{۱۹۱۲}$ ھ ہے۔

بیان میں شگفتگی۔ زبان میں پاکیزگی۔ آمد میں جوش ناصر کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔ روانی اور بندش کی چستی نے ان کے کلام میں ایک وجدانی اور کیف آور فضا پیدا کردی ہے

غزلوں کے علاوہ ناصر نے مجرے اور سلام بھی لکھے ہیں۔ جن میں الفاظ کی نشست ایسی ہے گویا انگوٹھی میں نگینے جڑے ہیں۔ اثر درد اور تڑپ نے انہیں ایک لافانی شہرت کا مالک بنادیا ہے

صوفی احمد علی احمد

ان کا اسم گرامی احمد علی اور تخلص احمد تھا۔ عابد کے فاضل شاگرد تھے۔ ٹریننگ کالج کے مدرس رہے۔ بڑے عابد و پرہیزگار۔ پابند صوم و صلوٰۃ بزرگ تھے۔ ریاست میسور میں ان کے کافی شاگرد ہیں۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ان کا ایک نعتیہ[1] دیوان مطبع

۱۔ اس کا ایک نسخہ سلیم تمنائی کے کتب خانہ میں موجود ہے

نول کشور لکھنو سے چھپا۔ ان کی ایک کتاب "سرمۂ بصیرت نظر" کا مخطوطہ میں نے جناب سلیم تمنائی صاحب کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ جس میں ریاست میسور کے اکثر اولیائے کرام علماء و فضلاء کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔

نمونہ کلام:

فراق مصطفےٰ میں دل خدایا کس سے بہلاؤں
کوئی بندہ تو عالم میں نہیں انکی شباہت کا

دل پہ نقش نام پیمبر کھدانا چاہیئے ❊ دام کھوٹا ہے اگر سکہ نہو سرکار کا

غلام محمد شوکت

معسکر بنگلور میں $\frac{۱۲۶۱ھ}{۱۸۴۵ء}$ میں پیدا ہوئے اور $\frac{۱۳۵۹ھ}{۱۹۴۵ء}$ میں انتقال کیا۔ ملک الشعراء ہمت مدراسی کے شاگرد تھے۔ اپنے وقت کے فن خطاطی کے استاد بے بدل تھے۔ ان کے مطبع کی شاخیں بنگلور کے علاوہ مدراس اور بمبئی میں بھی قائم تھیں۔ انہوں نے کتابت و صحافت کو بنگلور میں بے حد ترقی دی۔ زمرۂ احباب بنگلور کے روح رواں تھے۔ انہوں نے احسن الاخبار، باد صبا، ایڈورڈ گزٹ، رسالہ حبیب اور کاس اخبار جاری کئے۔ اور بہت سی کتابیں اپنے مطبع سے شائع کیں۔ اور خود بھی متعدد کتابیں لکھیں۔ الغرض انہوں نے زبان اردو کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

۱۔ غوث محی الدین صاحب ایڈیٹر الکلام نے ان کے حالات فراہم کئے ہیں

شوکت نعتیہ نظمیں اور غزلیات بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کا ایک دیوان "حدیقۂ جنت" کے نام سے محمد عادل و عبدالقادر بیرگانِ شوکت مرحوم نے شائع کرایا ہے۔ اس دیوان کا دوسرا حصہ بنام "جذباتِ شوکت" یعنی ضمیمۂ دیوان شوکت ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے ایک سو ستر صفحات ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب شوکت المجالس ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء میں مطبع شوکت الاسلام سے شائع ہوی نمونہ کلام۔

کیا خاک بنا ہے کوئی یارانہ کسی کا　　ہوتا ہے یگانہ کہیں بیگانہ کسی کا

یارب نہ ہو مجھ سا کوئی دیوانہ کسی کا　　آئے کبھی تو آجائے دل ایسا نہ کسی کا

جس طرح نظر آتی نہیں دور کی صورت　　یونہی کوئی ہمدرد میں پایا نہ کسی کا

قسمت کی تری آج تو یہ شان ہے شوکت
خلوت تری بن جائے جلوخانہ کسی کا

محمد باقر دلوی برق

محمد باقر برق۔ محمد جعفر دلوی کے فرزند تھے۔ ان کا مولد و مدفن ہاسن تھا۔ ۵۵ سال کی عمر میں ۱۹۰۲ء میں وفات پائی۔ کافی پُراثر تھے اور شاعری میں حضرت داغ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان کا ایک قلمی دیوان[1] موجود ہے۔ نمونۂ کلام

۱۔ آپ کا دیوان میں نے سلیم تمنائی کے کتب خانہ میں دیکھا ہے

ے

آج گستاخ ہم اے پردہ نشیں ہوتے ہیں
ہم سے ہو جائینگے جو کام نہیں ہوتے ہیں

شب فرقت میں جو دل کھول کے چلاتا ہوں
تنگ فریاد سے افلاک نشیں ہوتے ہیں

ایک لحظہ سے بھی بڑھ کر نہیں رہتا نزدیک
یار کے ہاتھ میں ہر وقت گھڑی رہتی ہے

سیر گلشن کو نکلتا ہیں وہ خالی ہاتھ
دست معشوق میں پھولوں کی چھڑی رہتی ہے

عکس رخسار دل کے داغ میں ہے
جلوہ مہتاب کا چراغ میں ہے

ایک مدت کے بعد آ کے گئے
بخت خفتہ مرا جگا کے گئے

اک نشان مزار تھا میرا
آج اس کو بھی وہ مٹا کے گئے

دونوں عالم میں وہ رہیں ٹھنڈے
دل مرا برق جو جلا کے گئے

بوتل نہ ٹوٹ جائے کہیں ان سے میکشو
پتھر بھرے ہیں دامن ابر بہار میں

کیوں کرنہ ملے حسد سے حاسد
شاگرد ہوں داغ دہلوی کا

تماشا دیکھ لیتے ہیں اسی میں دونوں عالم کا
میسر ہم کو قسمت سے جو اک پیمانہ آتا ہے

منشی ویس محمد خاں ویس

ویس، محمد غوث صاحب جادو کے کے استاد تھے۔ صاحب علم وفضل اور اچھے شاعر تھے۔ منشور محمدی میں ان کا کلام اکثر شائع ہوا کرتا تھا ان کے کلام کا نمونہ[1] ہدیہ نظر ہے۔

میں ہوں مداح اس خوشبو بدن اور سرو قامت کا
چلن جس کا ہے سیدھا راستہ گلزار جنت کا

میں گلہائے مضامیں اپنے باندھوں اور رنگت سے
ملے مجھکو جو یک تار غلاف اس پاک تربت کا

نظر آئی نہ روز حشر کی صورت ابھی ہے ہے
میں ہوں مشتاق رویت کا میں ہوں مشتاق رویت کا

در شاہ دو عالم پر جو پہنچا دے تو پھر پایا
نہیں سائل میں یا اللہ تجھ سے اور دولت کا

جلے اس سے سیہ دل منکروں کی کیوں نہ جمعیت
حقیقت میں وہ اک شعلہ تھا نور شمع وحدت کا

کھلے اے ویس دل اپنا نہ کیوں گل کی روش ہر دم
بندھا رہتا ہے روز و شب تصور ان کی صورت کا

اشعار مذکورۂ بالا آپ کے قدرت بیاں اور اعلیٰ کیفیات ذہنی کے آئینہ دار ہیں۔

۱۔ ماخوذ از منشور محمدی جلد ۴ نمبر ۱۹

محمد غوث جادو محمد غوث جادو عرف بابامیاں کا پیشہ فوج کی ٹھیکہ داری تھا۔ یہ ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ شاعری میں دیں محمد خاں دیں سے تلمذ رکھتے تھے۔ فن شاعری اور سپہگری دونوں کے استاد تھے۔ ان کا کچھ کلام۔ "کلام جادو" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ میں نے اس کا ایک نسخہ مسلم لائبریری بنگلور (مطبوعہ ۱۳۳۵ھ در مطبع رضوی بنگلور) میں دیکھا ہے جو ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں آپ کے بھائی محمد قاسم غم کا کچھ کلام ابتدائی صفحات میں درج ہے۔ منشی سید عبدالحی صاحب سبزواری نے اس پر تقریظ لکھی ہے۔ اور آخر میں حسب ذیل شعرائے کرام کے قطعات تاریخ منسلک ہیں۔ اس سے اس زمانہ کی یعنی انیسویں صدی کے آخری نصف زمانہ کے بنگلور کے نامور شعرائے کرام کا پتہ چلتا ہے

(۱) جناب منشی قاضی محمد عبداللہ حسین صاحب خلیل تیلسندرا بنگلور — اردو قطعہ تاریخ
(۲) جناب منشی محمد عبدالحق صاحب مرحوم عبد حق — اردو فارسی قطعے
(۳) جناب محمد عمر صاحب فاضل — (فارسی)
(۴) جناب منشی عبدالقادر صاحب طالب — (اردو)
(۵) جناب ابو محمد عبداللہ شریف تصدیق خلف عبدالحق صاحب تحقیق — اردو
(۶) جناب منشی عبدالباسط صاحب خلف محمد عبداللہ حسین خلیل صاحب — اردو فارسی
(۷) جناب ڈی۔ سید ہاشم صاحب — اردو
(۸) جناب ولی محمد صاحب قندھاری تلمیذ طالب بنگلوری — اردو
(۹) جناب الحاج محمد حسین صاحب واقف بنگلوری — اردو
(۱۰) جناب ابوالکلام سید محمد قادری شاد زیبائی بنگلوری — فارسی اردو

(۱۱) جناب عبدالقدوس صاحب رعد برادرِ شاد زیبائی ۔ — اردو

(۱۲) جناب سید عبدالغفار صاحب مرحوم بڈ منشی احقر — فارسی

(۱۳) جناب غلام محمود صاحب کامل تلمیذ طالب — اردو

(۱۴) جناب شیخ داؤد صاحب کوثر تلمیذ طالب — اردو

(۱۵) جناب ابو محمد عبدالرشید صاحب تسلیم بنگلوری — اردو

(۱۶) جناب پہلوان شیخ داؤد صاحب بنگلوری تلمیذ جادو — اردو

(۱۷) جناب محمد یعقوب صاحب شفیق بنگلوری — اردو

(۱۸) جناب منشی بشیر احمد صاحب کامل تلمیذ محمد عمر صاحب فاضل بنگلوری — اردو
خلف محمد عبدالقادر صاحب ناظم

کلام جادو کے دیباچہ سے پتہ چلتا ہے کہ جادو کے جد امجد محمد ابراہیم مع اپنے بھائی محمد رستم صاحب اور محمد علی صاحب اور اہل و عیال کے بیجاپور سے الیالور آئے۔ مہاراجہ صاحب الیالور نے محمد علی صاحب کو اپنی فوج کی کمانداری کی خدمت عنایت کی۔ محمد رستم صاحب نے ترچناپلی جاکر نواب صاحب کی سرکار سے حبشیوں کے رسالے کی رسالداری پائی۔ محمد ابراہیم صاحب معہ چار فرزندوں کے ارکاٹ آکر گوشہ نشین ہوگئے یہاں ان کے چاروں فرزندوں نے کاروبار شروع کیا۔ مصنف کے والد غلام محمد حسین صاحب محمد ابراہیم صاحب کے چوتھے فرزند تھے۔
۱۸۱۲ء میں۔ جنرل پیر صاحب بہادر کے ہمراہ فوج کی ضروریات کا ٹھیکہ لے کر بنگلور آئے۔ اور بنگلور چھاؤنی میں اقامت گزیں ہوئے۔ ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں جادو پیدا ہوئے۔ خورد سالی میں علم کی طرف بہت کم توجہ رہی۔ تاہم فنون سپہ گری کی مشق بزیر ہدایت محمد قاسم ارکاٹی کرتے رہے۔ اور کچھ دنوں میں اپنے استاد کے جانشین

بن گئے مدراس میں مفتی یوسف علی خاں کے ہمسایہ میں رہتے تھے۔
اور مدراس کے ہر مشاعرہ میں جہاں نواب میر اکرام علی خاں جذب۔
رجا۔ ذکا۔ طلسم۔ ہمت۔ میر سجاد حسین فیاض اور جادو کے بڑے
بھائی محمد قاسم غم وغیرہ غزلیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ شریک رہا
کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس طرحی مصرعہ پر
"کیا اثر میری سیہ بختی کے آگے نور کا" ایک غزل لکھی
جس کا مطلع ہے۔

دھیان ہے دل میں کسی کے نرگس مخمور کا
ساقیا بھر دے مجھے یک بادۂ انگور کا

میر سجاد حسین فیاض کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہمیشہ جادو
اپنی غزلیں پڑھا کرتے تھے۔ بنگلور آنے کے بعد عبدالحفیظ آرام
نے کافی حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہاں ولیں محمد خاں وہبی سے
اصلاح لیتے رہے۔ اس زمانہ میں بنگلور میں بھی شعر و شاعری
کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ طرحی مصرعہ یہ دیا گیا
"رات دن غیب کے خزانے سے" جادو نے فی البدیہہ کہا

اے اجل تیرے منہ دکھانے سے
موت آتی ہے اک بہانے سے

کچھ عرصے کے بعد ۱۸۷۴ء میں جادو ایک فوجی ٹھیکہ کے
سلسلے میں کیامٹی گئے۔ یہاں منشی سید اکبر جبیر کی صدارت میں
مشاعرہ ہوتا تھا۔ ایک مجلس میں مصرعۂ طرح یہ دیا گیا۔
"دل نکلنا سہل ہے کیا گیسوئے بلدار کا" جادو نے
فی البدیہہ ایک غزل لکھی جس کا مطلع تھا۔
پیاس سے مرتا ہے گھائل ابروئے خمدار کا ✦ پانی پلوا دے ذرا قاتل تری تلوار کا

پھر بنگلور واپس آئے تو فن سپہگری کے جوہر کے ساتھ ساتھ احباب
کی فرمائش پر غزل بھی کہتے تھے۔

شیخ داؤد صاحب کے قطعۂ تاریخ کے اشعار سے جادو کی
قدرت کلام اور جادو بیانی اور مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مجلس احباب میں شعراء کا ذکر خیر تھا — اپنی اپنی رائے صائب پر ہر اک تھا اڑ رہا
معتقد تھا ذوق کا کوئی تو سودا کا کوئی — تھا کوئی شیدا جناب غالب و مجروح کا
تھا فدائے داغ کوئی عاشق مومن کوئی — اور امیر لکھنوی کے شعر پر کوئی فدا
میں نے کی تب عرض آنحضرت نہیں ہے کچھ خبر — شاعر جادو بیاں کا کیا نہیں شہرہ سنا
کون جادو خطۂ بنگلور کو بھی جس پہ ناز — روح غالب جان مومن ذات ہے جسکی بجا
چھپ گیا دیوان انکا اشتیاق دید میں — آسماں سے زہرہ آئی جس پہ ہونیکو فدا

اس گلستان سخن کی سیر ہے واجب تمہیں
اور اپنے فیصلوں پر دل میں شرمائیں ذرا

الغرض شیخ داؤد صاحب کی نظر میں جادو کا کلام ذوق، غالب، داغ، مومن وغیرہ سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اب ذرا جادو کے نگارستان خیال کی سیر کیجئے۔

دو عالم درحقیقت ایک خانہ ہے محمد کا — ازل اک در۔ در آمد کا۔ ابد اک در برآمد کا
گہر افشاں نہ کیوں ہو فقرہ نعت احمد کا — زباں پر موتی بن جاتا ہے میم آکر محمد کا

آکر ہماری خاک پہ جب یار ہٹ گیا — تختہ ہماری قبر کا الٹا پلٹ گیا
آیا جو بعد مرگ کہیں یار دیکھنے — میں بھی کفن کو پھاڑ کے اس سے چمٹ گیا

ہلکی سی اک نقاب نہ رخ سے ہٹا سکا — پھر کیونکر عرش تک مرا نالہ رسا ہوا

اس چشم سیہ مست کا پڑ جائے اگر عکس — شانوں سے نکالیں گے غزالانِ ختن پھول

شیشہ میں مئے ناب ہے یا روح پری ہے — آنکھوں میں تری مست کی کیا جلوہ گری ہے
تحریر مری نقش سلیماں سے نہیں کم — جادو سے مسخر ہوئی شیشہ میں پری ہے

دامنِ دریا ہو دامن جب میں روتا جاؤنگا — داغ عصیاں سے ہمہ تن پاک ہوتا جاؤنگا
غسل آبِ اشک سے کرلوں تو ہوگا پاک دل — مغفرت مجھکو ملا یگی میں روتا جاؤں گا

فخر ہم کو کیوں نہ ہو ہم اشرف مخلوق ہیں — اپنے آگے ذکر بیجا ہے ملک کا حور کا

جادو میر سے عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں

یا الٰہی دے فروغ حسن ہر ہر حرف کو — تاکہ ہو اشعار میں کچھ ڈھنگ طرز میر کا
ریختی کے گو ہوئے استاد یاں جادو مگر — معتقد ہوں میں تو ناسخ کیطرح ایک میر کا

حسا د کیوں نہ بھولے یہ اپنے چمن کے پھول — بڑھ کر ہیں آن بان میں باغ دکن کے پھول

اپنی شاعری پر یوں نازاں ہیں

تحریر مری نقش سلیماں سے نہیں کم — جادو سے مسخر ہوئی شیشہ میں پری ہے

الغرض جادو نے اپنے بھائی محمد قاسم غم کے مانند اردو کی ناقابل فراموش خدمات دی ہیں۔ ملکہ شاعری آپ کی فطرت

میں خداداد تھا۔ علمائے وقت کی صحبت نے اس میں چار چاند لگا دئے
تخیل کی بلندی کے ساتھ ساتھ سادگی اور عام فہم انداز بیان
ان کی شاعری کی خصوصیات ہیں ۔

محمد کبیر تحصیل

منشی شیخ محمد کبیر صدیقی متخلص تحصیل داغ کے شاگرد تھے۔ سنتے دیری میں نسیم بیبوری کے کافی کے باغوں کے داروغہ تھے ۔ وہیں
ان کا انتقال ہوا ۔ بزم غم کے ممتاز رکن تھے ۔ اکثر منشور محمدی میں
ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے ۔ ان کا دیوان مطبع آگرہ اخبار آگرہ
میں ۱۹۰۰ء میں ۱۸۶ صفحوں پر مشتمل شائع ہو چکا ہے۔ طباعت
کی تاریخیں ان کے ہم عصر شعرائے میسور مثلاً غلام عبدالقادر امیر
میونسپل کمشنر تریکرہ ۔ ملک میسور ۔ محمد باقر دلوی برق شاگرد داغ
دہلوی ۔ سید تحقیق اللہ حیدر شاگرد مصنف ساکن نرسی کرہ ریاست
میسور۔ حاجی محمد علوی شاگرد سید شہاب الدین شہاب و سائل دہلوی
اور محمد نبی اسہل مدرس اول مدرسہ سہلی متعلقہ چکمگلور ریاست
میسور کے علاوہ میر محمد علی متخلص رنج حیدر آبادی شاگرد داغ دہلوی
(مخبر عشق) اور حضرت داغ دہلوی نے بھی لکھی ہیں ۔ داغ کی
تاریخ طبع دیوان ملاحظہ ہو ۔

کیوں نہ یہ لطف سخن شہرت پائے — کیوں نہ مشہور ہو نام تحصیل
مست ہوتا ہے ہر اک لے کے مزے — کہئے دیوان کو جام تحصیل
کیوں نہ دل اہل سخن کا ہو اسیر — سطر الفاظ ہے دام تحصیل
کس قدر زور طبیعت پایا — کہ ہے مضمون غلام تحصیل

یہ کہا داغ نے سالِ اتمام
ہے زبردست کلام تحصیل

۱۳۱۷ھ

دیوانِ تحصیل میں بیس صفحات پر ان کے متعدد خمسہ جات لطف، قدسی، داغ، آتش، امیرمینائی، رند، نادر اور ناسخ کی غزلوں پر اور نعتیہ خمسہ جات داغ، ظہیر دہلوی اور بسمل کے سلاموں پر لکھے ہیں۔ پھر بارہ صفحوں پر مشتمل پندرہ سلام واقعہ کربلا سے متعلق پائے جاتے ہیں

تحصیل کے کلام میں داغ کی سی روانی، سلاست و فصاحت پائی جاتی ہے۔ ان کے دیوان سے چند اشعار بطور نمونہ دیے جاتے ہیں۔

اپنے استاد داغ کے متعلق لکھتے ہیں۔

حیدرآباد میں ہے قدر سخن کی تحصیل جب سے دہلی سے یہاں داغ سا استاد آیا

زندہ رہے تا دور قمر داغ سا استاد اب غالب دہلی میں یہی ایک ہے دم خوب

ایک اور غزل داغ کی مدح میں لکھی ہے۔ جس کا مطلع ہے

کھلی ہیں آنکھیں برائے جمال حضرت داغ
ہیں کان منتظر قیل و قال حضرت داغ

مقطع ہے

ترقی ان کی ہو مانند ماہِ نو تحصیل
الٰہی روز ہو افزوں کمال حضرت داغ

ایک شعر ہے۔

آج لے دل چراغ بزم سخن ہند بھر میں نہیں سوائے داغ
مرے استاد کے ہیں لاکھ اوصاف اک زباں کیا کرے ثنائے داغ

زمانہ ہے تحصیل اس کا ہی شاگرد جسے آج استاد میں مانتا ہوں

تحصیل کو حضرت داغ سے پندرہ سال تک شرف تلمذ رہا۔

تحصیل خضر راہ سخن ہیں جناب داغ پندرہ برس رہا ہوں میں اس رہنما کے ساتھ

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

حضرت داغ سے لے فن سخن کی تعلیم تجھ کو تحصیل اگر شوق زباں دانی ہے

طبیعت نے پہنچا دیا داغ تک انہوں نے ہی شاعر بنایا مجھے

فروغ کیا ہمیں تحصیل پیش حضرت داغ کہ آگے ماہ کے تاروں کی کچھ ضیا بھی ہے

لطف زباں نہ کیوں مرے سخن میں تحصیل
اصلاح لے رہا ہوں میں داغ دہلوی سے

ان کے نعتیہ اشعار کی تعداد بھی کافی ہے

نامۂ اعمال کی جا روز محشر ہاتھ میں یا خدا ہو دفتر نعت پیمبر ہاتھ میں

نقش ہے دل کے نگیں پر سرور عالم کا نام جانے دو مہر سلیمانی نہیں گر ہاتھ میں

بیمار عشق ہوں مجھے درماں ہو کیا پسند جز وصل مصطفےٰ نہیں کوئی دوا پسند

تکلیف سیر خلد کی زاہد نہ دے مجھے
دیوانہ دل نے دشت مدینہ کیا پسند

غم ہجر پیمبر خضر کی مانند زندہ ہے
اس آب بقا کو آب بقائے جاں سمجھتا ہوں
خدا شاہد ہے حضرت کی شفاعت کے سہارے سے
عذاب حشر کی مشکل کو میں آساں سمجھتا ہوں

نسیم خلد رکھ معذور بوئے مشک جنت سے
ہوائے سنبل باغ محمد ہے مرے سر میں

فکر بخشش نہیں میں امتی احمد ہوں
منتخب کرتی ہے خود رحمت یزداں مجھکو

گل داغ جگر ہیں تازہ تر عشق محمد میں
خزاں ہرگز نہیں ہے تا قیامت میرے گلشن کو

مجھ سے اب مدحت ممدوح خدا کیونکر ہو
کام اللہ کا بندے سے ادا کیونکر ہو

تحصیل غیر نے مرا شکوہ لکھا تو کیا
دشمن کا خط نوشتہ لوح جبیں نہیں

جو عالی ظرف ہیں وہ درپئے ایذا نہیں تحصیل
بتاؤ کب چراغ ماہ پر جلتا ہے پروانہ

جناب شیخ کو دن رات شوق حور و جنت ہے
تصدق زہد و تقویٰ کے پھر اس پر ہی سے نفرت ہے

رضواں دکھا دے خلد بریں بھی سنوار کے
دیکھیں گے شیفتہ نہ کبھی کوئے یار کے

چاندکی ردیف میں ایک غزل لکھتے ہوئے۔ خود کی ناسخ پر فوقیت جتا کر فرماتے ہیں

ماہ چرخِ شاعری تھا ناسخ روشن دماغ
اس نے بھی تحصیل یوں لکھی نہ کامل چاندنی

ہاتھ جب فضلِ الٰہی کی دوا آتی ہے
پاؤں پڑتی ہوئی تحصیل شفا آتی ہے

وہ اپنے دل کی مجھ سے پوچھتے ہیں میں بتاتا ہوں
تو پھر ہنس کر یہ کہتے ہیں تجھے الہام ہوتا ہے

میرا یہی دعویٰ ہے کہ ہے کوئے صنم خوب
واعظ کا یہ جھگڑا کہ گلستانِ ارم خوب

اندازِ جاں ستاں جو کسی کی ادا کے ہیں
ساماں ٹھیک ٹھیک ہماری قضا کے ہیں

پیشِ نظر نگہ جو وہ بجلی نقاب میں
بجلی تڑپ گئی مرے آگے سحاب میں
حوریں ہی آئیں کاش نکرین کے عوض
ہوتا اک اور لطف سوال و جواب میں

مہینوں برسے ہیں فرقت میں مرے دیدۂ تر
کمی کا آب کی خطرہ کچھ اب کے سال نہیں
جو کچھ ہو وقت پہ کافی ہے مجھکو اے ساقی
تو جام دردسے بھر دے اگر زلال نہیں

شراب عشق سے مستانہ ہے ہر ایک دیوانہ
مدام آباد اسے ساقی رہے تیرا پری خانہ

تمہارے حسن سے ہی سلسلہ ہے عشق کا میرے
پری گر تم نہ ہوتے تو نہ بنتا میں بھی دیوانہ

اپنے اشعار کے متعلق لکھتے ہیں۔

ہر غزل ہے یکر نئی ہر شعر ہے موج شراب
مست ہو عالم نہ کیوں تحصیل دیوان دیکھ کر

ہزاروں لاکھوں میں تحصیل سا کہاں شاعر
کہ ہند بھر میں یہی ایک خوش بیان دیکھا

"آنکھ میں" ردیف والی غزل کا مقطع ہے

اس غزل پر فخر کچھ تحصیل کا بیجا نہیں
کیونکہ یوں لکھا نہیں کوئی سخنور آنکھ میں

کہہ سکے گا یہ غزل میری غزل پر حاسد
زاغ بلبل کی طرح نغمہ سرا کیوں کر ہو

کمی ہو نقد مضامین کی کیا یہاں تحصیل
خدا کے فضل سے معمور اک خزانہ ہے

بلبل خوش نوا ہیں ہم تحصیل گلشن کو چہ قلندر[1] کے

---

۱ مہر سبات قلندر کا پہاڑ ضلع چکمگلور میں ہے

نہیں تیرے برابر آج مشہور جہاں کوئی
زبان خلق پر تحصیل تیرا ہی فسانہ ہے

معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت انہوں نے کسی قریے میں بھی بسر کی ہے

خدا کا شکر ہے بگڑی نہیں اپنی زبان تحصیل
اگرچہ شہر چھوڑے دہ میں مدت سے سکونت ہے

فروغ اپنا سخن سے بعد مردن بھی رہا تحصیل
چراغ زندگانی بجھ گیا پر نام روشن ہے

آئینہ سے ہے زمانہ میں سکندر مشہور
سخن صاف تحصیل ہے شہرت میری

طبیعت کے سانچے میں تحصیل اپنے
مضامین تازہ ڈھلے کیسے کیسے

تحصیل کو انتیں سخن میں
تو ہے شاعر کہ یا دلی ہے

کرو نہ شکوۂ مئی تم پکار کر واعظ
بہت قریب یہاں سے شراب خانہ ہے

نہ لگا ہاتھ کوئی طائر مضموں تحصیل
دام افکار میں عنقا نظر آیا مجھکو

تحصیل کا شمار اس زمانہ کے استادانِ سخن میں تھا۔
صلاحیت سخنوری اور سخن فہمی خدا داد تھی۔ اسی زمانہ میں شمالی ہندوستان

نے اردو زبان اور ادب کے بنانے اور سنوارنے میں نت نئی راہیں تلاش کرلی تھیں۔ اصلاح کے عمل کے بعد زبان کو ایک معیاری درجہ عطا کیا گیا۔ غالب، مومن، ذوق، آتش اور ناسخ زمانے کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں اور تمدن کے بہتے ہوئے دھارے کا ساتھ دینے کے لئے نئے نئے الفاظ اور نئی ترکیبوں اور نئے سر و سامان سے اردو زبان اور ادب کو مزین کر رہے تھے۔ میسور میں کمیشن کا عہد غدر کے پورے اکتیس سال بعد ختم ہوتا ہے۔ اور بساطِ حکومت کے مہرے بدل جاتے ہیں۔

ناطق

حضرت سید شیخن احمد صاحب شطاری الملقب بہ صاحبجو۔ متخلص ناطق حضرت اچھے صاحب کے فرزند تھے۔ حکومت میسور سے شیخ المشائخین کا خطاب ملا تھا۔

ناطق بعذا ل تحفۂ شطاریہ " زیادہ متبع سنت تھے۔ اور تمام رات بیدار رہ کر غریب، بے نوا اور گوشہ نشین عورتوں کو کھانا پہنچاتے۔ ربیع الاول و ربیع الثانی کے دوازدہ و یازدہ روز محفل میلاد منعقد فرماتے۔ تلاوت قرآن شریف کے علاوہ قصائد خوانی ہوتی۔ جناب عالی کو فن شعر گوئی میں کامل مہارت تھی۔ جناب کا تخلص ناطق تھا۔ آپ کے اشعار اکثر حمد و نعت میں ہیں

۱۔ یہ کتاب میں نے سلیم صاحب سماوی کے کتب خانہ میں دیکھی ہے۔ اس کے علاوہ گلشن خیال میں بھی ناطق کا ذکر ملتا ہے۔

نمونۂ کلام :۔[1]

اے نو بہار باغِ رسالت سلام لے | اے سروِ بوستانِ امامت سلام لے
زیبا ہے تیری ذات کو سرداریٔ دو کون | اے تاجدار ملکِ ولایت سلام لے
کب تیرے حسنِ رخ کے مقابل ہو آفتاب | اے مہر آسمانِ سعادت سلام لے
تیرے وجود سے ہی دو عالم کا ہے وجود | اے اول ہمہ و بدایت سلام لے
تجھ سے ہی پائے ہم ہیں ہدایت کا راستہ | اے مقتدائے راہِ ہدایت سلام لے
یوسف کا حسن آگے ترے رخ کے کچھ نہیں | اے ماہتاب عصر ملاحت سلام لے

ناطقؔ غلام تیرا یہ رکھتا ہے آرزو
اے بادشاہِ ملکِ عنایت سلام لے

محمد اکبر خاں اکبرؔ

محمد اکبر خاں اکبرؔ بنگلور کے رہنے والے تھے۔ پیشہ تجارت تھا ناصرؔ کے مشہور تلامذہ میں سے تھے۔ بھانڈ کی شاعری سے انہیں زیادہ دلچسپی تھی۔ یوں تو انہوں نے غزلیات اور نعتیہ نظمیں بھی اچھی کہی ہیں۔

نمونۂ کلام[2]

بیاں ہو مجھ سے بھلا کیا ثنا مدینے کی | ہر اک گلی بھی ہے کیا دلکشا مدینے کی
دل و دماغ معطر ہو ایک جھونکے سے | الٰہی آئے ادھر بھی ہوا مدینے کی
کسی کو دیکھنا ہے نورِ حق تو وہ دیکھے | لگا کے آنکھوں میں خاکِ شفا مدینے کی

---

۱ - یہ کلام سلیم نمائی صاحب کی بیاض سے لیا گیا ہے
۲ - جلوہ خانہ رحمت صفحہ ۸

کوئی جو آتا ہے زائر یہاں تو اے اکبر
یہ پوچھتا ہوں خبر کچھ سنائیے نے کی

منزل عشق میں ہوتا نہیں رہبر کوئی　　ملک الموت کو میں خضر و مسیحا سمجھا

ہے یاد مجھے اکبر ارشاد یہ ناصر کا　　تیرا جو برا چاہے تو اس کا بھلا کرنا

ترنم و موسیقیت ان کے کلام کی جان ہے

محمد علوی علوی

محمد باقر برق کے چھوٹے بھائی تھے۔
۱۸۶۸ء میں ۱ سن میں پیدا ہوئے۔
عربی تعلیم انہوں نے حیدر صاحب و عبداللہ سہروردی سے۔
اردو تعلیم ضیاء الدین صاحب کی اور عبدالوہاب صاحب۔ اور علم تصوف سید صدر الدین شاہ قادری اور سید شہاب الدین قادری شہاب سے حاصل کیا

برق کے انتقال کے بعد کافی پلاسٹری کو زوال آچکا تھا۔ علوی ہائی اسکول اردو و فارسی پڑھانے پر معمور تھے۔ طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

برق نے اپنے ابتدائی کلام پر حضرت شہاب سے اصلاح لی پھر داغ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۰۱ء میں حیدر آباد میں داغ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ داغ کے انتقال

---

۱ علوی کے حالات ان کے فرزند عابد حسین علوی سے سلیم تمنائی کی وساطت سے ملے

کے بعد سائل دہلوی سے اصلاح لی۔ علوی کا ایک قلمی دیوان میں نے سلیم تمنائی کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ جس میں غزل، قصیدہ اور رباعی کے علاوہ ریاست بیسور کے کئی ذی اقتدار حضرات لوگوں کی ولادت، وصال، شادی، خیر مقدم وغیرہ کے کئی تاریخی قطعات بھی لکھے ہیں۔

۱۹۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

چشم سا کوئی اشکبار نہیں — دل مضطر سا بے قرار نہیں
روز ملتے ہیں روز لڑتے ہیں — ان کی باتوں کا اعتبار نہیں
جان جائے تو جائے بات نہ جائے — یہ مرا اور ترا شعار نہیں
سچ ہے دنیا میں بیکسی کے سوا — کوئی بھی اپنا غمگسار نہیں
توبہ کرکے میں شرمسار ہوا — مجھ سا کوئی گناہ گار نہیں

دل دیا اس نے خوب رویوں کو
کوئی علوی سا ہوشیار نہیں

عبدالحق

ابوالخیر عبدالحق بنگلور کے متوطن تھے۔ پیشہ طبابت تھا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو

تاکا نظر قہر سے اس شوخ نظر نے — ہر تار نظر میرے لئے تیر قضا تھا

پڑھا ہے کلمۂ دینِ محمد عبدالحق جس نے — یقیں جانو قیامت میں وہ رسوا ہو نہیں سکتا

حیاتِ نوح ملے یا حیاتِ خضر آخر — قضا ہمارے لئے اور ہم قضا کے لئے

الفاظ کی صفائی اور سادگئ بیان انکے اشعار کی خصوصیات ہیں

بابِ چہارم

عہدِ چامراج وڈیر یازدہم

۱۸۸۱ء تا ۱۸۹۴ء
۱۲۹۹ھ تا ۱۳۱۲ھ

چامراج وڈیر یازدہم کا دور حکومت ۱۸۸۱ء سے شروع ہو کر ۱۸۹۴ء پر ختم ہوتا ہے۔ یہ تیرہ سال کا زمانہ بھی گویا دور گذشتہ کے ہی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اردو کی ترویج و اشاعت کی سرگرمیاں اس دور میں بھی ویسی ہی جاری رہیں اردو کے نئے نئے اخبارات و رسائل پے در پے نکلتے رہے۔ شعر و شاعری کی محفلیں آئے دن برپا ہوتی رہیں۔ منشورِ محمدی اور زمرۂ احباب کی مساعیٔ جمیلہ نے لوگوں کے دل موہ لئے تھے۔ اس دور کی خصوصیات میں سرکار کی طرف سے اردو مدارس کا قیام، اردو نصاب کی کتابوں کی اشاعت اور اساتذہ کی تربیت کا انتظام وغیرہ ہیں

در اصل میسور میں صحافت نگاری کا دور عہدِ کمیشن سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور اس میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی۔ لیکن ہم نے اس کی تفصیل کی ضخامت کے

مدنظر اس کے لئے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ اسی طرح سرکار کی طرف سے اردو مدارس کا قیام اور عہد بہ عہد کی ترقی کے لئے ہم نے ایک علیحدہ عنوان قرار دینا مناسب سمجھا ہے۔

اس عہد کے خادمانِ زبان اور ادب کو پچھلے باب کے شعراء اور ادبا سے علیحدہ کرنا امر محال ہے۔ تاہم ہم نے انکی تاریخ طباعت اور علمی سرگرمیوں کے مدنظر اس باب میں اہتیں جگہ دی ہے۔ سب سے پہلے رکن الملک سید عبدالواحد صاحب سبزواری کے والد ماجد سید عبدالحی سبزواری کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

منشی سید عبدالحی سبزواری

سبزوار نامی ایران کے ایک شہر سے ان کے آباء و اجداد بیجاپور آکر سکونت پذیر ہوئے۔

سلطنت بیجاپور کے زوال کے بعد یہ خاندان بیدر چلا آیا۔ سید عبدالحی صاحب کے دادا سید حافظ علی ۱۲۶۳ھ میں آرکاٹ کے محاصرے میں کام آئے اور وہیں دفن کئے گئے۔

صاحب موصوف گورنمنٹ پریس اور بکڈپو کے ڈائرکٹر تھے انہوں نے مذہب و اخلاق سے متعلق متعدد مضامین لکھے ہیں۔ ان کے بیشتر مضامین منشور محمدی، قاسم الاخبار اور سلطان الاخبار میں شائع ہوتے تھے انہوں نے عرصہ دراز تک رائس گزیٹر کی تیاری میں رائس کے ساتھ مل کر کام کیا ترجمہ کا کام بھی بہت کچھ سرکار نے انہیں کے سپرد کیا تھا۔

جس کو وہ بحسن وخوبی بجالاتے رہے۔ شام راؤ کی تاریخ میسور کا
آپ نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ ان کی جغرافیہ کی
ایک مترجمہ کتاب میسور میں زمانہ دراز تک داخل نصاب تھی۔
آپ کے اشعار کا نمونہ ہم نے منشور محمدی کے زیر عنوان دیا ہے۔
منشی صاحب عالی جناب رکن الملک سید عبدالواجد صاحب
صبزواری کے والد بزرگوار ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے
جغرافیہ جہاں حصہ اول ایشیا جسے انہوں نے حسب الحکم۔ بھ۔
بھابھا صاحب ایم۔ اے، انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن سرکاری
اور اعانتی مدارس کے طلباء کے لئے لکھا تھا۔ چھٹی مرتبہ
مطبع نیومی بنگلور سے ۱۸۹۵ء میں [illegible] ہوئی
جغرافیہ جہاں [illegible] افریقہ۔ امریکہ) بھی
انہیں کے حسب الحکم لکھی گئی جو [illegible] چوتھی مرتبہ
۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ ان کی نثر نگاری کا نمونہ [illegible] ہے۔
جغرافیہ حصہ اول [illegible] زیر عنوان "[illegible] سٹرکٹ"
آپ یوں رقمطراز ہیں
"معسکر بنگلور کی آبادی ایک لاکھ اسی ہزار ہے۔
اور ریاست میں بڑا اور زیادہ آبادی کا شہر ہے۔ لفٹیننٹ
سرکار انگریزی کے علاقہ میں بڑی چھاؤنی اور بہت سے
یوروپینوں کا مسکن ہے۔ ۱۸۱۱ء میں انگریزی فوج سرنگاپٹم
سے یہاں آئی۔ بنگلور کا قلعہ نواب حیدر علی خاں بہادر کا بنا
ہوا ہے۔"
"کلام حادی" پر انہوں نے ایک تقریظ لکھی ہے۔
جس کے آخر میں ان کا یہ قطعہ تاریخ بھی مندرج ہے۔

لکھتے ہیں۔

بحمد اللہ چھپا دیوانِ جادو ۔۔۔ بنا ہے شاعروں کے دل کا محبوب
عجب فکرِ رسا کی ہے رسائی ۔۔۔ نیا انداز ہے اشعار میں خوب
طبیعت کیوں ہوا اس سے شگفتہ ۔۔۔ گلستانِ سخن کا ہے مطلوب
ہوا تاریخ کا جب فکر مجھ کو ۔۔۔ گیا تفتیش کے دریا میں ڈوب
کہا سر پر مرے جادو نے چڑھ کر ۔۔۔ لب اعجاز سے دیوانِ مرغوب
۱۳۲۴ھ

ان کی نثر صاف اور عام فہم ہر قسم کی عبارت آرائیوں، تصنع اور تکلف سے پاک ہے۔ قدامت کم اور معیاری اردو سے قریب تر ہے

مقبلؔ

سید شاہ فقیر محی الدین قادری متخلص مقبلؔ بن سید جلال الدین اکمل قصبہ سحل تعلقہ جیتور ادھر دیہی میں ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کے انتقال پر اپنے بڑے بھائی شاہ افضل کے زیر شفقت تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۳۰۰ھ میں ویلور تشریف لائے۔

حضرت مقبل بڑے متشرع، خلیق اور صوفی بزرگ تھے۔ شاعری میں شاہ افضل سے اصلاح لی۔ ان کے کلام میں اپنے دادا شاہ کمال کی طرح تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔ تصوف کی چاشنی

۱۔ جناب سید عبدالحی صاحب سبزواری کی سوانح حیات کے لئے ہم آپ کے فرزند گرامی جناب سید عبدالواحد صاحب سبزواری کے ممنون ہیں
۲۔ انجمن، مشاعرۂ بہشت مملوکہ سلیم بھائی سید شاہ فقیر محی الدین مقبل از سعادت مرزا۔ مطبوعہ نوائے ادب

کے ساتھ رنگ تغزل بھی ہے۔ زبان میں سلاست، محاورہ بندی اور شوکت الفاظ ان کو خاندانی ورثہ میں ملے ہیں۔ مقبل کے ایما پر ان کے جدامجد حضرت کمال کا دیوان مخزن العرفان، مولوی محمد اسحٰق نے ۱۳۲۱ھ میں چھپایا تھا۔ اس میں ان کی دو غزلیں۔ اور تاریخ قطعہ طباعت دیوان بھی ہے۔ اس کے علاوہ منظوم خطبات ابن نباتہ بنگلور میں۔ اور اردو مسدس سراپا رسول اکرم مطبع فخر المطابع لکھنؤ میں ۱۹۱۴ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئے ہیں۔ ان کے دو قلمی دیوان نعت اور غزلیات پر مشتمل ہیں۔ راقم الحروف کو حضرت دودھ پیراں صاحب قادری کے مکان سے ایک پرانی بیاض ملی۔ جس میں ان کی کئی غیر مطبوعہ غزلیں مندرج ہیں۔

حضرت مقبل کا ۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۴۶ھ میں انتقال ہوا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

جن و انسان و ملک ذکر خدا کرتے ہیں ‏ ‏ ‏ اور حیوان بھی اسے یاد کیا کرتے ہیں
نہیں موقوف مسلمانوں ہی پر اے مقبل ‏ ‏ ‏ رات دن جوگی بھی نام اس کا لیا کرتے ہیں

سچن دنیا میں جو سرکار کا منقاد نہ ہو ‏ ‏ ‏ بند آفات سے عقبیٰ میں وہ آزاد نہ ہو
خاک میں کوچہ اقدس کی خدایا مل جائے ‏ ‏ ‏ بعد مردن مری مٹی کہیں برباد نہ ہو

جسم کے آئینہ میں اسم کا مکھڑا دیکھا ‏ ‏ ‏ دل کی صورت میں جمال رخ معنیٰ دیکھا
حسن جاناں کا رخ بت میں تجلی دیکھا ‏ ‏ ‏ عکس آئینہ باطل میں کبھی خدا دیکھا
کثرت خلق میں ہے وحدت واحد ظاہر ‏ ‏ ‏ سب مظاہر میں ظہور ایک ہی شئی کا دیکھا
خود ہیں دیر و حرم و شیخ و برہمن مقبل ‏ ‏ ‏ حضرت عشق کا عالم یہ نرالا دیکھا

نماز فریضہ ہے پہچان حق کی — مگر خود شناسی بجائے وضو ہے

پردۂ غیب ہویت میں نہاں تو ہی تو تھا — بے جہت بے کیف بے نام و نشاں تو ہی تو تھا
عشق و عرفانِ وجود لے جانِ جہاں تو ہی تو تھا — تو ہی تحت و فوق تھا اور درمیاں تو ہی تو تھا

خلق خدا ہے خلق نبی الکریم کا — [illegible] نہیں خدا ہے خلق عظیم کا
مومن کا دل [illegible] الرحیم کا — [illegible] گھر ہی گھر ہے خدا [illegible] کے قسیم کا
لِلّٰہ کیجیے [illegible] — راجی ہے مقبل آپکے لطفِ عمیم کا

یہ اشعار [illegible] کمال کے آخری حصہ سے کمال الدین شاہ کے [illegible] کے منقول ہیں۔ ان کے علاوہ مقبل کی [illegible] قدیم خاندانوں کی بیاضوں [illegible]

منشی قریشی عابد

منشی عابد نے اپنے والد کے اقوال بنام عرفانِ قریشی حسب فرمائش [illegible] کتب بیور خاص صوبہ دار غلام مرتضیٰ صاحب [illegible] شائع کئے ہیں۔ وجہ تصنیف و تالیف میں فرماتے ہیں

عابد کی عرض ہے یہ بخدماتِ ناظرین — تصنیف و طبع کا سبب اس کے سوا نہیں
یکرو زمیرے والد امجد بطور پند — کرتے تھے معرفت کے بیاں پر نکاتِ چند

ساسح رہا بغور یہ احقر نے شاد شاد　　لیکن رہا زبا پتہ نہ کوئی رمز اسکا یاد
تب میں کیا یہ عرض وہ عالیجناب ہیں
کچھ میری التماس ہے عرفاں کے باب میں

التماس ۔ ناظرین کی خدمات میں عاصی قریشی عابدی عرض ہے کہ اس احقر نے والد ماجد کے تھوڑے ابیات صوفیہ بہ ترتیب درج کر کے نام تجویز کا "عرفان قریشی" رکھنے کے سوا حواشی میں ابیاتِ مذکور کے چند الفاظ و کلمات کے حتی الامکان مختصر معانی لکھا ہے۔ تا عند الضرورت شائقین کو جلد مطلب سے آگاہی ہو۔"

اس کے بعد اپنے والد ماجد کے اقوال و اشعار درج کر کے آخر میں لکھتے ہیں

"میرے پدر بزرگوار مصنف ابیاتِ ہذا قریشی عارف کوچہ ضلع ہاسن بیلور تعلق کے عملدار تھے۔ سو یک وقت ۱۲۹۸ھ میں بماہ ربیع الاول مع احقر حضرت میر واد افلندر کے کوچہ کو تشریف لے گئے تھے۔ عجب شانِ الٰہی ہے کہ اس زیارت گاہ میں آنجناب نقدس مآب کے روحانی تلقین کا فیض برکت حاصل کئے۔ جس کے ذریعہ سے من بعد مقام بیلور میں بہ توجہات شفا الملوک ہا عالم مریض کو فیض شفا بخشے۔ اور اب تک بھی وہی عمل جاری ہیں سو اظہر من الشمس ہے۔ عیاں را چہ بیاں یہ خداداد ہے۔"

الغرض یہ روحانی طاقت کے مالک اور بڑے لائق و فائق بزرگ تھے۔ اور اپنے وقت میں انہوں نے زبان و ادب کی بہت کچھ خدمات انجام دیں

محمد حنیف ناظم | محمد حنیف نام تھا۔ ناظم تخلص کرتے تھے ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کی تعلیم خانگی طور پر حاصل کی۔ قرآن شریف کے نصف سے زیادہ حصہ کے حافظ تھے۔ کنڑی اور انگریزی سے بے بہرہ تھے۔ پولیس میں ملازم تھے۔ پنشن پانے کے بعد ۱۹۱۶ء میں بمقام ڈیرہلی۔ ضلع کولار میں ان کا انتقال ہوا۔ علم طب سے بھی آشنا تھے۔ فن شعر میں اپنے والد ناظر کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

آنکھوں میں کھبی جاتی ہے رفتار محبت
اور دل میں جگہ کرتا ہے کردار محبت

آئینۂ دل صاف اگر ہو تو تمہیں بھی
ہر سمت نظر آئیں گے انوار محبت

مجھ عاشق مہجور سے نسبت ہے اسے کیا
قمری کے گلے میں بھی ہے زنار محبت

پورے ہیں وہی مرد جو ہیں قول کے پورے
کرنے کو تو سب کرتے ہیں اقرار محبت

سرکاریں بہت ہم نے یہاں دیکھی ہیں ناظم
ہے سب سے فزوں رتبۂ سرکار محبت

رہتے تھے یہاں لوگ جو تھے ناز کے پالے
سب ہو ہی گئے گردش گردوں کے حوالے

۱۔ آپ کے حالات زندگی اور نمونہ کلام جناب ادیب صاحب سے دستیاب ہوئے

کیا ملک عدم میں بھی کوئی جنگ چھڑی ہے
اس طرح ادھر جاتے ہیں ہر روز رسالے

اب ان کو میسر نہیں کملی بھی عزیزو
جو اوڑھتے پھرتے تھے کبھی شال دوشالے

نے دانہ ہے نے چارہ ہے گھوڑوں کو عرب کے
گردن میں گدھوں کے ہیں پڑے موتی کے مالے

ہم رنج کے عادی ہیں نہیں ڈرتے ہیں ہرگز
جتنا اے فلک ہم کو ستاتا ہے ستالے

کیوں اپنوں کو بیگانہ بنالیتا ہے ناظم
ہوتا ہے اگر تجھ سے تو روٹھوں کو منالے

ناظم کو فن سخنوری ورثے میں ملا تھا۔ تاثر اور تڑپ ان کے کلام کی جان ہیں۔

روشن

شعرائے بنگلور میں یہ بھی ایک نداق اور خوشگو شاعر تھے۔ ان کی یہ غزل غالباً ۱۸۸۴ء کی کہی ہوئی ہے۔ ان کا کلام زیادہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ ایک دو شعر نمونتہً پیش ہیں۔

آنکھوں کا کسی کی ہوں میں سرشار محبت
بس طاق میں دھر دو ہوس مے نہیں مجھکو

اللہ رے عیاری بیمار محبت
نسخہ نہیں جز وصل کوئی چارہ گری کا

۱۔ میسور میں اردو مصنفہ عبد الحافظ سعید

غلام محمد شریف ادب

غلام محمد شریف متخلص ادبؔ محمد قاسم غمؔ کے فرزند تھے۔ رسالۂ شمع سخن کے مہتمم تھے۔ اور اپنے معاصرین میں اچھے شاعر مانے جاتے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں ۴۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

روشن ہیں مرے داغ سے انوارِ محبت
خاموشی میں کرتا ہوں میں اظہارِ محبت
بے وجہ نہ آنکھوں سے ادبؔ خون رواں ہے
دل میں ہے مرے ایک خلش خارِ محبت

منشی قادر علی خاں قادر

ان کا اسم گرامی منشی قادر علی خاں چشتی نظامی تھا۔ محمد شفیع علی خاں داروغہ رئیس بنگلورسٹی کے فرزند رشید تھے۔ انہوں نے شیخ فریدالدین کی مثنوی منطق الطیر کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو مطبع شوکت الاسلام بنگلور سے ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ مثنوی میں "عرض حال" کے زیر عنوان یوں رقمطراز ہیں۔

مدتوں سے مجھکو ایسا شوق تھا
صوفیوں میں بیٹھنے کا ذوق تھا
ایسے میں مجھکو ملا میرا رفیق
نیک سیرت تھا وہ کمسن کا رفیق

---

۱ مدراس میں اردو ۱۸۰

تب کہا تیرا ہے کیوں حال تباہ　　جوں بنے کرتا ہے دیکھ خالق گواہ
تو خدا کے واسطے کچھ غم نہ کھا　　اسکا ساماں میں کروں گا مہیا
نام ان کا شاہ اعتما علی　　ماہر سر خفی ہیں اور جلی
ان سوا دستا نہیں مجھکو کوئی
اس لئے چلنا پڑا تم ہم سبھی

حکایت نمبر ۹ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔
مچھلیاں جمع اٹھے گرداب میں　　عشق کا شمع جلائے آب میں
مل کے سب تجویز آپس میں کئے　　کہتے ہیں مینڈک ہمارے ساتھ کے
ہم ہیں ماہی وہ ہیں مینڈک غیر ہیں　　غیر صحبت کیوں رہیں وہ بیر ہیں
یہ ہماری زندگی باعث نہ تھی　　زندگی بے معرفت خالی دسی
جمع ہو کر مچھلیاں سب یہ کہے
جانے یارب کس طرح ہم دیو بنے

اس کتاب میں جملہ تیرہ حکایات منقول ہیں۔ تیرھویں حکایت کے خاتمہ پر لکھتے ہیں۔
مظہر ذات خدا تیری یہ ذات　　یہ جو دستا ہے یہاں پر تیری آیات
وسوسہ دل سے نکال یاں کچھ نہیں
سن لے سید صابات کریاں پیچ میں

گم نہ کر کے پیچ کو ڈھونڈے مدام　　غافلی خود سے کہوں کیا والسلام
اس کتاب کے آخر میں عطا نہ گلوری اور سید بایزید نبیرہ غفار شہید

۱۔ یہ کتاب صدا سے کیمہ پیر صاحب بنگلوری کے کتب خانہ میں موجود ہے

کے قطعات تاریخ بھی مندرج ہیں۔ عطا صاحب لکھتے ہیں

سید الشعراء عارف دستگاہ | رشک فردوسی امام الشاعری
لکھی ایسی مثنوی عالیجناب | اہل دل کو جس سے ہووے دل لگی
گویا ہے اردو زبان عام میں | پر ہے وہ لب لباب مثنوی
صاف ہے مفہوم جیسے آئینہ | کردیا ہے تارکیوں کو منجلی

خوش سے بولا عطا تاریخ ختم
خوب لکھا مثنوی قادر علی

۱۲ ھ ۳۰

تقریظ مثنوی از بایزید

اے تعالی اللہ تجھ پر مرحبا | خوب لکھا مثنوی اچھی لکھا
خسرو عرفاں سریر آرائے علم | ہے دبیر آسماں آرائے علم
ہے لسان الغیب یا تیری زباں | سحر ہے یا ہے فسوں تیرا بیاں

بولا دل تیرا یہاں کر بند اب
مثنوی پنجتن اردو ادب

۱۲ ھ ۳۰

قادر کے کلام میں دکنی الفاظ اور دکنی ترکیبیں اور محاورات بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً دسنا بمعنی دکھائی دینا۔ نیں بمعنی نہیں۔ بڑ اور چڑ بجائے بڑھ اور چڑھ انتھا بجائے تھا۔ وغیرہ
معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے خیالات کو عام فہم بنانے کے لئے عوام کی زبان ہی تصنیف و تالیف میں استعمال کرتے تھے۔

خان بہادر جوہر مجلس محمد علی مہمان

مہمان ۱۸۲۸ء میں بنگلور میں پیدا ہوئے۔ ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۸۸۸ء میں اس سے سبکدوش ہو گئے ۱۸۹۳ء میں مہاراجہ چامراج وڈیر بہادر نے جوہر مجلس کا خطاب عطا کیا۔ مہارانی صاحبہ نے انہیں اجازت دی تھی کہ دربار میں کمر باندھے بغیر حاضر ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک بڑا اعزاز تھا جو بہت کم لوگوں کو ملتا تھا مہمان نے مہاراجہ چامراج وڈیر کے ساتھ سارے ہندوستان کا بھی سفر کیا۔ انہوں نے اپنے سفر کا روزنامچہ بھی تحریر کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرسید، حالی اور ذکاء اللہ سے ان کی ملاقات بھی ہوی۔

ان کی ایک تصنیف بنام "ہدیہ مہمان" ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء میں مطبع حقانی سے شائع ہوی۔ یہ کتاب ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں علم کی ترغیب و فوائد، علم کی تمثیل، جہالت کی مذمت، کسب معاش کے فوائد وغیرہ مندرج ہیں۔ فرماتے ہیں

" اے ہمارے ہم قوم بھائیو! دیکھو کہ ان دنوں خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور ہماری مہربان گورنمنٹ کے انصاف اور رعایا پروری کی نظر سے اس میسور کے ملک میں عموماً اور بنگلور میں خصوصاً سب زبانیں سیکھنے کے لئے بہت سے مدارس صرف کثیر سے دن کو اور راتوں کو مفتوح ہوتے ہیں۔ اور ان میں سوائے دوسری قوموں کے مسلمان لڑکے یا نوجوانان قوم بہت تھوڑے ہیں۔ جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ داخل و کامیاب ہوتے ہیں۔"

اس میں مہمان کی بعض رباعیات بھی درج ہیں۔
ان میں سے کچھ رباعیات درج ذیل ہیں۔

ہمدردوں کی آرزو کہ بتلا دیں راہ
اور قوم کی ہے ضد کہ بنیں خود گمراہ
شیطان کی ہے ہٹ کہ نہ چھوڑے پیچھا
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ہر قوم ہے نیک کرتی حالت اپنی
عزلت سے بدل دیتی ہے ذلت اپنی
اور ہم ہیں کہ دن بدن ہٹے جاتے ہیں
ہے بے عملی کے بل سے بری گت اپنی

غفلت کے نشہ میں سخت مخمور ہے قوم
بیماری جہل میں بھی رنجور ہے قوم
ذلت کے فلاکت کے بہت ہے نزدیک
عزت سے فراغت سے بہت دور ہے قوم

پھر ایک نظم قوم کی زبان سے کہی ہے۔ جس کے بعض
اشعار یہ ہیں۔

جنت کی کب سیر جو سنا یا کرے کوئی
دوزخ سے کب ڈریں جو ڈرایا کرے کوئی
ہم اپنی فاقہ مستی میں بیہوش ہیں جو اس
دیوانہ پھر جو رغبت سحر کرے کوئی
ہم اپنے خواب جہل میں مدہوش اگر رہیں
جگنا محال حشر بھی برپا کرے کوئی
ہم پر نہ جنا کم ہوا رنگ عیوب کا
ہم کو اٹھا اداللہ گنگا کرے کوئی

کیا غم کسی کی عقل ناحق پسند میں
مہماں کی حق بیانی کا شکوہ کرے کوئی

ان کی دوسری تصنیف "خطبات عجیبہ" یعنی جہار گلزار اسلام

ہے جو آٹھ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس میں انہوں نے
بعض آیات وسورتوں کی منظوم تشریح بھی کی ہے اور ضروری
مسائل نماز و ارکان مذہبی بیان کئے ہیں۔

اس مثنوی کے قطعات تاریخ طبع عبدالحق صاحب
تحقیق، منشی ابوالخیر محمد عبدالحق عبدحق اور منشی عبدالقادر طالب
نے فارسی میں لکھے ہیں۔

مہمان کا انداز بیان آسان اور ہر طرح کی پیچیدگیوں
اور الجھاؤ سے پاک ہے۔ تشبیہات اور استعارات بہت کم استعمال
کرتے ہیں۔ جن شاعروں اور ادیبوں کے پیش نظر اصلاح قوم
یا مذہبی مسائل کی تشریح ہوتی ہے۔ عموماً ان کی طرز تحریر سلیس
اور عام فہم ہوتی ہے۔ مہمان بھی اسی طبقے سے تھے۔ اس کے
ساتھ ساتھ سلاست بیان اور روانی ان کے کلام کے جوہر ہیں۔
مہمان کا انتقال ۱۸۹۹ء میں ہوا۔

عبداللہ مستان

والد کا نام قادر خاں بیجاپوری ہے۔ یہ بیجاپور سے آکر ریاست میسور میں ضلع تمکور کے قریب
ایک گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب عقائد و فقہ
کے بیان میں بنام "احسن الکلام جواہر الاحکام فی دین الاسلام"
تالیف کی ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شاہ
عبداللطیف صاحب قادری ویلوری کے غائبانہ مرید تھے۔
اور غلام محی الدین میسوری کے شاگرد۔ سبب تالیف لکھتے ہوئے
فرماتے ہیں

۱۔ اس کا مخطوطہ میں نے سر قاضی محمد قاسم صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔

الغرض یہ خاکپائے مرد و زن — وعظ گوئی کا ذرا رکھتا تھا فن

صد فراغت میں کیا کرتا تھا معاش — پر رہی مدت سے مسلوں کی تلاش

چند مسائل دین کے احکام کے — لکھ رکھا تھا جو انھے سو کام کے

دیکھ اسکو چند محبانِ عظام — اس کو پورا کرنے فرمائے کلام

میں تو دیوانہ تھا بے عقل و شعور

کہنا ان بھائیوں کا مانا بالضرور

الحمد للہ جو ان دنوں ۱۳۰۷ سال ہجرت سے ہے۔ اس عاصی ہیچمدان نے اس کتاب کی تحریر شروع کی۔ چند مسائل جو دین کے تولد سے لے کر موت تک اور ما بعد الموت سے بھی علاقہ رکھتے تھے۔ جن کا جاننا ہر مسلمان مرد و عورت کو واجب و لازم ہے۔ چن چانکر ایک جا جمع کیا۔ اور اس جواہر آبدار و در شہوار کو سلیس[1] ہندی زبان کی سلک میں منظم و مندرج کیا تاکہ نفعِ عام کا موجب ہو

یہ کتاب ۴۵۷ صفحوں پر مشتمل ہے اور آخر میں مولانا مولوی شاہ عبدالقادر علی صاحب صوفی کے دستخط ہیں۔ اس اعلان کے ساتھ کہ "یہ اہل سنت والجماعت حنفیہ کے کتب معتبرہ عقاید فقہ سیر و اخلاق پند و مواعظ سلوک تصوف وغیرہ کے مطابق اور انہیں سے ماخوذ ہے۔ طبع و کتابت کے اغلاط کے سوا اس کے اصل مطلب میں غلطی کو کوئی گنجائش نہیں"۔

۱۔ ۱۳۰۷ ہجری میں بھی ریاست میسور میں مسلمان اردو کو بجائے اردو کے ہندی زبان کہتے تھے۔

اس کتاب کے صفحہ ۴۳ پر مصنف کا یہ شعر زبان کی قدامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ؎

جس کے دل میں دین کا کچھ درد نیں
سر پہ اسکے خاک بٹھا۔ وہ مرد نیں

مصنف مذکور نے ایک اور رسالہ بنام "جواہر الھدایت" آنحضرت صلعم کے احوال سیر میں لکھا ہے جس پر منقول ہے۔ مولفہ و مرتبہ بلند مرتبت صلاح و لیاقت نشان رسالدار مستان صاحب نے مطبع محمدی واقع عسکر بنگلور سے شائع کرایا۔

حمد و نعت کے بعد اپنے والد و مرشد و استاد کا نام لکھ کر سبب تالیف کتاب میں لکھتے ہیں

"اے عزیز یہ عاصی بر معاصی کبھی کبھی دینی بھائیوں کو کلمہ خیر سنانا اور کچھ نوشت و خواند و ترجمہ کی عادت بھی رکھتا تھا۔ اندنوں چند برادران و بزرگان دین یہ عاصی کے لکھے ہوئے نسخوں کو دیکھ کر بطور وعظ کے سیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرکب بنظم و نثر لکھنے امر فرمایا۔ یہ باشندۂ دہقان و بدترین زمان بباعث لاعلمی اس امر میں ہمت نہ کرسکا۔ ایک روز بہ بخت فیروز جوہر نتیجۂ حق گزینی سالک راہ خدا جوئی ملازم طریقۂ صدق گوئی گل دگلشن خاندان نبوی حضرت مولانا سید شاہ شیخن احمد صاحب قبلہ شطاری المعروف بہ صابجو صاحب متصل لال باغ بنگلور سٹی الملقب بہ شیخ المشائخ مدظلہ العالی جو ہمارے ملک کرناٹک اور

۱۔ ہنیں۔ ۲۔ ڈال

خصوصًا میسور اسٹیٹ کے لئے آپ کا وجود ایک نعمت وغنیمت اور باعث فیض و برکت و نزول رحمت ہے۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے گوہر فشانی کی اور ارشاد فرمایا کہ سیر شریف میں ایک کتاب لکھو۔ ۱۳۱۲ھ شہر ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں بہت سے سیر کتابوں اور تفاسیر سے اخذ مضامین کرکے بطور لب لباب ابتدائے نور سے تا انتہائے وفات آنحضرت صلعم کے سیر شریف کا احوال مبارک مختصر و مجمل لکھنا شروع کیا"۔

اس کتاب میں مثنوی رومی، ہشت بہشت، جلاء السیر، من لگن، فوائد بدریہ، تحفۃ النساء، آثار نبوت، تفسیر شرح سر الشہادتین و جواہر التفسیر کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔ آخر میں ناطق کی ایک نعت کے بعد یوں لکھا ہے

یہ رسالہ جواہر الہدایت فی احوال خاتم الرسالت بہ تاریخ ۹ ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۳ھ م ۲۳ ماہ اپریل ۱۸۹۶ء مطبع محمدی واقع معسکر بنگلور میں اختتام طبع کو پہنچا۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ بنام گلشن رحمانی جو حضرت سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے مناقب میں ہے۔ ۱۳۱۴ھ میں جناب مستان خاں صاحب نے تالیف فرمایا۔ جو مطبع محمدی بنگلور میں طبع ہوا۔

بعد حمد و ثنا کے سبب تالیف کتاب میں لکھتے ہیں کہ جواہر الہدایت کی تالیف کے بعد انہوں نے شاہ عبدالقادر صوفی بنگلوری کے حسب فرماں اور مولانا سید شاہ شیخن احمد صاحب شطاری المعروف صابجو صاحب بنگلوری الملقب بہ شیخ المشائخ کے ارشاد کے موافق یہ کتاب حضرت محبوب سبحانی کے

مناقب معتبر کتابوں سے چن کر افادۂ عام کی خاطر لکھی۔ اور
اس کے گیارہ چمن (یعنے باب) قرار دیا ہے۔ اس میں محبوب القلوب
مصنفہ مولانا باقر آگاہ، مثنوی رومی، من لگن (بحری) اصول
صوفیہ، مثنوی مولانا شاہ بوعلی قلندر، شیخ فریدالدین عطار
کی مثنوی منطق الطیر، گلدستہ کرامات وغیرہ کے حوالہ جات دیئے
گئے ہیں۔ یعنی گیارہویں چمن میں مریداں و اولاد آنحضرت صلعم کا
ذکر بھی ہے۔ اس میں خواجہ معین الدین چشتی حضرت شیخ عثمان
بہاؤالدین محمد نقشبندی کے علاوہ اپنے پیر و مرشد سید شاہ
عبداللطیف قادری المعروف بہ سید محی الدین صاحب ویلوری
کا ذکر نہایت خلوص سے کرتے ہیں۔ شیخ کرمانی و شیخ احمد کبیر
کرمانی کے متعلق لکھ کر آخر میں طریقۂ شطاریہ کے ذکر میں
لکھتے ہیں کہ طریقۂ شطاریہ کے بزرگوں میں سے حضرت مولانا
شاہ عطا اللہ شطاری اہل کرامات و صاحب حالات اہل تقویٰ
تھے۔ اس کے بعد ان کا اورنگ آباد سے بیلم جانا اور وہاں نواب
حیدر علی خاں بہادر کا بیلم میں فوج کے ساتھ ورود اور ان کے
معجزے دیکھ کر انہیں ریاست میں مدعو کرنا اور ان کا بنگلور
میں اقامت گزیں ہونا اور نواب بہادر کا ان کے ساتھ کمال عقیدت
رکھنے کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد بزرگ موصوف کے
خلیفہ اور داماد حضرت مولانا سید نبی شاہ صاحب شطاری
کا ذکر کیا گیا ہے جو نہایت ہی متشرع بزرگ اور مہمان نواز
انسان تھے۔ ان کا وصال ۱۲۳۲ھ میں رجب کی انیسویں کو
ہوا۔ عطاء اللہ شاہ شطاری اور نبی شاہ صاحب کے مزارات
بنگلور میں لال باغ کے متصل بڑے مکان میں ہیں۔ مصنف

کے زمانہ میں ان کے چھوٹے فرزند مولانا شاہ غلام حسین احمد شطاری وہاں مقیم تھے۔ وہ لکھتے ہیں "مخفی نہ رہے کہ حضرت مولانا سید شاہ شیخن احمد صاحب شطاری المعروف حضرت صابجو صاحب بنگلوری الملقب بہ شیخ المشائخین مدظلہ العالی کہ جن کی ذات بابرکات جامع شریعت و طریقت ہے کہ جن کا نام نامی اسم گرامی مولف دیباچہ میں لایا ہے۔ آپ اکتیس واسطے سے حضرت امام موسیٰ کاظم تک پہنچتے ہیں۔ اور حضرت نبی شاہ صاحب شطاری قدس سرہ آپ کے جد امجد اور حضرت شاہ غلام سید احمد صاحب شطاری قدس سرہ کے حقیقی نانا ہوتے ہیں۔"

پھر مولانا شاہ عبدالقادر علی صاحب قادری کے ذکر کے بعد حضرت محبوب سبحانی کی اولاد کے بیان پر یہ کتاب ختم ہوئی ہے۔ آخر میں مصنف مستان کی ایک مناجات ہے۔

الٰہی دے مجھے توفیق ایسی
کہ میں بھی ہوؤں اس وادی کا راہی

کہ میں پیرو رہوں ان کاملوں کا
رہوں تابع سدا ان عارفوں کا

طفیل ان کے مرا پیمانہ بھر دے
مجھے بھی مست کیف عشق کر دے

مری اہل و عیال احباب کو سب
ہیں جتنے میرے شیخ و شاب کو سب

دو عالم کے بلاؤں سے بچا رکھ
خوش و خرم انہوں کو تو سدا رکھ

نہ کوئی تکلیف دنیا میں اٹھائیں
نہ زحمت کوئی عقبیٰ میں اٹھائیں

خدا وندا یہ چاہتا ہے مرا دل
کہ جنت میں ہوں میں بے رنج داخل

اگر ہو جائے مجھ پر فضل تیرا
تو ہووے خاتمہ بالخیر میرا

آخر میں سید محی الدین شاہ صاحب شطاری المعروف
اسد پیراں شطاری نے ایک قطعہ تاریخ فارسی زبان میں لکھا ہے
جس کی تاریخ تصنیف۔ " باغ رحمانی " سے نکلتی ہے
۱۳۱۴ھ

ان کی نثر میں فارسی الفاظ اور ترکیبیں کثرت سے ملتی
ہیں۔ لیکن انداز بیان دکنی ہے۔ انھوں نے فارسیت اور
دکنیت کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

مکی خاندان

مکی خاندان میں ایسی ایسی مبارک ہستیاں
گذری ہیں۔ جن کے نام خادمان اردو کی
تاریخ میں حروف زریں سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ محترمہ
عقیلہ بیگم مرحومہ بیگم محمود شریف صاحب اڈوکیٹ و
سابق وزیر صحت و تعلیم حکومت میسور، روشن خیال اور تحریر و تقریر
میں ماہر خاتون تھیں۔ اردو زبان سے انہیں خاص شغف تھا۔
ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ مجھے یہاں یہ کہنا مقصود ہے
کہ انھوں نے اپنے خاندان کے معزز افراد کا تذکرہ لکھ کر روانہ
فرمایا تھا۔ جنھوں نے ساری عمر اردو زبان و ادب کی خدمت
میں بسر کردی۔ افسوس اس وقت یہ مایۂ ناز ہستی ہمارے
درمیان نہیں ہے۔ مگر ان کے ارسال کردہ مضامین میں جو
جواہر پارے بکھرے ہوئے ہیں۔ ان سے ان کی یاد ہمیشہ تازہ
رہے گی۔ اس میں ان کی والدۂ محترمہ عائشہ بیگم اہلیہ ظہیر الدین
مکی صاحب مرحومہ کے حالات بھی شامل ہیں۔ الغرض یوں تو

اس خاندان کا ہر فرد تعلیم یافتہ ہے۔ لیکن جن افراد نے قلمے درمے، سخنے زندگی بھر اردو زبان کی خدمت کی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ غلام محمود مکی محمودؔ، نذر حسین شریف، منشی قادر محی الدین مکیؔ، فصیح الدین مکیؔ، مولوی عبدالوہاب مکیؔ، ظہیر الدین مکیؔ۔

غلام محمود مکی محمود

ان کے والد ماجد کا نام زین العابدین مکی تھا۔ جد اعلیٰ حافظ غلام محمد شاہ قادری مکیؔ تھے۔ بنگلور ان کا وطن تھا۔ ۱۳۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ اردو فارسی زبان کے بہترین عالم اور عاشق رسول تھے۔ ان کا کلام اکثر نعتیہ ہوا کرتا تھا۔ یہ میسور کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

"رویائے صادقہ"

فضل سے تھی بہ سعادت ایک شب میرے قریں
عالم رویا میں دیکھا روئے ختم المرسلیں

پہنچا میں یثرب میں فرمایا مجھے عثمان نے
مسجد نبوی میں ہیں شاہنشہ اقلیم دیں

میں بڑھا سوئے طرف اتنے میں آئے سامنے
اوڑھ کر کملی سیہ محبوب رب العالمیں

سر بلندی پر مجھے بیشک بجا ہے فخر و ناز
میں نے اقدام رسول اللہ پر رکھی جبیں

دیکھ کر مجھ کو کیا شیریں تبسم مصطفےٰ
ہو گئی مسرور و خوش محمود کی جان حزیں

انھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مرثیہ کہا تھا۔ جس کی ایک بیت یہ ہے۔

محمود نے کسی کا برا کچھ نہیں کیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ایک نعتیہ غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں

جلوہ گر دنیا میں ہے نعت پیمبر آج شب
ہیں زمین و آسماں سارے منور آج شب

اللہ اللہ نعت کی محفل ہے کیسی دلربا
ہے جہاں میں گلشن جنت کا منظر آج شب

صدقِ دل سے پڑھ رہے ہیں نعت احمد دیندار
عرش پر حق ہے محمد کا ثناگر آج شب

کرتے کرتے نعت احمد مر گئے جو دیندار
نور حق سے ان کی قبریں ہیں منور آج شب

آفریں محمود تجھ پر شوق سے حور و ملک
پڑھ رہے ہیں یہ قصیدہ اے سخنور آج شب

ایک مرتبہ حجاز ریلوے فنڈ کے چندے کی وصولی کے لئے ایک وفد بنگلور آیا تو انھوں نے ایک منظوم اپیل بڑے موثر انداز میں لکھی تھی۔ جس کی چند ابیات حسب ذیل ہیں

اے راہِ خدا میں دینے والو
فردوس عوض میں لینے والو

الوانِ نعم ہیں وہ مہیا
دنیا میں نہیں کسی نے دیکھا

یثرب کا ملے جو سنگ خارا یاقوت سے ہوگا تم کو پیارا
کامل ہو جو عشق مصطفیٰ میں اڑ جاؤ مدینہ کی ہوا میں

انہیں مناظر قدرت کی تصویر کشی کا خاص ملکہ تھا۔ وہ اپنی نظم بعنوان کاویری میں لکھتے ہیں۔

کہسار سے میدان میں آتی ہے بل کھاتی ہوی
جس طرح اک ناگن کوئی چلتی ہے لہراتی ہوی
یا موتیوں کا ہار ہے ٹوٹا ہوا بکھرا ہوا
مرہون منت ہیں تری اس ملک کی سرسبزیاں
تیرے ہی دم سے ہیں سبھی میسور کی آبادیاں
میسور تیرا لاڈلا۔ میسور کی مادر ہے تو

نذر حسین[۱] شریف

نذر حسین شریف مرحوم ایک روشن خیال، علم دوست اور باہمت انسان تھے۔ سب سے پہلے بنگلور میں موصوف ہی نے تعلیم نسواں کی بنیاد ڈالی۔ اپنے عزیز و اقارب کی چند پڑھی لکھی بی بیوں کو جمع کرکے اپنے صرف خاص سے ایک زنانہ مدرسہ کھولا۔ اور مدرسہ کا نام مفید النسوان رکھا یہ مدرسہ سالہا سال تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر گورنمنٹ

۱۔ یہ عائشہ بیگم مرحومہ مسز ظہیر الدین کی کے نانا ہوتے ہیں۔ ان کے حالات مرحومہ نے لکھ کر بھیجے ہیں۔

سے امداد حاصل کی گئی۔ دوسرا مدرسہ اسی نوعیت کا محسکر بنگلور میں عبدالحفیظ صاحب آرام وشاعر نے جاری کیا۔ یہ دونوں بزرگ یک جہتی و اتفاق سے رفاہ عام کے کاموں میں لگے رہے۔

انہوں نے بنگلور میں ایک انجمن بھی قائم کی تھی جسمیں ایک دارالمطالعہ اور تفریح گاہ بھی شامل تھی۔ انہیں قومی کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر شب و روز انجمن کی عمارت کو سفیدی اور رنگ لگانے کے کام میں مزدوروں کے ساتھ شریک رہتے۔ اور ان کے ساتھ مولوی عبدالوہاب مکی بھی ہر کام میں معاونت فرماتے

الغرض انہیں اردو زبان سے والہانہ لگاؤ تھا جگہ جگہ انہوں نے اردو مدارس قائم کئے۔ اردو میں بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ رفاہ عام کے لئے بڑی جد و جہد کرتے اور خصوصًا انہیں تعلیم نسواں کا بڑا خیال تھا۔ مدرسہ کے علاوہ یہ گھروں میں جاکر لڑکیوں کو تعلیم دیتے۔ اچھے اچھے مضامین لکھ کر بچوں اور بڑوں کو سناتے۔ الغرض ان کا وجود خاندانِ نکیہ کے لئے باعث فخر و ناز ہے۔

قادر محی الدین مکی

قادر محی الدین صاحب مرحوم نہایت روشن خیال، لایق و متین بزرگ تھے اور نہایت بلند پایہ ادیب، تحریر و تقریر نہایت پر زور اور

---

(۱) عائشہ بیگم کے والد بزرگوار تھے

پرتاثیر ہوتی ۔ انداز بیان باوقار اور شیریں ہوتا اور فصیح و شستہ زبان بولتے ۔ اور لوگ ان کی تقریر بڑے شوق سے سنتے تھے ۔ یہ شاہ عبدالباقی باشندۂ میسور ساکن حیدرآباد کے شاگرد رشید تھے ۔ بروقت ضرورت فارسی اور اردو میں نظم کہتے اور فرمائش پر بچوں کے ولادتی قطعات اور مجالس میں پڑھنے کے لئے مضامین نظم و نثر، رباعیات و غزلیات لکھتے تھے ۔ وطن، وکیل، چودھویں صدی، پیسہ اخبار وغیرہ میں ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے ۔ سنٹرل کالج میں فارسی کے منشی تھے ۔ ان کا انتقال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں ہوا ۔ یہ قاضی نذر حسین کے داماد تھے ۔ ہمیشہ ان کے قومی و اصلاحی کاموں میں ممد و معاون رہے ۔ ان کے کلام کا بڑا حصہ تلف ہوگیا ۔ بہت سی نظمیں اور تاریخیں جو انہوں نے اپنے عزیز و اقارب کے لئے لکھی تھیں ۔ قطعوں کی صورت میں اس خاندان میں محفوظ ہیں ۔ ان کے برادر زادے قاضی فصیح الدین مکی نے ایک کتاب "رموز المعرفت[1]" مسائل تصوف پر لکھی ہے ۔ اس کی تقریظ قادر محی الدین صاحب نے نظم میں لکھی ہے ۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام میں تصوف کا رنگ غالب تھا ۔ تقریظ ملاحظہ ہو ۔

یہ کتاب مستطاب معرفت	جب ہوئی تیار از فضل خدا
حسب استدعا فصیح الدین کے	میں نے دیکھی ز ابتدا تا انتہا
منتخب ہے مختصر ہے اور مفید	جیسا اک دریا ہے کوزے میں بھرا
جانفشانی مولف دیکھ کر	دل سے نکلے آفریں و مرحبا

۱۔ رموز المعرفت مصنفہ قاضی فصیح الدین مکی

ہے شریعت کو طریقت میں لکھا
جو طریقت ہے وہ مملو شرع سے

حق شناسی میں شناسائی خود
خود شناسی میں شناسیٔ خدا

جو ہیں تمثیلات سب ہیں بے نظیر
ہے موثر دل پہ رمز اسرار کا

بعد ہر مطلب کے جو ابیات ہیں
ہیں اسی مطلب کے حسب مدعا

الغرض ہے کشف سر معرفت
راز ہے اسمیں حقیقت کا کھلا

ان کی نثر نگاری کا نمونہ ملاحظہ ہو

وہ راستی کو اپنا اثر ظاہر کرنے میں کسی کی تائید کی ضرورت نہیں ہر ایک سے بہت قریب ہے۔ ہر ایک کے لبوں پر ہی ہے۔ سوچنے کے آگے لبوں سے نکلنے تیار ہے۔ راستی ایک پختہ اور مضبوط عادت ہے۔ اس کا ہر حصہ مستحکم ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں۔ کسی حادثہ سے بھی متزلزل ہونے والی نہیں۔

راستی گویا ایک مقررہ راہِ راست ہے۔ جس سے راہرو بغیر فکر و تردد کے منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ علاوہ ان تمام کے راستی تمام معاملات کو آسانی سے طے کرنے کے لئے ایک عمدہ اور بہتر ہوشیاری ہے۔ جنھوں سے ہم کو معاملہ رہنا ہے۔ ان میں ہم کو معتبر بناتی ہے۔ تھوڑے لفظوں میں کام بن جاتا ہے۔ بہت تحقیق کرنے کی تکلیف کم ہوتی ہے۔

محمد رضا خاں رضا
شرزہ پوری

محمد رضا خاں متخلص رضا مولوی احمد خاں کے فرزند تھے۔ یہ شرزہ پور ضلع بنگلور میں ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ بڑے اعلیٰ پیمانہ پر طبابت کرتے تھے۔ یکہ دقاضی خاندان خصوصاً شرزہ پور کے نواب غوث خاں صاحب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شرزہ پور سے یہ اور ان کے والد بزرگوار نے منتقل ہو کر دیون ہلی ولادت گاہ حضرت ٹیپو سلطان شہید میں سکونت اختیار کرلی اور وہاں کے باشندوں میں بلا تفریق ہندو مسلم بڑی مقبولیت حاصل کی۔ دیون ہلی کے مضافات کے رضا قاضی بھی تھے۔ انہوں نے وہاں مسلمانوں کے لئے ایک مسجد اور ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اردو اور فارسی کے ماہر اللسان تھے۔ آج بھی ان کے مطب میں بڑی اچھی اچھی مذہبی اور طبی اردو فارسی کی کتابیں موجود ہیں۔ بڑے بڑے مالدار لوگ ان کے معتقد تھے۔ ان کا گھر شعراء و علماء کا مرکز بنا رہتا تھا۔ انہوں نے مسجد اور مدرسہ تعمیر کر کے جماعت کے ذمہ کردیا۔ مدرسہ کا نام مدرسۂ انوار المسلمین تھا۔ حج بیت اللہ کے شرف سے بھی مشرف تھے۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں "انوار محمدی" نہایت مشہور رہے۔ اس کی قلمی نقلیں آج بھی کئی اداروں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ ان کے بعد ان کے بھائی مولوی عبدالرحیم خاں صاحب اردو کی خدمت میں منہمک رہے۔ یہ ہڈ ماسٹر بھی

سید غوث محی الدین صاحب اڈیٹر الکلام سے ان کے حالات دستیاب ہوئے

تھے۔ اردو فارسی میں شعر بھی کہا کرتے۔ اور ایک مدرسہ بھی لڑکیوں کے لئے "احیاء العلوم" کے نام سے قائم کیا۔ آج بھی ان کے برادر زادے مولوی حکیم احمد خاں فرزند مولوی رضا خاں صاحب اسی مسلک پر گامزن ہیں۔ اردو فارسی کے فاضل اور بڑے اچھے واعظ بھی ہیں۔

قاضی فصیح الدین مکی

قاضی فصیح الدین مکی خلف الرشید قاضی محمد غوث مکی۔ قاضی جعفر شریف کے نواسے تھے۔ جو سلطان شہید کے زمانہ میں شہر بنگلور میں سر قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے اور ۸۲ کی عمر میں ۱۹۲۷ء ماہ جون میں انتقال کیا۔ انہیں درس و تدریس کا زیادہ شوق تھا۔ ۳۰ سال تک معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کے استاد عبدالباقی تھے جن کے فیض صحبت نے انہیں صوفی بنا دیا۔ یہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ جس گاؤں میں ان کا قیام ہوتا وہاں مدرسہ کی بنیاد ڈال کر لڑکوں کو جمع کر کے تعلیمی سلسلہ شروع کر دیتے۔ ان کی ایک غزل کے کچھ مصرعے یہ ہیں

افسوس اب تجھ سے دعا خاص رہی ہے
مقبول ہو تو زہے بخت وری ہے
نے طالب جنت ہوں نہ حوروں سے مجھے کام
ہاں کچھ جو تمنا ہے تو یہ خاص مری ہے

ہو جائے مرے نام کی محشر میں منادی
یعنے کہ یہ مداح رسول عربی ہے

انہوں نے رموز المعرفت نامی ایک کتاب تصوف کے موضوع پر لکھی ہے۔ جس کے ۱۲۳ صفحات ہیں۔ اس کی تقریظ ان کے علم دوست چچا قادر محی الدین صاحب مکی نے لکھی ہے۔ فصیح الدین کی نثر نگاری کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

"صانع حقیقی ابتدا میں آپ ہی آپ تھا۔ کوئی تجلی ظاہر نہ ہوی تھی۔ کوئی اسم رب رسول جبار قہار کا ظاہر نہ تھا۔ کیونکہ یہ سب اسماء مخلوق کے ظاہر اور پیدا ہونے کے وقت سے ہوتے ہیں۔ اس وقت سب کچھ تھا تو بطون میں تھا۔ جس طرح مصور کے ذہن میں تصویر کا نقش رہتا ہے۔"

اس کتاب میں مولف مذکور کی کئی فارسی نظمیں ہیں اور اس کے دوسرے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

صفات واجب الوجود۔ تجدد۔ امثال۔ جبر و قدر۔ خود شناسی۔ خدا شناسی۔ ایمان شریعت، موت وحیات روحانی، عذاب قبر اور دوزخ کا۔ ملایک اور انبیائے ارواح سے ملاقات کرنی، محبت خدا، محبت الٰہی حاصل ہونے کی تدابیر۔ ایک دیوانہ کا لکچر یا بیہوشی کی بکواس، صوفیانہ الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنے۔ نظم محققانہ و ابیاتِ عارفانہ عشاق الٰہی کے طریق۔ زمزمہ توحید۔ پھر متعدد متصوفین کی ابیات و مناجات وغیرہ

مولف ہذا نے ایک تضمین حافظ کی غزل پر لکھی ہے۔ جس کے بعض ابیات یہ ہیں۔

ہوا ہے تیرے محبت کے دام میں جو بند — وہی ہے دونوں جہاں میں فہیم و دانشمند
جو تیرا عاشق و دیوانہ ہے وہ ہے خرسند — غلام نرگسِ مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

ہمارے حال پہ فرما کرم کی ایک نظر — ہیں تیرے ہجر میں بے صبر عاشقانِ دلبر
سخن یہ میرا نہیں ہے اگر سمجھے باور — بزیرِ زلف دوتا چوں نظر کنی بنگر
کہ از یمین و یسارت چہ بیقرارانند

زمزمۂ توحید

تو جانِ جاں ہے جانِ جہاں ہے — ہر رنگ میں تو ظاہر یہاں ہے
اول بھی تو ہے آخر بھی تو ہے — باطن بھی تو ہے تو ہی عیاں ہے
عاشق کو تیرے دیر اور مسجد — یہ گلستاں ہے وہ بوستاں ہے
ملکی کے دل میں تیری محبت
جب سے سمائی دل شادماں ہے

ہمہ اوست

پردۂ غفلت کا چھٹا خلق کو حیراں پایا — بزمِ عالم میں عجب روپ بدل کر آیا
خود انا الحق کہا خود دار کا فتویٰ بھی دیا — غرض اک نام کا منصور کا مشہور ہوا
خواہش حور نہیں اور نہ پروائے قصور
آرزو ملکی کی کیا ہے تری قربت کے سوا

اے شہِ حسنِ ازل شرمندہ تجھ سے ماہ و [illegible] — [illegible] لب ہیں [illegible]
خود ترا مداح ہے نے سرورِ عالم پناہ — [illegible] وہ قدیر و [illegible]
[illegible] قربان ہے [illegible] پر — تیرے آگے سر جھکایا [illegible]

کر قبول اس کو شہا یہ مجرم عاصی لکھا
تم و کن وی بطرز ش و غ و ی

الغرض ان کے اشعار سے ظاہر ہے کہ یہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ اور مذہب و تصوف کے رنگ میں ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

قاضی محمد مستان جنگم کوٹہ[1]

یہ بنگلور کے مکیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قادر محی الدین صاحب ملی کے زمانہ میں انہیں جنگم کوٹہ ضلع کولار روانہ کیا گیا۔ یہ بڑے لایق و فائق انسان تھے۔ اردو، فارسی اور عربی زبان بخوبی جانتے تھے۔ وہاں جاکر انہوں نے ایک مدرسہ اصلاح المسلمین کے نام سے قائم کیا۔ انہوں نے ایک کتاب "حقیقت المعراج" لکھی ہے۔ جو قابل دید ہے۔ یہ کتاب شہر کولار کی انجمن اسلامیہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ شہر بنگلور میں ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۵ء میں انتقال فرمایا۔

ان کے دو بھائی جناب مولوی سر قاضی محمد حسین صاحب اور سر قاضی شیخ محمد مرتضیٰ بڑے عالم و فاضل تھے۔ انہوں نے اپنی قضاوت کے دوران میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علٰحدہ

۱۔ سید غوث محی الدین اڈیٹر الکلام نے آپ کے حالات روانہ فرمائے اور مرزا نذیر حسین نے اس کی تصدیق کی

علحدہ مدرسے قائم کئے۔ اور ایک انجمن بنام شوکت تعلیم اسلام قائم کرکے شہر کے بالغوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔

ان کے انتقال کے بعد مولوی میر قاضی محمد حسین کے فرزند ارجمند میر قاضی مدار صاحب نے بھی اردو زبان کی بڑی خدمت کی۔ اور ایک مدرسہ بنام "مفید الاسلام" قائم کرکے اس میں اردو فارسی اور عربی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۵۵ء میں بمقام بنگلور ہوا۔

محمد قلندر خاں عطا

محمد قلندر خاں متخلص عطا بنگلور کے متوطن تھے۔ بزم غم کے ایک ممتاز رکن تھے۔ آپ اردو فارسی کے بڑے لائق بزرگ تھے۔ شعر و سخن کا ذوق فطری تھا۔ اردو زبان کی تبلیغ و اشاعت میں انہوں نے بڑی جد و جہد کی۔ لندن مشن ہائی سکول (موجودہ سنٹرل کالج) میں اردو، فارسی کے منشی تھے۔ اور مدرسۂ اسلامیہ صدر انجمن مسلمانان ملک میسور کے صدر مدرس بھی۔ بنگلور میں انہوں نے سب سے پہلے مجمع بھانڈ اور مجمع ناٹک کی بنا ڈالی۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ان کا مجمع "مجمع زاہدان حق تسلیم رونق افزائے با عطائے کلیم" کے نام سے مشہور تھا۔ شعر و سخن میں بڑے بڑے استادوں سے مقابلہ کرکے سبقت لے جاتے تھے۔ انہیں رسا

۱۔ ان کے ایک شاگرد رشید تو بید نقشبندی نے انکے حالات لکھ کر بھیجے

حیدر آبادی اور کلیم بنگلوری سے تلمذ حاصل تھا۔ ریاست بھر میں ان کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اکثر مقامات پر ان کے مجمع کی شاخیں قائم تھیں۔ ان کے دو صاحبزادے رتسا بنگلوری اور فدا بنگلوری بھی اچھے شاعر تھے۔ ان کا دیوان بھی موجود ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

مرے طالع کا ترقی پہ جو اختر ہوتا
قدم پاک ترا اور مرا سر ہوتا

جاگ جاتے مرے طالع جو مرے دن پھر جاتے
خواب میں گر ترا دیدار میسر ہوتا

ہوتا اک روز جو اس قبلۂ عالم کا گذر
حشر تک سجدہ گہ خلق مرا گھر ہوتا

سر پٹکنے کا مزا تھا جو کبھی قسمت سے
سنگ دہلیز نبی اور مرا سر ہوتا

آئینہ توڑ کے رکھ دیتا سکندر اپنا
گر مقابل ترا رخسار منور ہوتا

ٹھنڈے ٹھنڈے نہ پہنچتے کبھی ہم جنت کو
سایہ تیرا جو قیامت میں نہ سر پہ ہوتا

مدح سلطان مدینہ میں کٹی عمر عطا
چمن خلد میں کیوں کر نہ مرا گھر ہوتا

تبصرہ

باب ہذا میں ہم نے میسور میں اردو زبان کی تیرہ سالہ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اس زمانے میں غالب کے خطوط نے آسان و عام فہم زبان کو مقبول خاص و عام بنا دیا تھا۔ اور سر سید احمد نے دقیق سے دقیق مضامین کو سادہ اور دلکش طرز میں بیان کر کے اردو زبان کی صلاحیت و عامی وسعت کا

۱۔ انگریزی عہد میں تمدن کی ترقی صفحہ ۱۳۸

لیا سب سے منوا لیا تھا۔ لکھنؤ میں شعر و سخن کی بساطیں بچھی ہوئی تھیں تمام ہندوستان میں ناسخ و آتش کا طوطی بول رہا تھا۔ چھاپے خانوں کے قیام اور اخبار نویسی کی توسیع نے شمالی اور جنوبی ہندوستان کو ایک کر دیا تھا۔ ریاست میسور میں بھی شعر و سخن کی محفلیں گرم ہوتیں اور رندان لا ابالی بڑے جوش و خروش سے ترنم ریز ہوتے۔ مطبع قائم ہوتے۔ اخبارات اور رسائل نکلتے اور شعرائے میسور اپنے علم اور قابلیت کے زعم میں لکھنؤ کے شعراء کی برابری کا دعویٰ کرتے۔ جیسا کہ ناصر نے اپنے دیوان میں لکھا ہے۔

شاعران لکھنو کو رشک ہو دے سر بسر
ایسے ہیں طبع رسا بنگلور میں بھی آج کل

رتبہ یہ ہوا شعر سخن میں مجھے حاصل
ہیں ناسخ و آتش مرے گلشن کے عنادل

اس کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کے الفاظ آہستہ آہستہ اردو زبان میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ یوں تو انشا نے انیسویں صدی کے اوائل میں ہی ایک اردو قصیدے میں چند انگریزی الفاظ استعمال کر کے اپنا لیا تھا۔ جیسے گلاس۔ آرگن۔ پلٹن۔ اردلی۔ بگل۔ یہ زمانہ میسور میں اردو صحافت نگاری کا زرین دور ہے۔ قاسم الاخبار کی ہمہ گیر مقبولیت پندرہ بیس سال کے اندر اردو زبان کے متعدد معرکتہ الآرا اخبارات و رسائل کے وجود میں آنے کا باعث ہوئی۔ ان سب کا تفصیلی ذکر

ایک علیحدہ باب میں کیا جائے گا۔ انیسویں صدی عیسوی کا نصف آخر زمانہ نہ صرف اردو کی صحافت نگاری کا دور زریں ہے بلکہ اردو کی ہمہ گیر ترقی میں اس وقت سرکار نے بھی نمایاں حصہ لیا ہے لہٰذا اردو مدارس کے قیام اور اردو نصاب کی کتابوں کی اشاعت سے متعلق بطور خود ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ ہم نے اس کا بھی اجمالاً ذکر ایک علیحدہ باب میں کر دیا ہے۔ اس دور کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اردو کی ترقی و اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ مثلاً اس زمانے میں منتخبات اردو کے نام سے ریورنڈ ہولڈ ورڈسیل صاحب بی ڈی یم، آر، اے، یس، فلو آف مدراس یونیورسٹی نے ایک اردو کتاب تالیف کی جو میسور کے ابتدائی اردو مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔ نیز جی، جی، نرد نا، یل، یم، یس، اسسٹنٹ سرجن میسور مڈیکل سرویس نے ایک کتاب بنام معنی الانسان یا اردو رنبولنس یعنے تشریح جسمانی انسان شائع کی تھی۔ اسی طرح تاریخ و جغرافیہ کی کتابیں بھی انگریزوں کی لکھی ہوئی داخل درس تھیں

الغرض یہ زمانہ اردو صحافت کے عروج کا دور تھا۔ علمی سرگرمیوں نے ریاستِ میسور کو دہلی اور لکھنؤ کے مد مقابل کر دیا تھا۔ انجمنوں کے قیام اور مشاعروں کی مجلسوں کے انعقاد وغیرہ کے اعتبار سے اس زمانہ کو ریاستِ میسور میں اردو کے فروغ و اشاعت کا سنہری دور کہنا بجا ہے۔

۱۸۹۴ء میں مہاراجہ کا انتقال ہوا۔ اس وقت

کرشنا راج وڈیر چہارم دس سال کی عمر کے تھے۔ چنانچہ رانی کو ریجنٹ بنا دیا گیا اور تین کونسلر ان کی مدد کے لئے مقرر کئے گئے جو دیوان کے ماتحت کام کرتے تھے۔ آٹھ سال تک یہی حالت رہی۔ میسور کی علمی سرگرمیوں میں سرمو فرق نہ آیا۔ لوگ انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ اور بیسویں صدی کے اوائل سے ہی اردو صحافت اور ادبی سرگرمیوں میں زوال شروع ہو گیا۔

باب پنجم

عہدِ مہاراجہ کرشن راج وڈیر اور دور حاضرہ

(سنہ ۱۹۰۲ء سے سنہ ۱۹۴۰ء تک)

ابتدائی دور کی خصوصیات: یہ زمانہ اردو صحافت اور زبان و ادب کے زوال اور انگریزی تعلیم کے عروج کا ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل سے ہی اردو صحافت نگاری کا زوال شروع ہوگیا۔ گوکہ اس عہد میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے نئے نئے مدارس کھلتے رہے۔ جن میں انگریزی تعلیم کے ساتھ دیسی زبانوں کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن لوگوں کا رجحان انگریزی زبان کی طرف بڑھتا گیا۔ یہ تو نئی پود کا حال تھا۔ گذشتہ صدی کے نامی و گرامی ادیبوں اور شاعروں میں سے باقی الصالحات ابھی موجود تھے۔ جن کے زورِ قلم کی دھاک خاص و عام کے دلوں پر نقش تھی۔ شہاب۔ شوکت۔ رضا۔ مکی۔ محمود وغیرہ میدانِ شاعری کے شہسوار تھے۔ جن کی جولانیٔ طبع کے نت نئے نظارے پیش نظر ہوتے رہتے تھے

۱۹۰۷ء سے میسور میں اردو ادب نے ایک نئی صورت میں جنم لیا۔ جب کہ پہلے پہل سید جماعت علی شاہ علی پور سے میسور آئے۔ اور ریاست کا دورہ کیا تو یہاں کے باشندے ہزاروں کی تعداد میں ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ پیر صاحب پنجاب کے ضلع علی پور کے رہنے والے تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کے عالم اور علم تصوف کے ماہر فن تھے۔ اردو تحریر و تقریر لاجواب ہوتی۔ ان کی اردو نوازی نے ان کے مریدوں میں سے سینکڑوں کو اردو زبان کا شاعر یا ادیب بنا دیا۔ لوگوں کو ان کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ ہر روز ایک تازہ نظم پیغمبر صلعم کی شان میں یا خود پیر صاحب کی ستائش میں ان کی مجلسوں میں پڑھی جاتی تھی لوگوں کے جوشِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ پیر صاحب کے دست مبارک سے پھول کا ایک ہار لینے کے اشتیاق میں روزانہ نظمیں لکھ لکھ کر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

اس وقت میرے پیش نظر پیر صاحب کی شان میں میسوری شعراء کی لکھی ہوئی نظموں کے دو مجموعے موجود ہیں۔ ایک بنام وداع یاراں $\frac{۱۹۰۷ء}{۱۳۲۶ھ}$ میں مطبع شوکت الاسلام سے شائع ہوا تھا۔ اور دوسرا مجموعہ گلستان رحمت کے نام سے قومی پریس سیالکوٹ سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔ قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے اس قسم کے ادب کی کچھ مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں

سید محمد اکبر کامل مرشد سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

کروں کیا خیر مقدم کا بیاں اے مرشد کامل
بنا میسور گلزار جناں اے مرشدِ کامل

ہے جلوۂ حقیقت نورِ جمال تیرا
پہنچا ہے آسماں تک اوجِ کمال تیرا
تو رازدارِ احمد وہ رازدارِ حق ہے
پوشیدہ حال کب ہے ظاہر ہے قال تیرا

احد اور احمد کے وہ آئینہ ہیں
انہیں دیکھتا ہوں تو سب دیکھتا ہوں

فرقت میں آ گئی ہیں ہمیں کیا ملال تھا
واقف خدا ہے دل کا ہمارے جو حال تھا
وہ آئیں اپنے گھر میں یہ ہے شانِ کبریا
کل کو خواب میں بھی نہ ایسا خیال تھا

محمد علی آزاد (فرزند صوفی احمد علی) ایڈیٹر رسالہ صبحِ بہار یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں۔

دل مرا تجھ پر تصدق تجھ پہ شیدا کیوں نہ ہو
حق کے پیارے کا جو پیارا ہو وہ پیارا کیوں نہ ہو
دیدۂ باطن سے کرتا ہے نظارہ آپ کا
دل چمک کر شعلۂ برقِ تجلی کیوں نہ ہو
تو وہ بحرِ رمزِ عرفاں ہے تجلی سے تری
قطرۂ ناچیز بھی بڑھ بڑھ کے دریا کیوں نہ ہو

درحقیقت دیدۂ حق بیں اسے درکار ہے
بے حقیقت کوئی کیا جانے حقیقت آپ کی
یہ حقیقت کم نہیں ہے ناز کرنے کے لئے
فخر ہے آزاد کو رکھتا ہے الفت آپ کی

اپنے پیر کی روانگی کے وقت لکھتے ہیں ۔

باعزت و توقیر روانہ ہے وطن کو ۔ یہ بلبلِ اسلام چلا اپنے چمن کو

محمد عبد الرحمن رضوان

مولوی عبد الغفور نساخ کے فرزند تھے ۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے ۔ کم عمری میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے ۔ اور دادی کے زیرِ تربیت علومِ دینی و دنیادی کا اکتساب کیا ۔ پابندِ شرع و گوشہ نشین بزرگ تھے ۱۹۱۱ء میں انتقال ہوا ۔ ان کا اکثر نعتیہ کلام ملتا ہے ۔ انوار الصوفیہ میں شائع ہوتا تھا ۔ جماعت علی شاہ صاحب سے بیعت تھی ۔ ... ور ے پیر صاحب کی روانگی کے موقع پر فرماتے ہیں ۔

ادھر پیر و مرشد کو عزمِ وطن ہے ۔ مریدوں کی جاں پر طرف نعرہ زن ہے
غلامانِ یوسف کا رونا نہ پوچھو ۔ جو میسور میں گھر ہے بیت الحزن ہے
عدو اور مریدوں میں فرق یہ ہے ۔ وہ پتھر ہیں جھوٹے یہ لعلِ یمن ہے

مریدوں کے سر پر رہے ظل مرشد
تصرف میں سورج کے جب تک کرن ہے

رنج بھی تیری ملاقات میں راحت ہو جائے
بزمِ عشرت تجھے صحرائے قیامت ہو جائے

دل کو پہلو میں جگہ اس لئے دی ہے میں نے
آئینہ بن کے دکھاتا ہے تماشہ تیرا

بسیرا حسد میں مری آنکھوں کو ہے گریہ سے ربط
شعلہ بھڑکاتا ہوں اس روغن سے شمع آہ کا

لغوں کی بلائیں لیتا ہوں جاں رخ پہ تمہارے دیتا ہوں
میں عشق کی دولت سے ہوں غنی آتا ہے مجھے لینا دینا

نمونہ کلام سید غلام جیلانی نقشبندی قندھاری مقیم میسور ملاحظہ ہو

لنجِ اسرارِ خدائے دو جہاں جانے کو ہے
اف رے شوق راز دانی، رازداں جانے کو ہے
یہ میں تیرے ہمیں ہوتا تھا دیدارِ خدا
پردۂ انوارِ رازِ کن فکاں جانے کو ہے
شیشہ و ساغر لیئے پیر مغاں جانے کو ہے
مئے پرستوں کی اسی حسرت میں جاں جانے کو ہے

نمونۂ کلام سید یعقوب احمد

ہو سکی ہم سے نہ خدمت پیر کی
رہ گئی دل ہی میں ہی حسرت پیر کی
جان و دل رخصت طلب ہیں ہمدگر
سن چکے ہیں جب سے رخصت پیر کی
دل ہزاروں آپ کے ہمراہ ہیں
صاف ظاہر ہے کرامت پیر کی

سید عبدالرزاق رزاق ۔ کلام کا نمونہ یہ ہے

پیر صاحب کی روانگی کے موقع پر لکھتے ہیں

شہ جماعت کیا جماعت کو پریشاں کر چلے ۔۔۔ واصل حق وصل ساماں ہجر ساماں کر چلے

بے یہی اپنے نوا سنجانِ یاہو کی صدا ۔۔۔ دن ہمارا پیر کیا شامِ غریباں کر چلے

عزم گلگشت وطن کا اس گل عرفاں کو ہے
آشیانِ بلبلِ بے پیر ویراں کر چلے

پیر صاحب کی تشریف آوری کے موقع پر لکھتے ہیں

کیوں نہ ہم طوف کریں شوق سے صدقے ہو جائیں
مرحبا کعبۂ مقصود تو گھر آیا ہے

منشی غلام محمود صفی

گنجام سرینگاپٹن کے متوطن تھے۔ ان کے والد علام محمد خاں ٹیپو سلطان کی گنبد کے ناظم تھے۔ صفی اپنے زمانے کے بہترین شعراء میں سے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ نہایت متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ ۶۰ سال کی عمر میں ۱۹۱۶ء میں وفات پائی۔ ان کی دختر کنیز بھی بڑی عالم و فاضل تھیں۔ صفی کے کلام میں ایک خاص صوفیانہ اور عارفانہ شان پائی جاتی ہے۔

"انا عبدہٗ رسولہٗ" بولے تم مانا ہے ہم نے بھی
کہا حق نے "انا انت" خدا جانے کہ کیا تم ہو

خدایا ناخدا کہتے تمہیں لگتا ہے ڈر ہم کو
دلیکن باخدا ہو ڈوبتوں کے ناخدا تم ہو

پیر صاحب کی شان میں فرماتے ہیں

لوحِ دل پر نقش بن جائے جو صورت پیر کی
مہرساں تاباں ہو ہر ذرہ سے طلعت پیر کی

فخر الدین رازی کا نجم الدین سے ایمان بچ رہا
سخت مشکل تھی نہ ہوتی گر ہدایت پیر کی

اسم ہادی کا ہوا مرشد سے اب پورا ظہور
ہے نمونہ خلق پیغمبر کا صورت پیر کی

جسم مردہ معجزِ عیسیٰ سے گر زندہ ہوا
جانِ مردہ کو جلاتی ہے کرامت پیر کی

سر جھکایا سرکشوں نے آستانِ پاک پر
ہے خداداد اے صفیؔ واللہ شوکت پیر کی

پیر و مرشد کی روانگی کے وقت لکھتے ہیں

جاناں کی کوچ کی جو خبر جائے جان ہے
قلبِ طپاں جرس ہے کہ چلائے جاتا ہے

جاناں کے ساتھ جان ہمیں ہائے جائے ہے
دل اپنی سخت جانی پہ شرمائے جائے ہے

رکھ رابطہ کا پایہ تو مضبوط اے صفیؔ
تعمیر صبر اشک سے گر ڈھائے جائے ہے

۱۹۳۶ء کے مجموعہ میں جناب صفی مرحوم کی فارسی نظمیں بیرد فرخند کی خانقاہ میں لکھی ہوئی ہیں۔

"وداعِ یاراں" میں محمد عبدالرحمٰن رضوان میسوری۔ سید محمد اکبر کامل بیلوری۔ محمد علی صاحب آزاد۔ حکیم۔ قیصر۔ سید یعقوب اسعد سید غلام جیلانی صاحب۔ سید عبدالرزاق صاحب رزاق۔ کنیز۔ صاحبی اور حلیمہ کا کلام موجود ہے۔ اور گلستانِ رحمت میں سلطان محمود خان سلطان۔ عبد قادری۔ عزیز۔ صفی۔ شان۔ کامل۔ آزاد۔ کنیز اور صاحبی کی نظمیں ہیں۔ ان میں سے مشہور اور نامور شعرائے کرام کا ذکر تفصیلاً آگے کیا جائے گا۔

قاضی محمد عبداللہ حسین خلیل

خلیل کی ولادت ۱۲۷۰ھ میں ویلور میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد اکبر حسین خلیل تھا۔ اطہر کے شاگرد تھے۔ نیلسندر بنگلور میں قیام تھا۔ مدرسۂ اسلامیہ اور قوۃ الاسلام میں صدر مدرسی کے عہدے پر ۳۷ سال فائز رہے ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بھی درس و تدریس کا سلسلہ گھر پر ہی جاری رکھا۔ سید جماعت علی شاہ صاحب کے خلیفہ اور متشرع دیندار بزرگ تھے۔ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں ماہر تھے۔ اردو کی بہ نسبت فارسی میں زیادہ شعر کہے۔ ان کی فارسی و اردو کتابوں میں بستانِ خلیل (جو اپنے فرزند عبدالباسط کیلئے لکھی تھی) لطائف شعراء۔ مظہر المحاسن (ترجمہ اردو) نزہت الاعیان

۱۔ ان کے حالات محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ نے لکھوائے

محبت، نشانِ حیدری وغیرہ مشہور ہیں۔ کئی اردو فارسی تاریخیں ولادت، وفات، شادی وغیرہ سے متعلق ملتی ہیں۔ غم کی تاریخ وفات فارسی میں لکھی ہے۔ اور ان کے چھوٹے بھائی جادو کے دیوان کی تاریخ طبع اردو میں۔ ان کا اردو کلام اکثر شمع سخن میں چھپتا تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

کس کو نہیں ہے آپ کی رنگیں ادا پسند | کیونکر نہ بلبلوں کو ہو گل کی ادا پسند
حاضر تھا خون عاشق جانباز بھی مگر | قسمت ہماری دیکھئے آئی حنا پسند
کافور ہو گئے تری آتش مزاج سے | سب پوالہوس تھے کون تھا یہ سیاہ پسند
ہم نے انہیں جو خط میں لکھا مصدر کرم | لکھنے میں وہ جواب میں اے انتلا پسند
خلخال زیب پا کیا اس رشکِ حور نے | زنجیر پا کی میرے جو آئی صدا پسند

البتہ قدرداں ہیں ترے شعر کے خلیل
وہ لوگ جن کی طبع ہے نغز و صفا پسند

ان کی وفات ۱۳۵۲ھ میں ہوی۔

عبدالرحمٰن خاں ذکی

عبدالرحمٰن خاں ذکی کا وطن بنگلور تھا۔ بنگلور میں مدرسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی ایک نظم منشور محمدی جلد چہارم نمبر ۱۰ میں شائع ہوی ہے۔ انہیں جناب قلندر حسین اطہر سے شاید شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کا کلام بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

خدائے پاک کی جس پہ کہ رحمت آہی جاتی ہے

تو دل میں اس کے حضرت کی محبت آہی جاتی ہے
دعا سے پہلے جب حضرت کی مدحت آہی جاتی ہے
تو استقبال کو اس کے اجابت آہی جاتی ہے
اگرچہ مبتلائے درد و آلام مصیبت ہوں
زباں پر نام پاک آتے ہی صحت آہی جاتی ہے
بفیضِ حضرت اطہر کہ جس کا مدح خواں ہوں میں
ذکی جو شعر لکھتا ہوں ذکاوت آہی جاتی ہے

ذوق شاعری قدرت نے فطرت میں ودیعت کر رکھا تھا۔ اس پر علماءِ عصر کی صحبت اور اردو نواز ماحول نے چار چاند لگا دئے لہٰذا ذکی کے فکر اور نظر کے جوہر خوب خوب نمایاں ہوئے۔ کلام بے ساختگی اور موسیقیت سے مزین ہوتا تھا۔

محمد عبد الباسط باسط

باسط بنگلور کے رہنے والے تھے ۴۸ کی عمر میں ۱۹۰۸ء میں بنگلور میں وفات پائی۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری کے شاگرد رشید تھے۔ درس و تدریس ان کا پیشہ تھا۔ بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ وعظ و پند مرغوب مشغلہ تھا۔ یہ مندرجۂ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۱) آئینۂ قواعد فارسی۔ طالب العلموں کی سہولت کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ اس میں صرف و نحو کے ضروری قواعد کے ساتھ چند امثال اور کثیر الاستعمال مصادر فارسی اور ان کا ترجمہ

زبان اردو میں دیا گیا ہے۔

(۲) ابجد عربی۔ (۳) تسبیح زمرد۔ (۴) نوبہار منظوم یعنی منظوم خطوط (۵) آئینۂ قرأت۔ جو قرأت سے متعلق بہترین کتاب ہے۔

منظوم خطوط میں مصنفہ مولوی محمد عبدالباسط مرحوم جو باہتمام محمد اسحق ۱۳۰۳ھ میں خلف مصنف کے مطبع حشمت الاسلام میں بمقام بنگلور شائع ہوئی تھی۔ مصنف باعث ترتیب رسالہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں

"محمد عبدالباسط کان اللہ لہ اہل دانش و بینش کی اعلیٰ خدمتوں میں گذارش کرتا ہے کہ میرے ایک عالی قدر دوست نے مجھ سے یہ فرمائش کی کہ اپنے ہموطن لوگ خصوصاً نوجوان کم عمر لڑکے اردو نظم سے زیادہ انسیت رکھتے ہیں۔ چاہیئے کہ ایک چھوٹا سا رسالہ جس میں منظوم خطوط ہوں مرتب ہو جائے۔ اس قاصر کی کیا بساط کہ آپ بھی نظم لکھے۔ اور سلسلہ میں ناظموں کے منظم ہو جائے۔"

ان کی نظم کا نمونہ ملاحظہ ہو

مدام اہل اسلام کی شان الٰہی	عنایت سے کیجو دو چنداں الٰہی
وہ دن لائیو جس میں لحظہ بلحظہ	رہیں شاد و خرم مسلماں الٰہی
انہوں کی امیدوں کی کلیاں چٹک جائیں	بنے صفحۂ دل گلستاں الٰہی

۱۔ نوبہار اور آئینۂ قرأت محمود خاں غوری جیوری کے ایک خانگی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ اس کتب خانہ سے میں نے نوٹ لئے ہیں۔

۲۔ اس زمانہ میں بھی بعض شعراء "انکی" کی بجائے "انہوں کی" استعمال کرتے تھے۔

منظوم خطوط میں بڑے بھائی کے نام چھوٹے بھائی کا ایک خط ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

اے مرے جانِ جاں مرے بھائی　　میرے بازو کی ہو توانائی
دل کے ٹکڑے جگر کے پیوند　　شاد رہیو مدام اور خورسند
ہے سلام تحیتاً نہ ادا　　اور نہ دل سے خیریت کی دعا
آپ نے جب یہاں سے نہضت کی　　کیا میں حالت کہوں طبیعت کی

پیرِ طریقت کا خط مرید کے نام

لِلّٰہ الحمد لِلّٰہ الجبروت　　لِلّٰہ الملک لِلّٰہ الملکوت
پس از ادعیات خیر و سلام　　ہے ہمارے طرف سے یہ پیغام
دیکھتا ہوں تمہیں بعزّ و علا　　طالب دین و طالب مولا
دل کو سمجھو مثال آئینہ　　اور اس کا خزینہ ہے سینہ

رنگِ عصیاں سے جب تک مسلم ہے　　جلوہ گاہِ خدائے عالم ہے
اس کا صیقل ہے توبہ و بکا　　آبِ دیدہ ہے پھر جلا اس کا
نیمۂ شب میں سوز و رقت سے　　یہ دعا مانگو رب عزت سے

دوسری کتاب آئینۂ قرأت ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

راحتِ جاں عمر ہو تیری دراز　　تجھکو حق رکھے ہمیشہ سرفراز
سیکھ قرآنِ معظم شوق سے　　اور پڑھا کر اسکو دل کے ذوق سے

سیدِ عالم کا ہے یہ معجزہ
کیوں نہ اس سے جان و دل پاوے مزہ

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اے خداوند زمین و آسماں — ہم ہیں تیرے کمترین بندگاں
زندگانی با نشاط و عافیت — مانگتے ہیں او حسن عافیت
دے مسلمانوں کو صحت اور فراغ — رکھ سدا اسلام کا روشن چراغ

اکبر شریف تسکین

اکبر شریف تسکین کا مولد مدفن سلگہ ضلع کولار ہے۔ ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا۔ تعلیم معمولی تھی مگر شاعرانہ ذوق اچھا رکھتے تھے۔ سرمد ولی کے عرس کے موقع پر ایک نظم جو انہوں نے لکھی تھی۔ اس کا اقتباس حسب ذیل ہے

آج سرمد ولی کا صندل ہے — ماہر منجلی کا صندل ہے
با ادب کیوں نہ لوگ آئیں گے — ابنِ حضرت علی کا صندل ہے
تھا خفی کا خزانہ جس کے پاس — اسی شاہِ جلی کا صندل ہے

ماہِ محرم پر ان کی ایک نظم کا شعر ہے

تسکین بہا آنسو یہ ماہِ محرم ہے — کہ غم تو شہیدوں کا بے شک یہ ہم غم ہے

خود اپنے بارے میں کہتے ہیں

نہ علم و فضل رکھتا ہے نہ سیم و زر ہی رکھتا ہے
وہی بندہ ہے یہ بندہ جسے تسکین کہتے ہیں
نہ ہو مقبول کیوں میری دعا نگاہِ خالق میں
[illegible] بھی دعا سن کر مری آمین کہتے ہیں

زبان صاف اور عام فہم استعمال کرتے تھے۔ اس میں سہل ممتنع کی خوبی پوری پوری شان سے جلوہ گر ہے

مولانا عبدالخالق عرف امیر

خالق امیر نام تھا۔ امیر تخلص کرتے تھے۔ سریرنگپٹن آپکا مولد و مدفن ہے۔ ۱۹۱۶ء میں ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا مدت العمر گنبد شاہی میں (مرقد نواب حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان شہید) کے ناظم رہے۔ خوش رو۔ خوش مزاج اور خوش لباس انسان تھے۔ فارسی اور اردو زبان کے عالم تھے۔ شہر میسور کے نامور علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مولوی سید درویش پیر قادری شہاب الدین شہاب اور مولوی میر حیات صاحب روحی کے ہمعصر تھے۔ انہوں نے دیوان حافظ کا ترجمہ زبان اردو میں انہیں بحروں میں کیا تھا۔ جن میں حافظ نے اپنی غزلیں لکھی تھیں

عرس شہید گویا سب کو نوید یہ ہے
مجھ کو ہے بزم ماتم اوروں کو عید یہ ہے
سوتا ہے اس مکاں میں شیر زباں دکن
عکس مزار ٹیپو سلطاں شہید یہ ہے
یاد شہید تازہ ہوگی امیر اس سے
بہر فتوح ہمت اچھی کلید یہ ہے

---

(۱) ان کے حالات سلطان محمود خاں محمود۔ اور محمد قاسم انصاری قسیم سے دستیاب ہوئے

حیدر شریف فہیم

حیدر شریف نام تھا۔ تخلص فہیم۔ ان کا وطن سلگنڈہ اور پیشہ مدرسی تھا۔ یہ صاحب دیوان تھے۔ انہیں اردو اور فارسی پر کامل عبور حاصل تھا۔ فی البدیہہ شعر کہنے کی عادت تھی۔ ۱۹۲۶ء میں بعمر چالیس سال انتقال ہوا۔ حمد الہٰی میں یوں رطب اللساں ہیں۔

ہو شکر کس زباں سے خدائے کریم کا　　منہ موتیوں سے بھر ہی دیا ہے فہیم کا

دل سے مرے اے رحمتِ حق تیرے فضل نے　　کھٹکا مٹا دیا ہے عذابِ الیم کا

یاد آ گئی مجھے وہیں باغ بہشت کی
جھونکا نکل گیا ہے جو سن سے نسیم کا

اپنے کلام سے متعلق فرماتے ہیں

اگر دیکھنے ہیں تمہیں شعر اچھے
فہیم سخنور کا دیوان دیکھو

ہے کون جس سے لے آج داد شعر ہمیں
فہیم کال ہے بالکل سخن شناسوں کا

بے ساختگی اور آمد ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ اثر اور تڑپ نے حسن بیان میں اضافہ کر دیا ہے۔

۱۔ ادیب صاحب نے بذریعہ ڈاک ان کے حالات ارسال فرمائے

رقیہ بی کنیز

کنیز مولانا غلام محمود صفی کی دختر تھیں۔ سری رنگاپٹن وطن تھا۔ ان کا شمار ریاست میسور کی دو چار عالم و فاضل خواتین میں ہو سکتا تھا۔ کنیز نے اپنے والدِ بزرگوار سے علم کی دولت وراثتاً پائی تھی۔ اوصاف حمیدہ و اخلاقِ جمیلہ نے اس پر چار چاند لگا دیے تھے۔ جب وہ ہماری پڑوسی تھیں۔ مجھے اور میری بڑی بہن کو اپنے بچوں کی طرح چاہتی تھیں ان کی ایک دختر خیر النساء بیگم ہم دونوں بہنوں کی عزیز ترین سہیلی تھیں۔ ان کو اردو زبان سے نہایت دلچسپی تھی۔ اور وہ اپنی کم سنی میں ہی ایسے اشعار کہتیں جو سادگی، بے ساختگی اور تاثر کے لحاظ سے بے نظیر ہوتے۔ خیر النساء اور ہم ایک دوسرے کو منظوم خطوط لکھا کرتے اور محترمہ کنیز صاحبہ ہماری حوصلہ افزائی فرماتیں۔ اور اکثر ان خطوط کی تصحیح کر دیتیں۔ لیکن زمانے کے جور و ستم نے ہماری اس معصوم خوشگوار دنیا کو اجاڑ دیا۔ اور خیر النساء بیگم چودہ سال کی عمر ہی میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اور ان کی والدہ محترمہ کنیز صاحبہ بھی اس صدمۂ جانکاہ سے جانبر نہ ہو سکیں۔ اور ۱۹۲۶ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے کلام سے ان کی قابلیت اور علمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

کریں کیا شکوۂ فرقت ہم ان پر جاں فدا ہو کر
فقط تڑپا رہا ہے بخت اپنا نارسا ہو کر
بنائے یا بگاڑے ہے سرِ تسلیم خم اپنا
یہ ممکن ہی نہیں بگڑیں گے وہ ہم سے خفا ہو کر

تو خود چھا جائے رحمت شامیانہ بن کے مرقد کا
گنہگار آئیں گے جب در پہ تیرے بے نوا ہو کر
ترے کوچے کے آگے ہیچ ہے جنت کی فیاضی
کنیز اب کہاں جائے گی ایسا آسرا ہو کر

کنیز کو بھی جماعت علی شاہ صاحب سے کمال عقیدت تھی۔
پیر صاحب کی تشریف آوری کے موقع پر یوں ترنم ریز ہوتی ہیں

آئے ہیں میرے مرشد ارماں رہ نہ جائے
آنے میں تو بھی اے دل قرباں رہ نہ جائے
وحدت کے میکدے میں میخواروں کا ہے جمگھٹ
ساقی کی یہ صدا ہے مہمان رہ نہ جائے
وہ روئے مصحف شاہ زاہد جو دیکھ لیوے
ہاتھوں میں پڑھتے پڑھتے قرآن رہ نہ جائے

صفیہ بی حیا

حیا[1] کے والد کا نام محمد یعقوب تھا۔ اور یہ مسجد اعظم میسور میں پیش امام کی خدمت انجام دیتے تھے۔ حیا ۱۹۰ء میں اردو لور سکنڈری کے امتحان میں کامیاب ہوئیں۔ میری خالہ زاد بہن بتول بی صاحبہ سے

۱۔ محترمہ حیا کے حالات کے لئے ہم ان کی چھوٹی بہن رقیہ بی صاحبہ کے رہین احسان ہیں۔

اردو و فارسی سیکھی۔ میری سب سے بڑی بہن رحیم النساء بیگم مرحومہ کی عزیز سہیلی و ہم جماعت تھیں۔ کہتے ہیں کہ بچپن سے ہی ان دونوں کو اردو زبان سے خاص شغف تھا۔ رحیم النساء بیگم نہایت ہی صاف شستہ اور سلجھی ہوئی زبان میں مضامین لکھا کرتیں۔ اور حیا شعر و سخن کی دلدادہ تھیں۔ رحیم النساء بیگم نے تیرہ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے لکھے ہوئے مضامین آج بھی ہمارے خاندان میں محفوظ ہیں۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لڑکیاں اتنی سی عمر میں ہی اس قدر اچھے مضامین لکھ سکتی تھیں۔ پہلے پہل حیا نے بھی مضمون نگاری کی طرف توجہ منعطف کی۔ ان کے مضامین اکثر "تہذیب نسواں" میں۔ ص۔ ف۔ کے نام سے شائع ہوتے رہے۔ حضرت جماعت علی شاہ صاحب کے خاص مریدوں میں سے تھیں۔ اکثر پیر و مرشد کی شان میں نظمیں لکھ کر خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرتیں۔ ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ ان کا انتقال ہوا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔ پیر و مرشد کی شان میں کہتی ہیں۔

نور وحدت سے جو ہم دل کو ضیا دیتے ہیں
زنگ کھائے ہوئے شیشے کو جلا دیتے ہیں

تو نے دکھلایا ہے رستہ ہمیں اپنے رب کا
خضر تو راستہ بھولے کو بتا دیتے ہیں

تیری گلیوں میں صدا سنتے ہیں شاہوں کی ہم
اپنی دولت ترے قدموں میں لٹا دیتے ہیں

ہجر میں تیرے بھٹکتا تھا سدا طائر دل
دام الفت میں اسے اب تو پھنسا دیتے ہیں

ہیں کے سائل ترے دروازے پہ آئی ہوں میں
دیکھئے بحر سخا کیا اے حیا دیتے ہیں

دیا تھا مرشد عالی نے ہار پھولوں کا
تو مجھکو ہو گیا حاصل وقار پھولوں کا
ہماری زندگی بھی یونہی فانی ہم جانے
کہ جیسا دہر میں ہے اعتبار پھولوں کا
ملے ہیں تم کو حیا کس دست اقدس سے
جو ذکر کرتی ہو تم بار بار پھولوں کا

بتول بی

بتول بی صاحبہ داؤد خان صاحب عملدار میسور کی دختر تھیں۔ ریاست میسور کا ہر فرد داؤد خاں عملدار کی فیاضی، ادب نوازی، اور ان کی علمی مجلسوں سے واقفیت رکھتا ہے۔ یہ ریاست میسور کا بارسوخ خاندان تھا۔ ان کے سب سے بڑے فرزند حسن علی صاحب مہاراجۂ میسور کے استاد تھے۔ بتول بی ان کی آخری دختر تھیں۔ ۱۹۰۵ء سے بیشتر ہی موصوفہ نے اردو لوور سکنڈری کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اردو زبان سے بے انتہا دلچسپی تھی۔ "تہذیب نسواں" میں آپ کے مضامین ب۔ ت۔ کے نام سے شائع ہوتے تھے۔ ان کے خانگی کتب خانہ میں اردو زبان و ادب سے متعلق ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں۔ یہ بھی حضرت جماعت علی شاہ صاحب کے مریدان خاص میں سے تھیں اور پیر و مرشد کی شان میں کبھی کبھی نظمیں لکھ کر پڑھا کرتیں۔ ۱۹۴۳ء میں انتقال فرمایا۔

نمونہ کلام کے لئے مجھے ان کے ایک منظوم خط کے دو چار شعر یاد ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

رہوں حکم مرشد پہ اپنے فدا — دل و جاں سے خدمت کروں میں سدا
رہوں دل سے مرشد کی یارب کنیز — سمجھتی ہوں انکو جو جاں سے عزیز
جدائی سے ان کی میں بے تاب ہوں — میں بے چین ہوں بے خور و خواب ہوں
الٰہی یہ سایہ سلامت رہے
سلامت رہے با کرامت رہے

سید شاہ درویش پیر قادری

سید شاہ درویش[1] پیر قادری ۔ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابوالبرکات تھی ۔ ان کے والد سید حیدر قادری اپنے زہد و اتقا کی وجہ لوگوں کی نظروں میں نہایت محبوب و محترم تھے ۔ ان کا خاندان اپنی نسبی شرافت اور علمی فضیلت کی وجہ ریاست بھر میں غیر معمولی شہرت کا مالک ہے۔ ان کے آبا و اجداد بیجاپور کے رہنے والے تھے ۔ زوال سلطنتِ بیجاپور کے فوراً بعد کرنول میں سکونت اختیار کرلی ۔ نظام حیدر آباد نے اسی خاندان کے ایک بزرگ سید کریم اللہ قادری کو سالگندہ کی جاگیر عطا کی ۔ تاکہ سادات کا یہ خاندان اطمینان کی زندگی بسر کر سکے ۔

سید شاہ درویش پیر قادری کے پردادا کو نواب حیدر علی خاں بہادر ۔ سالگندہ سے اپنے ساتھ میسور لائے اور اپنا مصاحب خاص بنالیا ۔ اسی خاندان کے دو بزرگ سید حسین قادری اور سید علی قادری

---

[1] آپ کا کلام اور حالات جناب سید اسیران صاحب قادری اسعد سے ملے

بھی عہد سرکار خدا داد میں قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن تھے۔
زوال سرکار خدا داد کے بعد مہاراجۂ میسور نے ان کے آبا کو میسور
بلوا لیا اور ریاست کے سر قاضی اور جامع مسجد میسور کی تولیت پر
مامور کر دیا۔ چنانچہ جامع مسجد کی تولیت آج بھی اسی خاندان میں
نسلاً بعد نسل چلی آ رہی ہے

ان کی ابتدائی تعلیم میسور میں ہوئی۔ پھر مختلف علوم
کی تکمیل کے لئے ویلور گئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر حیدر آباد
کا رخ کیا۔ اور وہاں ایک عرصہ تک وکالت کرتے رہے۔ اس
وقت حیدر آباد کے فاضل وکلا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کے
بڑے بھائی سید حسین قادری کے انتقال کے بعد ان کو مجبوراً میسور آنا
پڑا تاکہ آبائی جاگیر کا بخوبی انتظام کیا جا سکے۔

یہ بڑے خوددار و ذہین تھے۔ ظرافت اور حاضر جوابی
میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اردو، فارسی، عربی، انگریزی، کنڑی
تامل، تلگو وغیرہ زبانوں پر ان کو کامل عبور حاصل تھا۔ وہ فطری
شاعر بھی تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے
مختلف علماء کرام اور سادات عظام کی آمد و رفت پر ان سے
خیر مقدم، سپاس نامے اور وداعی نظمیں لکھوائی جاتی تھیں۔
چنانچہ سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ محدث علی پوری کی آمد پر
بھی یارانِ طریقت کی فرمائش پر انہوں نے فی البدیہہ وقتاً
فوقتاً جو نظمیں لکھی ہیں۔ ان کا کچھ اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

درد بے درماں کا لے دل تیرے درماں آ گیا
خضر لے ہاتھوں میں اپنے آبِ حیواں آ گیا

دیکھنا ہے جذب دل میں کیسا جادو کا اثر
کچھ خیال آیا تھا جاناں کا کہ جاناں آگیا
تو نے قد قامت کہی برپا قیامت ہو گئی
مردے جی اٹھے وضو کو آب حیواں آگیا
بادۂ سرخی ملنے میں اب کیا دیر ہے
قاسم پیمانہ صہبائے عرفاں آگیا
کانپ اٹھا دل اگر آیا گنہ کا کچھ خیال
جی کیا آیا کہ دل میں خوف یزداں آگیا

رابندر ناتھ ٹیگور کی آمد بر بمبور میں جو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ وہ بھی ان ہی کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔

سرمیں ٹاگور ہیں یا آپ ہیں ٹیگر عزاں
روئے تاباں ہے تمہارا کہ ہے مہر رخشاں
روئے انور پہ نظر آتی ہے یوں ریش سفید
جیسے یک ہالہ ہے گرد رخ ماہ تاباں
جسم ہندو پہ لباس عربی کہتا ہے
کہیئے قالب کو مسلمان تو ہندو ہے جان
دیکھ کر فلسفی سب آپ کو حیراں ہیں یوں
دیکھ یوسف کو ہوے جیسے حسینان جہاں
فلسفہ میں ہے کمال آپ کو ایسا حاصل
ہے فلاطوں بھی دبستان کا ترے ابجد خواں
کالیداس ایسا کہاں فلسفی و شاعر تھا
جیسا اس وقت ہے تو باعث فخر انساں

دامِ الفت ہے ترا ایسا نرالا محکم
گویا ہے رام کا فرمان ولچھمن کی کماں
جلوہ افروز ہوا ہند میں ہے جب سے تو
لوگ کہتے ہیں کہ اب ہند بنا ہے یوناں

خطوط کا نمونہ

مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

عزیز بھائی

انگور پہنچے۔ باغ باغ ہو گیا۔ نگاہ پڑتے ہی حورانِ جناں ہاتھ میں جام مئے لئے ہوئے نظر آنے لگیں۔ اس موسم سرما میں لوگ طبیعت گرمانے کے لئے شراب انگوری پیتے ہیں اور آپ انگور بھیجتے ہیں۔ رضوانِ جناں تاک میں ہیں اور ہم حضرت کی چشمِ مخمور سے شیشۂ دل کو بچائے پھرتے ہیں۔ ایسے وقت میں آپ انگور بھیجتے ہیں اور خوردوں کے مئ وصال سے ہمیں مخمور کرنا چاہتے ہیں۔

جس کا پیالۂ عمر لبریز ہو گیا ہو۔ اس موسم میں انگور کھائے اور خمخانۂ دنیا سے نکل جائے۔ مجھے کیا نشہ سر چڑھا ہے۔ جو دلقِ ہستی کو تن سے اتاروں اور رہینِ شرابِ اجل کر دوں۔ مجھے ابھی اس میخانۂ عالم میں بہت ساری محفلیں آراستہ کرنی ہیں اور خم کے خم لنڈھانے ہیں۔ ابھی دنیا سے مرا دل جلا نہیں اور کباب بنا نہیں بہر طور آپ کا شکر کرتا ہوں اور جامِ صحت پیتا ہوں۔

تقریر میں مترادف الفاظ اور ترکیب کے سلسلے ایسی لطافت سے مسلسل ادا کرتے تھے کہ نا سمجھ سامع کے کان بھی ان کی آواز سے مزہ لے سکتے تھے۔

"حضرات! جب سے ہم نے اپنی آہ بے اثر دیکھی اور نالہ نارسا پایا۔ اصلاحِ قوم کے لئے خدا سے فریاد و دعا اور قوم سے شکایت بیداد عرض مدعا چھوڑ دی۔ قومی جلسوں میں یہ حرف زبان پر نہ لانے کی قسم کھائی تھی۔ اور منہ پر مہر خاموشی لگائی تھی۔ میں سچ کہتا ہوں۔ اور خدا دانا و بینا ہے کہ اس وقت جو میں آپ کے روبرو کھڑا ہوں۔ دو گھنٹے پہلے تک جو مجھے یہاں آن پہنچنے کی عزت حاصل ہوی۔ میرے دل میں سر سخنگوئی نہ تھا۔"

کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تقریر اس قدر موثر تھی کہ ساری مجلس تڑپ اٹھی۔ یہ میں نے یہاں کے ایک اسّی سالہ بزرگ سے سنا ہے۔ جو وہ خود بھی اس مجلس میں شریک تھے۔

ان کا ایک کتب خانہ مختلف علوم کی نایاب گراں بہا مطبوعہ قلمی کتابوں کا مخزن تھا۔ تقریباً تین ہزار کتابیں اس کتب خانہ میں تھیں۔ یہ کتب خانہ ان کے نواسے سید اسد پیراں قادری نے۔ حضرت قطب ویلور (جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) کے مدرسہ لطیفیہ ویلور کو وقف کر دیا۔ جس سے آج بھی شائقین علم وفن استفادہ کر رہے ہیں۔

یہ جامعہ کمالات ہستی ۱۹۲۳ء میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔

سلطان محمود خاں سلطان

پرانے زمانہ کے بزرگ تھے
علم و فضل میں یکتائے روزگار

پیرو مرشد سید جماعت علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ مہاراجہ کالج میسور میں برسوں تک فارسی اور اردو کے منشی رہے۔ ابتدائی جماعتوں کے لئے نصاب کی ایک کنڑی کتاب "صحت" کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ ان کو شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ تقریباً اسی سال پہلے کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے ۱۹۶۳ء میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال سے دو دن پیشتر پہلی مرتبہ مجھے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا باوجود ضعف اور کمزوری کے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اور اپنی چند نظموں کا مجموعہ "تذکرۂ حبیب" عنایت فرمایا۔ اور اپنے ہمعصر شعراء و ادباء کا ذکر کرتے رہے پھر دوسرے دن مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ اس دن بھی باوجود بے حد کمزوری کے سلسلۂ کلام دیر تک جاری رکھا۔ جب تھک جاتے تو بار بار پانی پیتے۔ میں نے بارہا عرض کی کہ کسی دوسرے وقت شرف باریابی حاصل کروں گی۔ لیکن انہوں نے باصرار ٹھہرایا۔ اور دورانِ گفتگو میں مختلف ادبی موضوعات پر روشنی ڈالتے رہے آخر میں انتہائی خلوص کے ساتھ دعا دے کر رخصت کیا دوسرے ہی دن ان کے انتقال کی خبر پہنچی اور میسور کا یہ بے نظیر ادیب و شاعر سپرد خاک کیا گیا۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے

جینا ہے ترے عشق میں مرنا مجھکو ۔۔۔ مرنا ہے بجز عشق کے جینا مجھکو
آ عشق محمد ترے قرباں جاؤں ۔۔۔ بندہ ترے احسان کا کرنا مجھکو

ہر دم کر دم عشق یار بھرنا بہتر
ہر لحظہ حبیب کا ہی ذکر کرنا بہتر
لازم ہے نہیں ایک نہ اک دن مرنا
ہاں شیخ کی الفت میں ہی مرنا بہتر

میں پیر ا رند ہوں مستی مرا میخانہ ہے
ساقی ہے حکم ازل قالوا بلیٰ پیمانہ ہے
زاہدا تجھکو مبارک قصر جنت حور عین
ساقی و ساقیٔ کوثر کا مجھے نخانہ ہے

ایک سہرے کے دو شعر ملاحظہ ہوں

اے جواں بخت مبارک ہو یہ شادی تجھکو
دستِ اقبال نے باندھا ترے سر پر سہرا
اس قدر بزم میں ہے اہلِ تماشا کا ہجوم
بن گئی تارِ نظر سہرے کے اوپر سہرا

اس اقلیم سخن کے تاجدار سلطان نے ناسازگاری زمانہ کے باوجود بڑی گرم جوشی اور مستعدی کے ساتھ اردو زبان کی خدمت کی۔ تحریر و تقریر۔ غرض ہر موقع پر ان کی حکیمانہ اور باوقار شان جلوہ گر ہوتی رہتی تھی۔ شہر بیور میں ان کے بیشتر شاگرد ایسے ہیں۔ جن پر سلطان نے اپنی اردو نوازی اور قابلیت کا گہرا اثر چھوڑا ہے۔

محمد قاسم انصاری قسیم

محمد قاسم متخلص قسیم شہر بیور کے سرقاضی تھے۔ جامع مسجد کی طرف سے ۱۶ روپے ظیفہ ملتا تھا۔ " قسیم الاخبار" کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری

کیا تھا۔ ایک مدرسہ نظامیہ کی بھی شہر میں بنیاد رکھی تھی۔ ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ پیر و مرشد حضرت جماعت علی شاہ صاحب سے خاص عقیدت تھی۔ ۱۹۴۲ء میں راقم الحروف کو انہوں نے شرفِ ملاقات بخشا۔ اور میسور میں اردو ادب کے عروج و ارتقا پر کافی دیر تک بحث کرتے رہے۔ اور از راہِ نوازش اپنا گرانبہا کتب خانہ بھی دکھایا اور نایاب و کمیاب قلمی کتابوں کے نوٹ لینے کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی اس کے چار پانچ سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ نعتیہ کلام کے بڑے شائق تھے۔ اور اس میدان میں انہوں نے اپنی جولانیٔ طبع کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔

واہ حضرت نے ہے کیا درجہ رحمت پایا — حق سے معراج کی شب اذنِ شفاعت پایا
عیسیٰ و موسیٰ بھی پہلے سے تھے اس شہ کے نقیب — حق کے دربار سے جب تاجِ رسالت پایا
جلوہ مصحفِ رو خواب میں ہو جس کو نصیب — نیز بخت جگا شمع ہدایت پایا
شکر ہو کچھ پوششِ مرقد کا میسر ہو نسیم — میں سمجھ جاؤں گا سرکار سے خلعت پایا

معمور ہے رواں ہے سدا مصطفیٰ کا فیض — دریائے بیکنار ہے کہف الوریٰ کا فیض
مالک ہیں سلسبیل کے کوثر کے خلد کے — قلزم بنا ہے میرے شہ انبیا کا فیض
دل میرا ہے محبت حضرت سے پُر نسیم — شاید یہ ہے حبیبِ خدا کی رضا کا فیض

نظالکھوں میں اگر قامت محمد کی — نثار جان سے صد شاخِ گل چمن ہو جائے
تو کس گھمنڈ میں فخر اپنا رب جتاتا ہے — یہ تیرا خاک میں آلودہ گلبدن ہو جائے
طفیل نعت محمد کے اے نسیم انیم — جہاں میں قابلِ تحسین ترا سخن ہو جائے

۱۔ دیوان نسیم مطبوعہ الکلام برقی پریس بنگلور سٹی ۱۹۴۱ء

مولوی عبدالوہاب مکیؒ[1]

یہ ظہیرالدین مکیؒ مرحوم بی اے سابق وزیر صنعت و حرفت سرکار میسور کے سگے بھائی تھے۔ والد ماجد کا نام محمد ابراہیم مکی تھا۔ یہ قادر محی الدین صاحب مکیؒ کے بھائی ہیں۔ جد امجد کا نام محمد سراج الدین مکی ہے۔ جو حافظ غلام محمد شاہ قادری مکی کے فرزند تھے۔ یہ خاندان علم و فضل کی فراوانی میں مشہور روزگار تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں مہارت تام رکھتے تھے۔ ان کی ایک نظم "پیام نور" جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی تھی۔ اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

تمہارے خستہ حال پر مرے جلال کی قسم
تمہارے اس زوال کی مرے کمال کی قسم

لگی ہے فکر روز و شب کہ موت عنقریب ہے
اٹھو کہ وقت تنگ ہے مرے ملال کی قسم

کرو حذر فساد سے۔ کہو ولا تفرقوا
اسی میں ہے رضا مری میرے ہی قال کی قسم

اختتام:۔
عنا ہے ذات میں مری اٹھو کہ وقت تنگ ہے
سکت نہیں مفر نہیں یہ ایک عذر لنگ ہے

۱۔ ان کی دختر محترمہ امنۃ اللطیف بیگم سے آپ کے حالات زندگی دستیاب ہوئے۔ انہوں نے ان کی متعدد مطبوعہ تصانیف اور مخطوطات عاریتاً عنایت فرمائے تھے

ڈرو کہ ملنے کا نہیں کبھی یں اپنی بات سے
مجھے نہ تم سے کچھ عناد نہ دوسروں سے جنگ ہے
جو جانتے ہو مان لو جو جانتے ہو جان لو
یہ آخری پیام ہے کہ شیشہ زیر سنگ ہے
قنوط کا ہوں یں عدو مجھے سکوں سے دشمنی
محال اس سے دوستی ۔ جو عاقبت سے ہو غنی
مری جناب یں مرا وہ ہے جو مجھ سے ہی ڈرے
نہ اتری نہ پچھمی ۔ نہ پوربی نہ دکھنی
منقلب القلوب ہے ۔ پیام نور سر بسر
چھنی ہے آؤ دیکھ لو یہ آسماں سے روشنی

محمد عبد العلی فائق

محمد عبد العلی فائق بنگلوری ۔ اردو و فارسی کے بڑے عالم تھے شعر و سخن میں اپنے وقت میں سر آمد روزگار رہے ۔ بنگلور کے اکثر نوجوان شعراء ان کے شاگرد ہیں ۔ ان کا کلام نہایت پختہ اور عمدہ ہوا کرتا تھا ۔ جرأت لکھنوی سے مشورۂ سخن کرتے رہے ۔ جنوبی ہند کے بڑے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا ۔ محبت نبوی میں یوں نغمہ سرا ہیں ۔

---

۲ ۔ ۔ ۔ صاحب سے ان کے حالات معلوم ہوئے ۔

کسی نے آج تک دیکھا نہیں ہے سایہ کا سایہ
تمہارا پھر ہو کیوں سایہ کہ جب نورِ خدا تم ہو
فرد ہوتا ہے غم میرا تو دردِ نام والا سے
سرورِ دل تمہیں ہو میری آنکھوں کی ضیا تم ہو
تمہارا وصف فائقؔ سے بیاں ہو غیر ممکن ہے
اے فخر انبیاء اللہ ممدوحِ سرا تم ہو

غزل گوئی میں بھی طبع رسا پائی تھی۔ جس میں شانِ تغزل بڑی آن بان سے روشن ہوتی ہے۔

بے خودی میں قصۂ دردِ نہاں سر ہو گیا
ذکر ان کا دل کی نادانی سے گھر گھر ہو گیا
میان سے سفاک کا باہر جو خنجر ہو گیا
میں ہوائے قتل میں جامے سے باہر ہو گیا
پا بجولاں کوچۂ قاتل میں مجھکو لے گیا
جذبۂ شوقِ شہادت میرا رہبر ہو گیا
آبیاری گلشنِ غم کی جو چشمِ تر نے کی
پھر تو اپنا داغِ دل رشکِ گلِ تر ہو گیا
وہ غزل کیا جس میں ہو فائقؔ تغزل کا نہ رنگ
کیا ہوا اگر لکھتے لکھتے ایک دفتر ہو گیا

فائقؔ کو الفاظ محاورات اور ترکیبوں پر حاکمانہ تصرف حاصل ہے بے تکلفی اور روانی انکے اشعار کو دلنشیں اور پُرتاثیر بنا دیتے ہیں

حاجی عبدالجلیل اجملؔ

اجملؔ بمبئی سے آکر بنگلور میں قیام پذیر ہوئے۔ اور فائق بنگلوری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان کا کلام اکثر نعتیہ ہوا کرتا تھا۔ کلام میں پختگی پائی جاتی تھی۔ مشاعروں میں ان کا کلام سن کر لوگ بہت محظوظ ہوتے اور اس کی بڑی تعریف کرتے تھے۔

نعتیہ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

کیا نام خدا بخت بھی یاور ہے ہمارا
اللہ کا محبوب پیمبر ہے ہمارا

ہیں امتِ احمدؐ میں تو یہ فخر ہے ہم کو
رتبہ بھی ملک سے کہیں بڑھ کر ہے ہمارا

ہے بادشہِ کون و مکاں اپنا پیمبر
خاقان وہی ہے وہی قیصر ہے ہمارا

جب رحمتِ عالم ہی شفیع اپنا ہے اجملؔ
پھر کیوں نہ کہیں قصرِ جناں گھر ہے ہمارا

کسی کا جلوہ کچھ ایسا نظر نواز رہا
کہ موت و زیست میں باقی نہ امتیاز رہا

تھا مختصر سا فسانہ مری محبت کا
مگر زبانوں پہ تا عرصۂ دراز رہا

قدرت بیان اور زورِ طبع نے ان کے کلام میں بلا کا اثر پیدا کر دیا ہے۔ ان کی پاکیزہ ترکیبیں اور شستہ بچی تلی زبان نے انہیں شہرت دوام کا مالک بنا دیا ہے۔

محمد عبدالرحمن کیفی

کیفی ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا وطن بنگلور تھا اور پیشہ طبابت و تجارت۔ یہ ناصر مرحوم کی یادگار ہیں۔ قاسم علی شاہ سے بیعت تھی۔ اردو فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ اشعار میں تصوفانہ رنگ جھلکتا ہے۔ طرز بیان دلکش اور قلندرانہ ہے نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

پلا دے ساقیا اب آگیا تیرا ہی تو ار — مرید ناصر بہ ست کیفی سرشار
گلے لگا کے اے ساقی پلا مئے گلگوں — بہار آئی ہے پھولا پھلا ہے ایک گلزار

زبان کھول بوصف جناب عالی جاہ — اگر قبول ہو بڑھ جائے تیرا عز و وقار
اگرچہ ہے وہ مسلماں کا کعبۂ امید — خدا کی شان ہیں مسرور کافر و دیندار

طائر سدرہ کی سدرۃ تک فقط پرواز ہے
لامکاں سے پار تیری فکر کا شہباز ہے
میری ہستی پر رہا موقوف جب تیرا ظہور
شانِ یکتائی پہ اپنی تجھکو بیجا ناز ہے
کیوں نہ ہو کیفی پسند اہل دل ہر اک سخن
حضرتِ ناصر کا میرے شعر میں انداز ہے

معنی آفرینی اور بلندی تخیل کے ساتھ بندش کی چستی نے ان کے کلام کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے۔ روحانی نشاط اور سرشاری کی مصوری بڑی مشاقی فن کے ساتھ کی ہے تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ انہوں نے اپنے

استاد ناصر مرحوم کے دیوان کو ترتیب دے کر مطبع نبوی سلطان الاخبار میں ۱۹۱۲ء میں چھپوایا۔ اور اس کے آخر میں داستان شہر آشوب وغیرہ ۱۷ مادۂ تاریخ ناصر کی وفات کے نکالے اور ساٹھ بند کی ایک مسدس میں ساٹھ مادۂ تاریخ کے علاوہ آٹھ قطعات تاریخ مختلف صنعتوں میں معہ مکرر مادۂ تاریخ وفات کے لکھے۔

سالار خاں مرغوب

ان کا وطن بیسور تھا۔ ایک مختصر دیوان ممتاز پریس براڈوے روڈ بنگلور سے شائع ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی صفحات اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ جس میں ردیف میم تک کی غزلیات ہیں۔ ان کے کلام میں تصوف اور معرفت الٰہی کا رنگ نمایاں ہے۔

کروں کس زباں سے میں شکوہ مجھے یار شام و سحر ملا
جسے عنقا کہتی ہے خلق سب وہ تو مجھکو آٹھ پہر ملا

نہ جدا ہے مجھ سے وہ ایکدم نہ کبھی ہوں میں سے میں بیش و کم
فقط اتنا فرق ہے دم بہ دم مقدم ہوں ہمیشہ اس سے نظر ملا

خود بخود حق کو ہوئی اپنی حقیقت کی طلب
گنج مخفی سے کیا عالم وحدت کی طلب

ابو الارواح سے ہوا عالم ارواح کا ظہور
ایک آدم سے ہوئی عالم کثرت کی طلب

دیوان مرغوب راقمہ کے پاس ہے

روئے احمد کے خداوند طلبگار رہیں ہم
مثل پروانے کے اس شمع پہ نثار رہیں ہم
نور احمد سے ہوا حضرت آدم کا ظہور
شکر حق کیوں نہ کریں امت سالار ہیں ہم
گلشن مستی میں ہم آکے تماشا دیکھے
قدرت حق نظر آتی ہے وہ گلزار ہیں ہم

بزم عشاق میں عشرت کا ہے ساز وسامان
صوت سرمد پہ ذرا کان لگا دے بلبل
دیکھ ہر شئے میں نظر آتا ہے جلوہ گل کا
دل سے تو پردۂ غفلت کو اٹھا دے بلبل

مستی اور سرشاری نے ان کی ادبیت کی شان کو بہت بلند کردیا ہے۔ لطافتِ خیال، سنجیدگی اور زور بیان بڑی خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

منشی احمد اللہ منجے دیوانہ

یہ منشی عبدالعزیز منجے بنگلوری کے فرزند اور عبدالحق صاحب ریٹائرڈ ڈائرکٹر آف کوآپریٹیو سوسائیٹز بنگلور کے چھوٹے بھائی تھے انگریزی تعلیم ایف، اے۔ تک پائی تھی۔ انگریزی فوج کے یورپین افسروں کو اردو اور فارسی پڑھاتے تھے۔ پھر انٹرمیڈیٹ کالج بنگلور میں اردو اور فارسی کے لکچرر مقرر ہو گئے۔ مولوی فاضل

۱۔ ان کے حالاتِ زندگی ان کی دختر نیک بی اور عقیلہ بیگم صاحبہ مرحومہ نے عنایت فرمائے

دیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات کے لئے لاہور گئے تھے ۔ کامیابی کے بعد لاہور سے وطن آنے کی تیاری میں مصروف تھے کہ لاہور میں ٹائیفائڈ ہوگیا اور ۳۵ سال کی عمر میں نوجوان بیوہ اور اکلوتی بچی کو چھوڑ کر غربت و تنہائی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ مرنے کے بعد ان کی جیب سے ایک کاغذ ملا جس میں اپنی تصویر لپیٹ رکھی تھی اور اس پر مندرجۂ ذیل شعر لکھا ہوا تھا ۔ ؎

بچھڑے ہوئے عزیز و غربت مرا وطن ہے
تصویر لاش میری کاغذ مرا کفن ہے

ان کا ایک قلمی دیوان ان کی اہلیہ کے پاس ہے ۔ اور ان کے دو نعتیہ قصیدے ایک اردو اور ایک فارسی جو "بحرین" کے نام سے ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوئے ہیں ۔ ان کی دختر زینب بی نے مجھے عنایت فرمائے تھے ۔ اردو قصیدہ ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ جس کے بعد ایک اور قصیدہ فارسی زبان میں لکھا ہوا ہے ۔

اردو قصیدہ کی بعض ابیات یہ ہیں ۔

مطلع اول اور تشبیب

نہیں ہے کھیل سر ہونا بت اژدرانی کا
یہاں تو سامنا ہے ہفت خوان سیستانی کا

کہاں نقش سویدائی میں وہ نازک بدن آئے
کہ جس کے ناز سے دم بند ہے بہزاد و مانی کا

سنبھالی ہیں ہتھیلی پر نظر کی پتلیاں اس کو
تصور جوہر سیماب کی ہے پاسبانی کا

تپ محشر سے واعظ کیوں مجھے ہر دم ڈراتا ہے
نہیں واقف وہ میرے شعلۂ سوز نہانی کا

مطلع ثانی در ولادت نبی اکرم صلعم کے بعض اشعار یہ ہیں

تولد جب ہوا اس خسرو صاحبقرانی کا
زمین و آسماں قائل ہے جس کی مہربانی کا

فسانہ رہ گیا باقی درفش کاویانی کا
عجم سے مٹ گیا نام و نشاں تخت کیانی کا

حضور سرور کون و مکاں کا جلوہ گستر ہوں
مرے قبضہ میں تو قبضہ ہے تیغ اصفہانی کا

ہوا مقبول خاص و عام اسلوب بیاں میرا
زباں والوں نے پایا لطف میری بے زبانی کا

مطلع ثالث در معراج نبی صلعم۔

فلک پر کیوں نہ جاتا ہو حبیب دو جہانی کا
زمیں پر جب کہ آتا ہو مکین لامکانی کا

ظہور صحبت معبودیت میں عین عبدیت
ہے آئینہ صفت عالم حجاب درمیانی کا

تجھے رب العالمیں کے رحمۃ للعالمیں مظہر
شفاعت ہے قبالہ دو جہاں کی حکمرانی کا

یہ شخص عکس آئینہ ہے عکس شخص آئینہ
ہے مثل خط توام ماجرا رازنہانی کا

مطلع رابع در سیرت النبی صلعم

زہے جشن طرب جلسہ نہیں مولود خوانی کا
بھرا دربار ہے یہ بادشاہ انس و جانی کا

کتاب اللہ ہے اعجاز کس کی بے دہانی کا
فتوح الغیب اینلق ہے کسکی درفشانی کا
کلام اللہ پڑھنے کے لئے آئیں کلیم اللہ
سبق دوں وادیٔ ایمن میں قرآں کی معانی کا
وہ شانِ رحمۃ للعالمیں ہے جسکے صدقہ سے
بجھادوں آتش دوزخ کو چھینٹا دیکے پانی کا

قدرت کلام اور لطافت بیان کے ساتھ تخیل اور شکوہ بیان نے انہیں سودا اور ذوق کا ہمپایہ بنا دیا ہے۔ عالمانہ شان اور وقار ان کے ہر ہر لفظ میں نمایاں ہے۔ موسیقیت اور ترنم نے کلام کے حسن کو اور نکھار دیا ہے۔

سید ضامن ماہر

ان کے بزرگوں کا وطن سرینواسپور تھا۔ سلگنڈہ میں تعلیم حاصل کی سرینواسپور اور باگے پلی کے مدارس میں ہڈماسٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۵ء میں اسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔ پرانے زمانے کے بزرگ تھے۔ شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہے۔

دل مرا وائے پریشان ہوا تھا سو ہوا
چاک میرا کبھی داماں ہوا تھا سو ہوا
کیا بیاں چرخ ستمگر کے کرشمے ہونگے
اس کے ہاتھوں وہ جو انساں ہوا تھا سو ہوا

میرا سینہ غم ہجراں کے یہاں داغوں سے
جو کبھی مثلِ گلستاں نہوا تھا سو ہوا
دعویٔ علم و ہنر کر کے کسی جا ماہر
بزم میں تو جو پشیماں نہوا تھا سو ہوا

صاف اور ستھرا ہوا مذاق سخن رکھتے تھے۔ کلام میں بے تکلفی اور آمد اور زورِ طبع نمایاں ہے۔

ولی احمد ولی

ولی احمد نام تھا۔ ولی تخلص کرتے تھے۔ ان کا وطن بیور تھا۔ پرانے زمانہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ فارسی اور اردو میں اچھی قابلیت تھی۔ چیلدرگ کے ہائی سکول میں مدت تک منشی رہے۔ ۱۹۲۵ء میں پنشن لی۔ ۶۶ سال کی عمر میں ۱۹۳۲ء میں انتقال کیا۔ نظم و نثر دونوں کے مرد میدان تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

تراثانی ترا ہمتا نہ پایا | دو عالم میں کوئی تجھ سا نہ پایا
ہوئے ہیں کارواں کے کارواں گم | کسی نے راستہ تیرا نہ پایا
سنبھالے دل کو یا دردِ جگر کو | زمانہ میں کوئی ایسا نہ پایا
تصدق سے ترے کیا کیا نہ پایا | نشاں پر عمر رفتہ کا نہ پایا
بھری ہے یا د حضرت مصطفیٰ کی | کبھی خالی دلِ شیدا نہ پایا
چراغ عقل کو لے کر ولی نے
بہت دیکھا تجھے ڈھونڈا نہ پایا

سنبل اگر ہے ورد تو لالہ ہے داغ دل
ہم پھول والے ہیں کسی اجڑے دیار کے

خیال حور سے تو عشق بہتر ہے فرنگن کا
پہنچنا خلد کو مشکل سفر آساں ہے لندن کا

زیست بے لطف ہے جو یار نہیں
کیف مے کیا ہے گر خمار نہیں

شگفتہ مزاج انسان تھے۔ صفائی، سادگی اور زور طبع نے ان کے سخن کو گل و گلزار بنا دیا ہے۔

نصیر

ان کا وطن مالوف ہانسی تھا۔ شاعرانہ ذوق فطری تھا۔ کلام میں پختگی پائی جاتی ہے۔ ان کے کئی شاگرد بھی ہیں۔ بڑے خوش اخلاق اور متشرع انسان تھے۔ اپنے تلامذہ کو بھی عشقیہ غزلیات کی بجائے نعتیہ نظمیں لکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ذیل کے اشعار سے ان کی قدرت بیانی اور نکھرے ہوئے مذاق شاعری کا پتہ چلتا ہے۔

دین برحق کے پرستار کہاں ہیں یارب
مئے توحید کے سرشار کہاں ہیں یارب

خدمت دین میں گھر بار لٹانے والے
اب وہ اسلام کے غمخوار کہاں ہیں یارب

بوبکر حمزہ و عباس و بلال و سلماں
عاشقان شہ ابرار کہاں ہیں یارب

خالد و سعد و انس بوذر و عثمان و علی
عمرو جعفر طیار کہاں ہیں یارب

شیر میسور کی تصویر یہ کہتی ہے نصیر
اب وہ اسلام کے دربار کہاں ہیں یارب

عبدالسبحان ہوشیار

عبدالسبحان متخلص ہوشیار بنگلور کے متوطن اور خان بہادر کونسلر جناب عبدالرحمٰن صاحب دلؔ کے فرزند رشید تھے۔ اسسٹنٹ کمشنری کے عہدے پر پہنچ کر سبکدوش ہوئے۔ علم و فضل اس خاندان میں وراثتی تھا۔ اردو، فارسی اور عربی میں کافی استعداد رکھتے تھے انہوں نے ایک کتاب تحفۂ سبحانی من الکلام رحمانی کے نام سے لکھی ہے۔ جو ۱۹۳۴ء میں قومی پریس معسکر بنگلور سے شائع ہوئی۔ ان کی دوسری تصنیف "خطبات اسلام" پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ حصہ اول میں اپنے والد بزرگوار حضرت دلؔ کی ایک نظم بھی نقل کی ہے۔ یہ تمام خطبات ان کی قادر الکلامی، علمیت شاعری اور نثر نگاری کی قابلیت کے شاہد ہیں۔ تیسری تصنیف "انوار اسلام" ہے۔ جو دراصل تحفۂ سبحانی کے چند مضامین کا اجمال ہے۔ خطبات اسلام حصہ اول میں بعنوان یاد خالق کہتے ہیں۔

احسان تیرا ہے تیرا دیا جو تو نے دیا ہشیار لیا
اس تن میں خدا تو من کو دیا اس من سے خدا من تیرا لیا
پہچان تیری ایمان مرا ایمان مرا اسلام ہوا

خطبات اسلام حصہ سوم و چہارم کے صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں۔

درد فطرت کی جب پکار آئی ظلمت رحم سے نجات آئی
وحدہ لاشریک لہ آئی اپنے خالق پہ ہو نثار آئی
راز توحید کی بہار آئی
ید قدرت کی وہ نگار آئی

محمد عظیم الدین عظیم

محمد عظیم الدین عظیم کا وطن چن پٹن تھا۔ سرکار میسور کے امتحان مولوی میں اول درجہ میں کامیابی حاصل کی تھی۔ میسور ٹریننگ کالج اور ہائی سکولوں میں منشی رہے۔ ۱۹۳۲ء میں پنشن لی۔ اردو زبان سے خاص شغف تھا۔ ان کا ایک مختصر سا دیوان بھی ہے۔ جو ان کی سخنورانہ مشاقی کا شاہد ہے۔

مجلس آرائے صبح و شام ہوئے — مے گساروں کے دور جام ہوئے
راز سربستہ کھل گیا سارا — گرچہ پردہ سے ہمکلام ہوئے
اپنے اقبال کا ہے کیا کہنا — بے نمازوں کے ہم امام ہوئے

نکما پن کے ناداں کیوں ذلیل و خوار ہوتا ہے
وہی برباد ہوتا ہے جو گل بیکار ہوتا ہے
عظیم اچھا نہیں اپنی خطا کو غیر پر دھرنا
اسی کو دیں دوائے تلخ جو بیمار ہوتا ہے

عظیم اس گلی میں تمہارا ہے کیا کام — کہو کیا ہوا دعوئ پارسائی

سنتا نہیں وہ بات مری بے دلیل کے — لینے پڑیں گے مجھکو قدم کیا دکیل کے

عظیم کی شعر گوئی میں تغزل کی شان جھلکتی ہے۔ شگفتگی۔ لطافتِ خیال روانی اور دلکشی سے کلام میں خوب خوب لذت آفرینی پیدا کی ہے۔

جوہر

نام ابوالحسن محمد حسین۔ تخلص جوہر اور وطن بنگلور تھا۔ بڑے لایق و فائق بزرگ تھے۔ شاعری سے بڑا لگاؤ تھا۔ رسالہ قول اور جلوۂ سخن کے علاوہ ہندوستان کے دیگر معیاری رسالوں میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ محوی لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ درس و تدریس ان کا مشغلۂ حیات رہا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

ساز ہستی چھیڑ اے مسلم تو پھر مضراب سے
کام لے برق تپیدہ کا دلِ بیتاب سے
گرمیٔ اسلام سے گرما دلِ افسردہ کو
ابنِ مریم بن کے زندہ کیجئے روحِ مردہ کو

پھر تو کر تاثیر پیدا نعرۂ تکبیر سے
برق کی تاثیر دکھلا نالۂ شبگیر سے
ملت مردہ کو زندہ کر لب اعجاز سے
ہے جہاں واقف ترے انجام سے آغاز سے

آئیے لشکر اعدا کو پریشاں کر دیں
شیوۂ خالد و حیدر کو نمایاں کر دیں
عرصۂ دہر میں اب تیغ بکف ہو جائیں
سطوتِ حضرت فاروق نمایاں کر دیں
عہد ماضی کی تو ہر چیز ہوئی ہے ماضی
اس نئے دور میں پیدا نیا ساماں کر دیں
نورِ ایماں کی جھلک کچھ تو دکھا کر جوہر
ظلمتِ کفر کو عالم سے گریزاں کر دیں

اسلوب بیان میں کوندتی ہوئی بجلیاں اور امنڈتے ہوئے سیلاب جلوہ گر ہیں اسلامی شان و شوکت کے بھولے ہوئے اوراق کو نئے انداز سے یاد دلا کر قوت عمل کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ زبان اور قوت بیان کی سادگی نے مجاہدانہ رنگ کو تیز تر کر دیا ہے

جلوۂ سخن فبروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۴۔ یہ رسالہ مدراس سے مدیر گرامی محوی صدیقی و محمد ابوبکر سطمی مدراسی کی ادارت میں نکلتا تھا۔

عبدالقادر طالب

عبدالقادر تخلص طالب بنگلور کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد اعلیٰ جناب محمد برہان الدین ۱۲۴ء میں عراق سے شمالی ہند آئے۔ پھر دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد اور مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے جنوبی ہند پہنچے۔ نواب حیدر علی خاں بہادر کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ اور سرا (رستم آباد) کے آصف مقرر ہوئے۔ حسن خدمات کی بدولت خزانۂ عامرہ کی خدمت ان کے سپرد کی گئی۔ ٹیپو سلطان شہید کی شہادت کے بعد یہ بھی خزانہ کے دروازے پر مارے گئے۔ ان کے فرزند عبدالباسط عرف پیر صاحب اس وقت ہسکوٹہ میں تھے۔ یہ بھی اپنے والد کی طرح عربی فارسی کے استاد اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔ ان کے دوسرے فرزند محمد برہان الدین کچھ دن منصفی کی خدمات بجالا کر یادِ الٰہی میں گوشہ گیر ہو گئے۔ ان کی شادی بودیہال کے قاضی القضاۃ حسن علی کے فرزند حیدر علی کی دختر شرف النساء سے ہوئی۔ ان کے بطن سے عبدالقادر طالب پیدا ہوئے۔

مرحوم کی تعلیم پانچ سال کی عمر سے شروع ہوئی۔ والد کے انتقال کے بعد حیدر قریشی کے زیر نگرانی انہوں نے نمایاں ترقی کی۔ جب عبدالحفیظ آرام نے بنگلور میں مدرسہ اسلامیہ جاری کیا تو اس کے ناظم محمد حسین عرف بابا میاں مقرر ہوئے اور اساتذہ

حضرت طالب کے حالات ہمیں ان کی دختر محترمہ فاطمہ صغرےٰ سے دستیاب ہوئے۔ محترمہ موصوفہ عہد حاضر کی مشہور شاعرہ ہیں۔

میں حیدر قریشی جعفر علی، مولوی خضر محمود اور حافظ عبداللہ تھے۔ طالب انہیں بزرگوں کے فضائل اور فیضان تعلیم سے مکمل و ممتاز شاعر اور استاد بن گئے۔

طالب کو اپنے معاصر شعراء میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اکثر مشاعروں میں ان کو میر مشاعرہ منتخب کیا جاتا تھا کئی سال انہوں نے ارکاٹ نارائن سوامی مدلیار ہائی سکول میں فارسی زبان کے مولوی کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے علاوہ شہر بنگلور میں مسلمان بچوں کی تعلیم کی غرض سے اپنے صرف خاص سے ایک نائٹ سکول جاری کیا تھا۔ اور اس میں بچوں کو خود درس دیا کرتے تھے۔ ان کی شادی قاضی نذر حسین شریف کی دختر رقیہ بیگم سے ہوئی جو خود تعلیم یافتہ اور طبقہ نسوان کی تعلیم کی زبردست حامی تھیں۔ طالب مرحوم کو اپنی بیوی کی ادبی کاروائیوں سے ہمیشہ گہری دلچسپی رہی اور ان کی کماحقہ حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا۔ ۱۹۰۹ء کی ایک غزل نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

قابل ہیں کب یہ لالہ و گل اعتبار کے — دو دن جب خزاں کے تو دو دن بہار کے

پھر صومعہ سہی در توبہ کھلا تو ہے — چل میکدے کو شیخ چلے دن بہار کے

لیجا کے چھوڑنا ہے کہاں دیکھئے نصیب — گھر سے چلے تھے ایک چلے کوئے یار کے

عمر رواں کے کھوج میں ہم رات اور دن — ہر نقش پا کو دیکھتے ہیں رہ گزار کے

طالب نہیں ہے لطف غزل میں وہ دن گئے — اب مرثیے سناؤ غم روزگار کے

جاتے ہوئے کہتے ہیں عیادت کو وہ آکر — اللہ کو سونپا تجھے بیمار محبت

دنیا سے تعلق ہے نہ عقبیٰ سے کوئی کام — آزاد دو عالم ہے گرفتار محبت

عائشہ بیگم

عائشہ بیگم بنت قادر محی الدین ملک ۱۲۹۸ھ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئیں۔ صحیح معنوں میں ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ یہ ظہیرالدین ملک ڈائرکٹر آف انڈسٹریل اینڈ کامرس کی اہلیہ تھیں۔ اور قائد ملت محمود شریف صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی سابق وزیر صحت حکومت میسور اور جناب اویس نصراللہ شریف صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سابق وزیر قانون کی خوشدامن ہوتی ہیں اصلاح نسواں کی تمام تحریکات میں آپ پیش پیش رہتیں۔ میسور کی پہلی زنانہ انجمن کی تادم زیست صدر رہیں۔ اب تک یہ انجمن امداد نسواں کے نام سے بنگلور میں قائم ہے۔ ان میں تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ تھا۔

۱۹۲۷ء میں بنگلور میں "میسور لیڈیز کانفرنس" کا ایک عظیم الشان جلسہ محترمہ لیڈی سر مرزا اسمٰعیل بالقابہ کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے پردہ کے متعلق جو تقریر فرمائی وہ ہندوستان بھر میں بے حد مقبول ہوئی۔ اس کی متعدد نقلیں انہوں نے علماء کرام کی خدمات میں روانہ کرکے اس پر ان کی رائے و تنقید طلب کی تھی۔ ان کا انتقال گیارہ سال پیشتر ہوا۔ یہ میری عزیز دوست عقیلہ بیگم کی والدہ تھیں۔ اکثر ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ہم لوگوں کی بی۔اے۔ ایم۔اے۔ کی ڈگریاں ان کے سامنے ہیچ نظر آتیں۔ ایک

۱۔ اس قابل محترم خاتون نے میری درخواست پر اپنے خاندان کے نامی و گرامی شعراء و ادباء کے حالات لکھ کر راقم الحروف کو عنایت فرمائے تھے۔

یہ کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو

"حضرت سکینہ بر سرِ منبر کھڑی ہو کر وعظ فرماتی تھیں،
رت رابعہ بصری کے روبرو جلیل القدر شیوخ زانوئے ادب تہ
تے اور اپنے شکوک و اوہام رفع کر لیا کرتے تھے مسلم بی بیوں
قومی مذہبی یا سیاسی جلسوں میں عام شرکت ہوتی تھی اور کسی
ح کی روک ٹوک نہ تھی

ے وہ دن تھے کہ ہم بر سر منبر چڑھ کر
وعظ کہتی تھیں نہ تھا ہم کو کوئی خوف و خطر
ے وہ دن ہیں کہ ہم قعر مذلت میں گریں
اپنی حالت کا سر مو ہمیں افسوس نہیں
رعلم سے آراستہ دیگر قومیں
اور ہیں جہل کی تاریکی میں اپنی بہنیں

قیہ بیگم

سن پیدائش ۱۸۷۳ء تھا۔ مقام ولادت
معسکر بنگلور ہے۔ یہ ایک ممتاز خاندان
رکن تھیں۔ ان کے والد ماجد کا نام قاضی نذر حسین شریف تھا
رسلسلۂ نسب قاضی محمد سعید شریف صاحب دہلوی سے جاملتا
۔ جو خاندان مغلیہ کے زمانے میں قاضی رہے تھے۔ محمد سعید
ریف صاحب کی دختر کے دو فرزند قاضی عبداللہ شریف صاحب
ر قاضی محی الدین شریف صاحب۔ مہاراجہ میسور چک دیوراج
طلب پر بیجاپور ہوتے ہوئے میسور آئے۔ مرحومہ طبقہ اناث

کی تعلیم کی زبردست حامی تھیں۔ ان کو اردو، فارسی اور عربی پر کافی عبور تھا۔ انگریزی زبان سے بھی واقف تھیں۔ انہوں نے ایک زنانہ انجمن کی بنا ڈالی اور اس کا نام انجمن مفید النساء رکھا۔ خود ہی اس انجمن کی سکریٹری تھیں۔ اس کے ماہانہ اور سالانہ اجلاس باقاعدہ ہوتے تھے۔ اس کی صدر ریاست میسور کی سربرآوردہ خاتون عائشہ بیگم (مسز ظہیرالدین مکی) تھیں۔ اس انجمن کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ اور متعدد زنانہ اخبارات بھی خریدے جاتے تھے۔ جیسے رسالہ خاتون علیگڈھ۔ شریف بی بی لاہور۔ تہذیب نسواں لاہور وغیرہ۔ اس انجمن کے تحت ایک مرتبہ زنانہ دستکاری کی نمائش رکھی گئی تھی جو بہت مقبول ہوئی اور سرکار میسور نے مخدومہ کو سند اور تمغہ عطا کرنے کے علاوہ ان کی زیر سرپرستی ۱۹۲۵ء میں صنعت و حرفت کا ایک مدرسہ مسلم بلاک بسون گڈھی میں کھولا۔

ان کی شادی جناب مولوی عبدالقادر صاحب طالب سے ہوئی جو محکر بنگلور کے ہائی سکول کے مدرس اور اپنے زمانہ کے بہترین شاعر تھے۔

آر عبدالقادر

یہ ۱۸۷۶ء میں راجن ہلی ڈسٹرکٹ بنگلور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالرسول تھا۔ احمد علی اور میر حیات سے فارسی پڑھی۔ مولوی مظہر حسین خاں (ٹونک) اور مولوی سکندرالدین اور مولوی میر محمود صاحب سے عربی زبان کا اکتساب کیا۔ میسور کے ٹریننگ کالج سے امتحان مولوی میں کامیاب ہونیکے بعد اسی کالج میں مدرس رہے۔

۱۹۳۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور میسور ہی میں رہے۔ ان کی کئی تصانیف ہیں۔ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے حالات انہوں نے کئی حصوں میں لکھے تھے۔ ان میں سے ایک دو حصے شائع ہوئے ہیں۔ جس کے حوالے ہم نے ابتدائی ابواب میں دئیے ہیں۔ انہوں نے اپنے تمام غیر مطبوعہ نسخے راقمۃ الحروف کو عنایت فرمائے تھے اور اپنے قیمتی مشوروں سے بھی مستفید فرمایا تھا۔ ستر پچھتر سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

انہوں نے نثر میں بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔

حکیم بشیر احمد بشیر

ان کا وطن بنگلور اور فائق الشعرا فائق بنگلوری کے تلامذہ میں سے تھے۔ اور بنگلور کے خوش گو نوجوان شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ خیالات کی بلند آہنگی اور دلکش اسلوب بیان ان کی خصوصیات ہیں۔

نمونہ کلام

جلوۂ حسن نبیؐ کو دیکھ کر آئینہ کو خود بھی حیرانی ہوئی
کون ہے تجھ سا نبی میرے نبی لامکاں پر کس کی مہمانی ہوئی
وہ نرالا حسن وہ بانکی ادا سب میں ہے مانا ہوا مانی ہوئی

بخشے جائیں گے گنہ تیرے بشیر
گر تجھے کچھ بھی پشیمانی ہوئی

سید عبدالرؤف سبزواری اثرؔ

اثرؔ۔ سید عبدالبصیر سبزواری کے فرزند۔ ذائق بنگلوری کے شاگرد ہیں۔ بنگلور ان کا وطن ہے۔ ان کی ایک نظم "منظر عبرت افزا" کے بعض اشعار پیش کئے جاتے ہیں

نہ سہی مجھ پہ مری قبر احساں کر دیں
روند کر پائے نگاریں سے گلستاں کر دیں
آیئے دفتر ہستی کو پریشاں کر دیں
ہم ہیں کون آج زمانے پہ نمایاں کر دیں

جدھر اٹھائی نظر ہم نے دیکھا جلوہ یار
جہاں جھکائی جبیں اس کا آستانہ تھا
بتوں کے رنج سہے ناز اٹھائے جوروں کے
ہمارا دل غم کونین کا خزانہ تھا

آب بقا میں زندگی جاوداں کہاں
ہیں خضر بھی تو موت کا کھٹکا لئے ہوئے

ڈی ایم عزیز اللہ عزیزؔ

یہ بنگلور کے متوطن۔ محوی لکھنوی کے شاگرد اور "فانوس" کے مدیر تھے۔

نمونۂ کلام

میرے دل میں کون اس انداز سے مستور ہے
گوشہ گوشہ خلد ساماں ذرہ ذرہ طور ہے
ہائے ری مجبوریاں زحمت کشانِ ہجر کی
غم ہی جی بھر کے ہمیں مل جائے کب مقدور ہے

نہ پوچھو مجھ سے اب میں نے متاعِ دل کہاں رکھدی
یہ میری چیز تھی میں نے جہاں چاہا وہاں رکھدی

کلام میں غضب کی نشتریت پائی جاتی ہے ۔ سادگی بیان اور اصلیت نے ادب، اور زندگی کو قریب تر کر دیا ہے ۔

زہیر عاقل شاہی

سید شاہ قلندر پیراں قادری المعروف بہ زہیر عاقل شاہی

سید شاہ قادر محی الدین قادری البغدادی کے فرزند تھے ۔ ان کے جدامجد سید محمد عاقل شاہ قادری البغدادی ، بغداد سے تشریف لائے تھے نواب حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کے پیر و مرشد تھے ۔ اکیس دیہاتوں کی جاگیر عنایت ہوئی تھی ۔ جس کی دستاویزات تانبے کی تختیوں کے روپ میں کندہ کی ہوئی ۔ اور کاغذات جس پر عربی رسم الخط میں ۔ "فتح حیدری" کی مہریں لگی ہوئی ہیں ۔ آج بھی اس خاندان میں موجود

---

۱ ۔ ان کے حالاتِ زندگی اور بعض بیش بہا تصانیف کے لئے ہم ان کے صاحبزادے جناب ضمیر عاقل شاہی کے رہین منت ہیں

ہیں۔ موگن پلی نامی گاؤں کے سوا ساری جاگیر ضبط ہو چکی ہے۔ اس گاؤں کی سالانہ آمدنی ۱۴۵۶ روپیہ ان کی اولاد میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ محرم، صندل شریف، عرس، روشنی وغیرہ کے لئے بھی سرکار کی جانب سے رقم دی جاتی ہے۔ پچیس سال پیشتر درگاہ کے فنڈ سے بارہ ہزار روپے لے کر حکومت نے ایک نقار خانہ تعمیر کیا تھا۔ جہاں سے آج بھی صبح و شام نوبت بجتی ہے۔

زہیر عاقل شاہی اس خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ چار سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو کر بیوہ ماں کی ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ گورنمنٹ ٹریننگ کالج حیدر سے سند لے کر کچھ مدت تک سرکاری مدرسے کے معلم رہے۔ پھر استعفا دیدیا۔ بچپن سے ہی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ یہ ایک بلند پایہ ادیب متشرع و متقی بزرگ تھے۔ تحریک خلافت کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ اس زمانے میں ان کی نظموں کی برجستگی اور تقریر کی جادو بیانی انہیں خاص و عام میں مقبول بنا دیا۔ ان کی تصانیف مذہبی رنگ کی ہیں۔ تبلیغ دین اور مواعظ حسنہ کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ عمر کے آخری حصہ تک جامع مسجد منڈیا میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ابتدا میں زہیر غزل گوئی کی طرف مائل تھے "گلبن زہیر" کے نام سے ایک غیر مطبوعہ ضخیم دیوان بطور یادگار چھوڑا ہے۔ جس میں کچھ نعتیہ کلام کے علاوہ باقی حصہ غزلوں سے بھرپور ہے۔

ان کے چھوٹے چھوٹے گلدستے۔ نظرت الاسلام، نسخ خلافت تصویر زرد، ماتم شہید وغیرہ طبع ہو کر ریاست بھر میں مقبول ہو چکے ہیں۔ مذہبی کتابیں رحمتہ للعالمین۔ مدارج البشر۔ منازل انسان

وصیت احمد مختار۔ برق ہدایت۔ تازیانہ عبرت وغیرہ شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کا خطبۂ صدارت یا پیغام عمل جو انجمن محافظ المسلمین جنوبی ہند کے اجلاس ہفتم منعقدہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۵ء میں بمقام گنبد شاہی سرینگپٹن میسور ہیں پڑھا گیا۔ جو ۵۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ یہ ان کے جوش اور خلوص اور اشاعت شرع محمدی کے ذوق و جذبہ کا آئینہ دار ہے۔ ان کی تصانیف کے آخری حصوں میں عموماً حمد و نعت، قومی اور اصلاحی نظمیں مندرج ہوتی ہیں۔

بطور نمونہ ان کی نثر نگاری کے چند سطور اور چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

"برادرانِ اسلام! آپ خوب جانتے ہیں کہ آج کل کوئی اسلامی جریدہ ایسا نہیں شائع ہو رہا ہے، جس میں ہماری پستی کا رونا رویا جاتا ہو اور ہماری ترقی اور بہبودی کے متعلق رائے زنی نہ ہوتی ہو۔ فلاح قوم و ترقی ابنائے اسلام پر مضمون آرائی ہمیشہ ہر روزانہ قوم و ملت کے حسن نگارش و خوبیٔ تحریر کی خوبصورت تمہید ہوا کرتی ہے۔ اور اسلامی دنیا میں خصوصاً ہندوستان کے طول و عرض میں قومی نوحوں کا سلسلہ ایک بے نتیجہ عادتی مشغلہ بن گیا ہے۔"[۱]

اشعار کی صورت میں آپ کی گہر افشانی ملاحظہ ہو

گر آج بھی پیدا ہو بجلی کی تڑپ دل میں — کل خرمن باطل پر ہم برق گرا دیں گے[۲]

۱۔ خطبہ صدارت پیغام عمل۔ صفحہ ۳۰ مصنفہ حضرت مولانا شاہ قلندر پیران قادری زبیر عاقل شاہی۔

۲۔ تازیانہ عبرت صفحہ ۳۱

بال و ظفر مندی پھر اپنے قدم چومیں | سر حکم خدا پر ہم گر اب بھی جھکا دیں گے
حید کی بجلی ہو باطل کی گھٹاؤں میں | تکبیر کے گرلے ہم توپوں پہ گرا دیں گے

وہ کھوئی ہوئی عظمت مل جائے زبیر اپنی
آپس کا تنازعہ ہم گر اب بھی مٹا دیں گے

حمد باری تعالیٰ از مدارج البشر صفحہ ۳۶

ہر شئی میں جلوہ گر ہے ہر ذرہ نیر افگر ہے | مظہر ترا بشر ہے ہر دل ہے طور تیرا
ک نور ہم نے دیکھا اس دل کے آئینہ میں | چھوڑی خودی تو پایا شرف حضور تیرا

ہے وصل کی تمنا تو مست معرفت ہو
مئے غم کی پی کہ ٹوٹے نفس غرور تیرا

ٹیپو سلطان کے عرس کے موقع پر یوں نغمہ سنج ہوتے ہیں

کیوں یہ حسرت کدہ قوم میں ہے جمع تمام | کیا مری رنگا پٹن سے ہے کوئی تازہ پیام
آہ کل تک تھی جو سنسان زمین گنجام | آج کیوں اسمیں چلے آئے ہیں کھینچ کھینچ کے انام

شاہ والا کی زیارت کا ارادہ ہوگا
اور مقصود بھی کچھ کھیل تماشا ہوگا

تھی تمنائے زیارت تو ہوا خوب آنا | قصر شاہی کے کھنڈیروں پہ ہٹاتے جانا
حیرت انگیز مناظر سے نہیں گھبرانا | دریا دولت کی بھی کچھ سیر سے دل بہلانا

لال باغ آؤ جہاں شیر دکن سوتا ہے
جس کی حسرت پہ فلک آٹھ پہر روتا ہے

آخری اشعار یہ ہیں

دعوتِ دینِ رسولِ عربی عام رہے | بندۂ حق نہ کوئی دہر میں ناکام رہے
تشنۂ منزل حق رہرو اسلام رہے | نیک آغاز کا پھر خوب سرانجام رہے

سرخرو قوم بنے ہے یہ تمنائے زبیر
لائے نصرت الٰہی ہمک طرۂ گلہائے زبیر

زہیر کے کلام میں اصلاح قوم و مذہب کا جذبہ جلوہ گر ہے انداز بیان میں دلکشی اور پختگی مترشح ہے۔

شاہ ابوالحسن ادیب

شاہ ابوالحسن ادیب ۱۸۹۶ء دسمبر کو شہر کولار میں پیدا ہوئے ان کے والد بدھن شریف آثم ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے ہی حاصل کی۔ پھر شیخ احمد اتفق صاحب سے فارسی پڑھی۔ اور میسور میں ایر سکنڈری اور مولوی کے امتحانات دئے۔ پھر لاہور یونیورسٹی سے منشی فاضل ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات میں امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ واپسی کے بعد ٹریننگ کالج میسور میں طلبا کو فارسی و عربی پڑھاتے رہے۔ ایک سال تک مہاراجہ کالج میسور کے طلباء کو اردو اور فارسی کی تعلیم دی۔

ان کی چھوٹی چھوٹی تصانیف دو سو سے زیادہ ہیں

ان کی ایک کتاب جواہر البلاغت صنائع و بدائع کے متعلق ہے۔ ہوشنامہ و پند نامۂ ادیب فارسی زبان کے منظومات ہیں۔ احتساب العقائد۔ یلغار موت۔ قاصد قیامت۔ خارزار محشر دغدغۂ دوزخ، گلزار جنت، نعم فردوس۔ لمحات زہد و حسن ارادت رنگ تغزل وغیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے متعدد منظومات مسلم پریس بنگلور سے شائع ہو چکے ہیں۔

غازی اعظم ان کی ایک اہم تصنیف ہے۔ جس کے حوالہ جات میں نے اور مصنف "میسور میں اردو" نے جابجا دئے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا نے ازراہ نوازش تیس شعرائے میسور کے

حالات قلمبند کرکے راقم الحروف کو ارسال فرمائے تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ نمونہ کلام

کچھ اس طرح وہ مہر درخشاں ہے آجکل ‏ ‏ ایک ایک ذرہ دیدۂ حیراں ہے آجکل
گمراہی خیال کی کچھ انتہا بھی ہے ‏ ‏ گھر بھی مری نظر میں بیاباں ہے آجکل
کیا کیجئے کہ کشمکش صبر و ضبط سے ‏ ‏ شیرازۂ خیال پریشاں ہے آجکل
شائستگی کے ہاتھ میں اللہ رے غضب ‏ ‏ خلق خدا کی موت کا ساماں ہے آجکل
کیا موسم بہار ہے ہر ایک بادہ خوار ‏ ‏ تھامے ہوئے بغل میں خمستاں ہے آجکل

اللہ رے انقلاب بایں علم و فضل ادیب
مسجد جمعہ و کا کل پیچاں ہے آجکل

مذکورہ غزل آل انڈیا مشاعرۂ بنگلور ۱۹۴۲ء میں پڑھی گئی

محمد یوسف نفیس

عمدۃ الشعراء کامل الفن نفیس مرحوم جلیل مانک پوری کے شاگرد تھے۔

ہندوستان کے تمام مشاہیر شعراء اطہر ہاپوڑی۔ ناطق گلاوٹھوی نوح ناروی۔ یگانہ چنگیزی۔ آرزو لکھنوی وغیرہ سے بھی داد سخن لی ہے۔ علم عروض پر کافی عبور تھا۔ میزان سخن۔ متروکات مشاہیر تصریحات ناطق۔ ادبی خطوط اور مجموعۂ کلام ان کے اونچے درجے کی تصانیف ہیں۔ اور ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا کلام ہندوستان کے مختلف معیاری رسالوں میں شائع ہوتا تھا۔ ان کی موت ادب اردو کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے

نمونہ کلام

جمع ہو سکتے نہیں پھر اتنے مشتاق جمال — آج اے پردہ نشیں پردہ سر محشر اٹھے

جلوہ اور ایک بت ہوشربا کا جلوہ — کس طرح بس میں کوئی اپنی طبیعت رکھے

رونشا سی کسی صورت نہ پسند آئی نفیس — عیب کیا ہم نے ہنر کو بھی چھپانا چاہا

یہ وضع کے خلاف ہے یہ شان کے خلاف — اے دل نہ بزم ناز میں تو بے بلائے جا

کب سنوارے جائیں گے گیسو ترے — کب مری آشفتہ حالی جائے گی

تجھے امید کرم کیا کوئی ناشاد کرے — دل ہے پتھر کا تو لوہے کا کلیجا تیرا

ارض حرم میں سنتے ہیں قلت ہے آب کی — ساقی وہاں بھی نہر بہا دے شراب کی

سوختہ جانوں کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں میں لوگ
سرمۂ اہل نظر ہے طور جل جانے کے بعد

پروردۂ بہار ہیں دونوں مگر نصیب
کانٹا ہے پھول پھول ہے کانٹا لئے ہوئے

جہاں اس نے قدم رکھا ہوئے تعمیر بتخانے
پڑی بنیاد کعبہ کی جہاں میں نے جبیں رکھ دی

رازِ میخانہ کیا بتاؤں نفیس — بے خبر ہو کے باخبر نکلا

ان بلبلوں کے حال پہ ہر گل ہے سینہ چاک
ہو کر اسیر دام جو سوئے قفس گئے

تنکے تنکے پر نظر رہے برق کی — آشیاں کیونکر بنایا جائے گا

نہ جو بات کوئی اعتبار کے قابل — ہماری بات کا پھر اعتبار کون کرے

عقیلہ بیگم

عقیلہ بیگم تخلص عقیلہ ظہیر الدین مکی کی دختر اور محمود شریف سابق وزیر صحت کی بیوی تھیں ۔

۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئیں ۔ ان کے جد اعلیٰ اکبر کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے ۔ لندن مشن گرلس سکول سے میٹرک پاس کیا ۔ کئی زمانہ تک انجمنوں کی بانی صدر یا رکن تھیں ۔ ان کی زندگی کا مقصد عورتوں میں بیداری پیدا کرنا اور انہیں علم و اخلاق کے زیور سے مزین کرنا تھا ۔ خود بھی اوصاف پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ کا بہترین نمونہ تھیں تحریر و تقریر میں بے مثال اور علم و فضل میں فخر زمانہ تھیں ۔ عقیلہ پہلی مسلمان خاتون تھیں جو میسور ریپریزنٹیٹو اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں ۔ راقمۃ الحروف سے ان کی محبت شیفتگی کے درجہ تک پہنچی تھی ۔ ہر علمی مجلس میں ہم دونوں مل کر جاتے ۔ اور کوئی کام ایک دوسرے کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے

اردو اور فارسی زبان و ادب سے انہیں والہانہ الفت تھی ۔ اردو میں شعر بھی کہتی تھیں ۔ ان کا ایک قلمی دیوان بھی ہے ۔ درد اور تڑپ ان کے اشعار کی نمایاں خصوصیات ہیں ۔ اپنے دیوان کے دیباچے میں رقم طراز ہیں ۔

یہ حقیر تصنیف جو ایک دل دردمند و محبت شعار کے خون کے آنسو اور جگر کی کاوشوں کی آئینہ دار ہے ۔ میں اپنے عزیز و شفیق قبلہ گاہ جناب ابی معظم و مکرم مرحوم و مغفور جناب محمد ظہیر الدین مکی صاحب بی ۔ اے ۔ سابق ڈائرکٹر صنعت و حرفت ریاست میسور بنگلور کے نام نامی پر معنون کرتی ہوں جو مذہب اسلام کے شیدائی ۔ قوم کے فدائی اور تعلیم و حقوق نسوان کے زبردست حامی تھے ۔ ان کے فیضان تعلیم و تربیت نے خاکسار

کو اس قابل بنا دیا کہ نذر حقیر اپنی عزیز قوم کی خدمت میں پیش کر سکے لیکن۔ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

ان کے اشعار کی پاکیزگی، بلند نظری اور اصلاحی رنگ ملاحظہ ہو۔

توحید کی دختر ہوں تو حب رب پہ ایماں ہے
وہ قادر بے ہمتا خود میرا نگہباں ہے

شرف انسانیت مٹانے میں آپ اپنا جواب ہیں ہم لوگ

سینما کیا؟ ادارہ بے حیائی کا خسارہ کر دیا اخلاق کا ملکی جوانوں کے

داد حق۔ عقل سلیم و ہم ادب شد عقیلہ نام من از فضل رب

نہ تھیں ناکامیاں میری مگر زینہ ترقی کا
ہے اکثر تفوق سنجاب اطراف سیہ بادل

ہمسایہ خواتین ہیں رگرم تگ و تاز اے خواہر مسلم تو ہے آئینہ بدیوار

دختر اسلام کو بڑے جوش سے راہ عمل پر گامزن کرنا چاہتی ہیں

اٹھ دختر اسلام یہ چپ کام نہ دے گی اللہ کا لے نام یہ چپ کام نہ دیگی
تم پائے شتر باندھ کے اللہ کو سونپو شارع کہے ہیں احکام یہ چپ کام نہ دیگی

عاجز یہ سدا ظلم ہے دنیا کا ہے شیوہ — کچھ کرکے دکھا کام یہ چپ کام نہ دیگی
اسلام کے احکام و نواہی کے موافق — اٹھے ترا ہر گام یہ چپ کام نہ دیگی
خود ہوش نہیں اپنا تجھے وائے تغافل
پھر غیر کو الزام یہ چپ کام نہ دیگی

سناتا ہے واعظ حکایاتِ ماضی — مگر آج کیا حالت مسلمین ہے

اپنا کردار ہوئے اسلامی — نہ کہ شہری بربری و شامی

عقیلہ مرحومہ مدت العمر ترقی اور اصلاح نسوان کے کاموں میں منہمک رہیں۔ فن تقریر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی علمی مجلسوں میں شریک ہوتیں اور تقریر کے لئے درخواست کی جاتی تو ہمیشہ اور ہر حالت میں فوراً قبول فرماتیں۔ آخر دم تک خواتین کی فلاح و بہبودی کی تدابیر سوچتیں اور انہیں بروئے کار لانے پر کمربستہ ہو جاتیں

محمد سلیمان پرواز محمد سلیمان متخلص پرواز بنگلور کے متوطن اور عبدالکریم کے فرزند تھے۔ انہوں نے اس زمانے میں بی۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ جب بنگلور کے مسلمانوں میں انگریزی دانوں کا قحط تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے باوجود انہوں نے ملازمت نہیں کی اور کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ قلندر خاں عطا اور محمود دہلی سے اصلاح لیتے رہے۔ حضرت سیماب اکبرآبادی سے

بھی شرف تلمذ حاصل تھا. انہوں نے ۱۹۲۶ء میں ستارۂ میسور کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار بھی جاری کیا تھا. تادم زیست علمی ادبی سرگرمیوں میں سرگرم حصہ لیتے رہے. ۱۹۵۵ء میں انتقال فرمایا. نمونہ کلام

دکھلائے کیوں نہ رنگ قناعت رسول کی
مومن کو نام حق سے ہے دولت رسول کی

سالم نہ کیوں رہے دلِ پرواز خاک میں
دل میں بھری ہے اس کے محبت رسول کی

محمد جعفر شریف خاکی

محمد جعفر شریف خاکی ٹیٹور کے رہنے والے اور نجوی لکھنوی کے شاگرد تھے. مدرسۂ چلناٹگن ہلی علاقۂ میسور میں صدر مدرس کی خدمات پر مامور رہے. شعر و سخن سے انہیں فطری لگاؤ تھا. ان کے بہنوئی بدرالدین سرکار کے مذاق سخن کے زیر اثر ان کی فطری صلاحیتوں میں چار چاند لگ گئے. اکثر رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا تھا. جو شستہ بیانی صفائی اور اثر میں لاجواب ہوتا تھا. خیالات کی بلند پروازی اور تصوف کی چاشنی نے ان کے کلام کو فردوس نظر بنا دیا ہے. نمونۂ کلام

ذرا حسن کریمی کو ابھی پردے میں رہنے دو
کہ عذر عشق کر کے ہر کوئی سائل نہ بنجائے

دیدۂ انتظار میں برق جمال بھر کے آ
عہد کہن کا ذکر کیا شاہد حال بنکے آ

جو ہر شوق جو ہمدوشِ عمل ہو جائے
طبع خاموش کو ہم توسن جولاں کردیں

داغ ہائے دل پرسوز سے اپنے خاکی
بزم کو مطلع خورشید درخشاں کردیں

عبدالقدوس خلدی

۱۸۹۹ء تاریخ پیدائش ہے۔ ان کے آباد اجداد حیدر علی خاں کے زمانہ میں میسور آکر فوجی عہدوں پر فائز رہے۔ مولوی کامیاب ہیں۔ ہرا کے مڈل سکول میں مدرس تھے۔ محوی سے اصلاح سخن لیتے رہے۔ میسور کے متعدد رسالوں میں ان کی نظمیں اور افسانے شائع ہوتے تھے۔ کلام سے ان کی بلندخیالی سوزش دل اور علو ہمتی آشکار ہیں۔ نمونہ کلام

زندگی کیا ہے حسرت کا شکستہ ساز ہے — تیرے ہر تار نفس میں آہ کی آواز ہے
روح کی گہرائیوں میں ڈال تو گہری نظر — بے خبر تیری حقیقت کا اسی میں راز ہے

خنجر سعی سے کر پردۂ ظلمات کو چاک — ایک کیا سیکڑوں ہوں چشمہ حیواں پیدا
شورش یاس سے غمگین ہے کیوں اے خلدی — دیکھ ہونے کو ہے پھر رحمت یزداں پیدا

محمود خاں محمود مارشن

محمود ۲۱ رجون ۱۸۸۸ء میں بمقام سکندرآباد پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان جالنہ (دکن) کے پٹھان خاندانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے پر دادا فتح خاں ویلور میں مقیم تھے۔ ان کے دادا عبداللہ خاں وہیں پیدا ہوئے اور بڑے ہوکر دوم مدراسی رسالے میں ملازم ہوئے۔ ان کے والد صفدر خاں بھی ویلور میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اس رسالے میں بطور سپاہی ملازم ہوئے۔ اور ترقی کرکے صوبیدار بنے۔ یہ رسالہ جب سکندرآباد میں مقیم تھا تو محمود پیدا ہوئے۔ ان کے نانا کے خاندان کا شمار سرینگپٹن کے ذی عزت خاندانوں میں ہوتا تھا بسقوط سرینگپٹن کہا جہ

یہ خاندان یہاں سے جلا وطن ہو کر ویلور پہنچا جہاں ان کی والدہ پیدا ہوئیں ۱۸۹۶ء میں ان کے والد نے پنشن پانے کے بعد بنگلور میں سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت محمود کی عمر سات سال کی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے لئے ان کو حافظ سید محمود صاحب مالک مطبع فردوسی بنگلور کے پاس بھیجا گیا۔ یہ ان کو عربی پڑھاتے تھے۔ اردو فارسی کی تعلیم انہوں نے شہاب الدین سلیم دہلوی اور قادر شریف صاحب ہمر بنگلوری سے حاصل کی۔ ایک دو سال بعد مدرسۂ اسلامیہ بنگلور میں سید غوث صاحب سبزواری کے پاس انگریزی پڑھنی شروع کی۔ اس وقت اس مدرسہ کے صدر مدرس مولوی عبداللہ حسین صاحب خلیلی تھے جو فارسی کے جید عالم تھے اس کے ایک سال بعد محمود سینٹ جوسف کالج میں داخل ہوئے اور اردو و فارسی کی تعلیم عبدالوہاب صاحب ملی سے حاصل کرتے رہے۔ محمود صاحب اپنے حالاتِ زندگی کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

" حضرت عبدالوہاب صاحب ملی اخبار وطن لاہور میں مضامین لکھتے رہے۔ پھر بیدمرزا دہلوی کی کرزن گزٹ اور مدراس کا اخبار آفتاب دکن آتے تھے۔ حضرت حافظ سید محمود صاحب وکیل امرتسر اور پنج بہادر بمبئی منگواتے تھے۔ یہ تمام اخبارات میری نظر سے گذرتے رہتے تھے۔ حضرت عبدالوہاب صاحب ملی کے مضامین دیکھ کر مجھے بھی شوق پیدا ہوا کہ مضامین لکھوں۔ میں نے ایک مضمون لکھ کر "وطن" لاہور کو بھیجا اور ایک کرزن گزٹ دہلی کو۔ دونوں مضامین اخبارات میں شائع ہو گئے۔ اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ یہ ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے۔

اسی زمانہ میں بنگلور میں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ان میں دفتر نگارستان خیال میں جو مشاعرے ہوتے تھے۔ ان میں

بنگلور کے قریب قریب تمام شاعروں کے علاوہ باہر کے شعراء بھی شریک ہوتے تھے۔ نگارستانِ خیال۔ شعر و شاعری سے متعلق ایک ماہانہ رسالہ تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت بنگلور میں قاسم الاخبار سلطان الاخبار اور ایڈورڈ گزٹ بھی شائع ہوتے تھے۔ ان سب میں شاعروں کا کلام ہوتا تھا۔ اگرچہ میں نے شاعری کے متعلق کتابیں نہیں پڑھی تھیں مگر غزل لکھنے کا شوق ہوا۔ ڈرتے ڈرتے ایک غزل لکھ کر "آفتاب دکن" مدراس کو بھیجی۔ دوسرے ہفتہ میں یہ غزل شائع ہوگئی۔ میری خوشی اور ہمت بڑھ گئی۔ ایک اور غزل لکھ کر ایک مشاعرے میں پڑھی۔ اس کے بہت سے اشعار پسند کئے گئے۔ اس کے بعد غزل نویسی جو شروع ہوی تو حد نہ رہی۔ میرے والد نے غزل گوئی سے منع بھی کیا مگر چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوی۔ کے مصداق میں نے شاعری نہیں چھوڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کالج کے امتحان میں ناکام ہونے کے بعد میں نے کالج چھوڑ دیا۔ گھر کے حالات کچھ ایسے ہوگئے تھے کہ ملازمت کی تلاش ہوی۔ دو تین جگہ سرکاری ملازمتیں ملیں مگر طبیعت کی افتاد نے مستقل طور پر کہیں رہنے نہ دیا

۱۹۱۱ء میں جب قاسم الاخبار کے دفتر میں اڈیٹر کی جگہ خالی ہوی تو میں نے یہاں درخواست دی جو منظور ہوگئی۔ میں نے سمجھا کہ تخت سلیمان مل گیا۔ اخبار میں دل لگا کر کام کرتا تھا۔ لہٰذا اخبار میں خوب ترقی ہوی۔ اتفاق سے جنگ طرابلس اور بعد میں بلقان کی جنگ چھڑ گئی۔ میں نے انگریزوں کے خلاف لکھنا شروع کردیا دو تین نظمیں بھی اسی سلسلہ میں لکھیں۔ حسکر بنگلور میں انگریزی رزیڈنٹ کی حکومت تھی۔ مالکانِ اخبار کو لکھا گیا کہ اڈیٹر کو علحدہ کر دیا جائے۔ اگرچہ برائے نام میں اخبار سے علحدہ ہوگیا۔ مگر برابر اخبار کا کام کرتا رہا

اور پھر ایک نظم ہیں ہیں صاحب بنگلور کے نام سے شائع ہوی کہ سی۔ آئی۔ ڈی نے
پتہ لگا لیا کہ یہ نظم میری ہے۔ اس پر کلکٹر کی طرف سے مجھے شہر بدر کرنے کی
دھمکی دی گئی اور اخبار بند کر دیا گیا۔ میں دل برداشتہ ہوکر اننت پور چلا
گیا۔ یہاں سونے کی کانوں میں ملازمت مل گئی۔ میں یہاں سے بھی اخبارو
کو مضامین بھیجتا رہا۔ اور جب بنگلور سے "ہلال" نکلا تو ہر ہفتہ میرے
مضامین اس میں ہوتے تھے۔ اس مضمون نویسی نے شاعری اور خصوصاً
غزل گوئی کے شوق کو کم کر دیا۔ "ہلال" جب بند ہوا تو میں نے زمیندار اور
انقلاب میں تاریخی مضامین لکھنا شروع کیا جو زیادہ تر تاریخ میسور پر
ہوتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں حضرت علامہ اقبال سے ملاقات ہوی۔
خلیفہ محمد حسین بھی ساتھ تھے۔ میں نے علامہ اقبال کو ٹیپو سلطان پر لکھا
ہوا مقالہ دکھایا۔ اس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اخبارات میں مضامیں
نہ لکھوں۔ ان سے ہنگامی اور سستی شہرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا
اگر کتابیں خصوصاً تاریخ جس کا شوق ہے لکھوں تو دوامی شہرت
حاصل ہو سکتی ہے۔ میں نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ تاریخ سلطنت
خداداد پر مواد جمع کرنا اور لکھنا شروع کر دیا۔ یہ کتاب تقریباً آدھی لکھی
گئی تھی کہ ظفر علی خاں صاحب بنگلور تشریف لائے۔ انہوں نے
مسودہ دیکھا اور ساتھ لے جاکر زمیندار میں بالاقساط شائع کرنا شروع
کیا۔ یہ صرف نواب حیدر علی خاں کے حالات تھے۔ سلطان شہید کے
حالات بعد میں لکھے گئے اور کتاب شائع کرنے کے خیال سے یہ اخبار
کو بھیجے نہیں گئے۔ آخر کتاب مکمل ہو گئی۔ ۱۹۳۵ء میں پہلا اڈیشن
شائع ہوا۔ انقلاب۔ مدینہ۔ زمیندار۔ عصر جدید اور معارف وغیرہ
میں شاندار ریویو نکلے تو بعض حلقوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اس کے
بعد اس کتاب کے متعدد اڈیشن اضافوں کے ساتھ شائع ہوتے رہے

جس وقت میں سلطنت خداداد کے حالات کی تحقیق کے لیے کتابیں دیکھ رہا تھا تو انہیں کتابوں میں جنوبی ہند کی تاریخ کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوئیں جو میں علٰحدہ لکھتا گیا۔ اور بعد "تاریخ جنوبی ہند" کے نام سے ایک مستقل کتاب شائع کی۔ اس کتاب کو بھی خدائے پاک نے حد درجہ مقبولیت عطا کی۔ مدراس و میسور میں مشرقی امتحانوں کے نصاب میں داخل ہوئی۔ اور یو۔پی کی اس وقت کی کانگریس حکومت نے تین سو جلدیں کتب خانوں کے لئے خریدیں۔ چونکہ ہندوستان بھر میں یہ کتابیں پسند کی گئیں۔ اور ہر اخبار اور ہر رسالہ میں اس پر تبصرے ہوئے۔ مضامین نکلے۔ اور ریڈیو دہلی اور لاہور پر بھی ان پر تقریریں ہوئیں۔ ان سے میری ہمت اور شوق بڑھ گیا۔ اور میں نے ان دو کتابوں کے بعد "صحیفۂ ٹیپو سلطان"۔ "ہندوستان کی فیصلہ کن جنگیں" اور کتاب "تاج" لکھی۔ جس کا دیباچہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا۔ ٹیپو سلطان کے متعلق دو کتابیں یعنی "تاریخ سلطنت خداداد" اور "صحیفۂ ٹیپو سلطان" شائع کرنے کے بعد بھی میں نے سلطان کے متعلق تحقیقات جاری رکھیں اور ان جدید تحقیقات کو میں نے کتاب "ٹیپو" میں جمع کر دیں۔ اور یہ کتاب لاہور بھیجی گئی۔ یہ ابھی شائع نہیں ہوئی۔ ہاں میں اوپر یہ لکھنا بھول گیا کہ ۱۹۳۶ء میں میں نے کوثر نامی ایک علمی رسالہ جاری کیا تھا جو ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔ یہ رسالہ اگرچہ تاریخی و علمی مضامین کی وجہ سے حد درجہ مقبول ہوا۔ مگر آمدنی سے اخراجات بڑھ گئے تھے جس کی وجہ سے اس کی اشاعت جاری نہ رہ سکی تھی۔

میں اپنے پورے حالات لکھ رہا ہوں۔ اس نصف صدی کی علمی جد و جہد کی وجہ سے اگرچہ میرا نام پورے ہندوستان اور

بیرونِ ہندوستان میں مشہور ہے۔ لیکن ان کتابوں سے میں کوئی
مالی فائدہ اٹھا نہ سکا۔ پبلشروں نے شاید اٹھایا ہو تو ہو۔ اس لئے
میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اردو میں کتابیں لکھنے والے مالی معاوضہ
سے بے نیاز ہو کر کتابیں لکھیں۔"

مذکورۂ بالا نوازش نامہ محمود خاں صاحب راقمۃ الحروف
کی اس درخواست پر کہ وہ اپنے حالات لکھ کر بھیجیں۔ روانہ فرمایا تھا
اس سے ان کی اردو زبان کی خدمات اور تصانیف پر روشنی پڑتی ہے
ان کی نثر نگاری کا نمونہ بھی مل جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ
بجائے ان کی تصانیف سے اقتباسات دینے کے اس خط کا بیشتر حصہ
بجنسہ شائع کر دیا جائے۔ الغرض محمود وہ مایۂ ناز ہستی تھی جس پر
ریاست میسور بجا طور پر ناز کر سکتی تھی۔ انہوں نے ساری عمر زبان
اور ملک کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ محمود اس زمانہ کی نمایاں
نثری ہستی تھی۔

مرزا نذیر حسین نذیر

مرزا نذیر حسین المتخلص نذیر کی ولادت
۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ نذیر بنگلور کے کہنہ
مشق شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد مرزا طالب علی
طالب مرحوم سے اردو اور فارسی کی تحصیل کی۔ انگریزی تعلیم میٹرک تک
پائی۔ میسور گورنمنٹ میں سکریٹریٹ کی ملازمت سے ۱۹۵۱ء میں وظیفہ
یاب ہوئے۔ بچپن ہی سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل رہی۔
فصاحت جنگ حضرت جلیل مانکپوری سے تلمذ رکھتے تھے۔ ہر
صنفِ سخن میں انہوں نے کامیاب طبع آزمائی کی ہے۔ جو چیز ان
کی باقیات الصالحات میں شمار ہو گی۔ وہ "اسرارِ خودی" "رموزِ بیخودی"

اور "ارمغان حجاز" کا اردو منظوم ترجمہ ہے۔ موصوف نے اقبال کے خیالات کے بحر بیکراں میں غوطہ لگا کر ان کی بلندی خیال کی انہیں بحروں میں ترجمانی کی ہے۔

تصویر بنانے جب بیٹھا انگڑائی کا عالم یاد آیا
مانی نے تلاشِ مرکز میں پرکار کے ٹکڑے کر ڈالے
دعدہ جو کیا تھا آنے کا دم بھر کو وہ آکر چل بھی دیے
اس برق ادا نے بجلی کی رفتار کے ٹکڑے کر ڈالے

دلِ دیوانہ کو کچھ آچلا ہے ہوش سا یارب
قدم ہونے لگے شل دور منزل ہوتی جاتی ہے

راہ شب چوں مہر عالمتاب زد	چادر شب مہر نے جب تان لی
گریۂ من بر رخ گل آب زد	میرے گریہ سے ہوئی بے کل کلی
اشک من از چشم نرگس خواب شست	چشم نرگس سے ہوا مفرور خواب
سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رست	سبزے نے انگڑائی لی با اضطراب
باغباں زور کلامم آزمود	باغباں نے دیکھی گرمیٔ کلام
مصرعے کارید و شمشیرے درود	شاخ مصرع تھی کہ تا بند حسام

ان کی وفات ۱۹۶۰ء میں ہوئی

سلیم علوی

حکیم محمد شرف الدین سلیم ولد حکیم عبدالحلی ۱۹۰۵ء میں بنگارپیٹ ریاست میسور میں پیدا ہوئے۔ شعر و سخن سے فطری ذوق و شوق رکھتے تھے۔ ابتداءً غزل گوئی سے دلچسپی لیتے رہے۔ پھر نعت گوئی کو اپنا خاص

موضوع شاعری بنالیا۔ جگر بسوانی کے شاگرد ہیں۔ محوی لکھنوی سے بھی اصلاح سخن لیتے رہے۔ ان کا ایک ضخیم مجموعۂ نعت "ریاض ہاشمی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ میرے پیش نظر اس وقت اس کا چوتھا ایڈیشن ہے جو ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔ مولانا الیاس برنی۔ حبیب آبادی اور علامہ محوی نے تقاریظ و تبصرے لکھے ہیں۔ نمونہ کلام

آیا ہے پیش گاہ سے حق کی حبیب حق — پورا نمونہ بن کے الف لام میم کا
احمد ہی دیں گے احمد بے میم کا پتہ — حادث ہی سے ملے گا ٹھکانا قدیم کا

رحم آجائے گا مجھ پر داور محشر کو بھی — رنگ لائینگے گنہ بھی میرے شرمانے کے بعد
بادۂ توحید کا چسکا بھی کیا چسکا سلیم — روز پی لیتا ہوں تھوڑی شام کے کھانے کے بعد

اللہ کے محبوب کا روضہ نظر آیا — اے دیدۂ عرفاں مجھے کعبہ نظر آیا
یہ راز بھی کیا راز ہے ہر طاق حرم پر — ساغر نظر آیا مجھے مینا نظر آیا

الفت

محمد علی تخلص الفت متوطن بیور۔ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کا کلام زیادہ تر نعت اور نظموں پر مشتمل ہے۔ ان کی ایک نعت میں نے سلیم تمنائی صاحب کی بیاض سے لی ہے۔

رشک گلزار جناں کہتے ہیں چہرہ تیرا — دل رضواں ہے بنا بلبل شیدا تیرا
میم احمد میں یقیں عین عرب میں کیا ہے — روئے رمز احد و رب ہے پردا تیرا
شان تیری ہے رفعنا لک ذکرک احمد — کیوں فلک پر نہ ملائک میں ہو چرچا تیرا
حسرت سبز میں گل لالہ کا داغی ہے جگر — ماہ کے قلب میں ہے داغ تمنا تیرا

کیوں دمِ نزع نہ لیں نام بہ الفت تیرا
مرہمِ زخمِ معاصی تو ہے کلمہ تیرا

گردش

حسن خاں. تخلص گردش میسور یونیورسٹی میں اردو کے لکچرر تھے۔ لاہور سے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے تھے۔ اکثر مشاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ ان کے زمانے میں کافی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲ ر نومبر ۱۹۵۴ء میں ہوا۔ ان کے انتقال پر کئی تعزیتی جلسے منعقد کئے گئے تھے۔

نمونۂ کلام

دنیا کی محبت جس کو نہ ہو دنیا کا اسے غم کیا ہوگا
ان دنیاداروں کے آگے سر اس کا یہاں خم کیا ہوگا

آتا ہے مہینہ جو ہمدم کٹتا ہے وہ روتے ہی روتے
بس آلِ نبی کے ماتم کو اک ماہِ محرم کیا ہوگا

جب تک کہ جیا اسطرح جیا گویا کہ جہاں میں تھا ہی نہیں
اک شاعر بیکس مرجائے تو دہر میں ماتم کیا ہوگا

یہ اس کی تواضع مئے سے کرے وہ اسکی تواضع مئے سے کرے
بس اسکے سوا جب میکش دو مل جائیں جو باہم کیا ہوگا

جو کام کیا اور جب بھی کیا واللہ علی الاعلان کیا
میں مرد ہوں گردش کام مرا اس دہر میں مبہم کیا ہوگا

مائل

محمد اسمعیل خاں متخلص مائل بنگلور کے متوطن اور محوی لکھنوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ نظم اور غزل دونوں پر

قلم رواں دواں تھا۔ ان کا کلام مشاعروں میں بڑے شوق سے سنا جاتا تھا۔ مقامی رسائل میں بھی شائع ہوتا تھا۔

نمونۂ کلام

دنیا میں حسن و عشق کا افسانہ بنکے جی — جینے کی آرزو ہے تو دیوانہ بنکے جی
راز خودی یہی ہے کہ جب تک ہے زندگی — اس بزم کائنات میں بیگانہ بنکے جی
کب تک رہیگا کشمکش موت و زیست میں — دونوں کے رنج و فکر سے بیگانہ بنکے جی
دنیا کی گردشوں سے ہو حاصل تجھے نجات — ساقی کے دست ناز میں پیمانہ بنکے جی
گر کر نگاہ سے نہیں جینے میں آبرو — ہر ایک کی نگاہ میں دردانہ بنکے جی
گر چاہتا ہے زیست ہو پر کیف و لطف خیز — صہبائے عشق دوست سے مستانہ بنکے جی

مائل ہے گر حیات دوامی کی آرزو
تو اس کے شمع حسن کا پروانہ بنکے جی

محمد عبد الرحمن برق

محمد جعفر کے فرزند تھے ۔ میسور کے متوطن اور برق تخلص کرتے تھے

اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ دکنی زبان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اکثر مشاعروں میں شامل ہوتے اور خود اپنے گھر میں مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ جہاں منتخب شعرا جمع ہو کر اپنا کلام سناتے تھے۔ "ذکائے برق" کے نام سے اپنا دیوان مرتب کیا ہے۔ ان کا انتقال ۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کو ہوا۔ نمونہ کلام

ہیں برقرار گردشیں لیل و نہار کی — اور بخششیں بھی ہیں وہی پروردگار کی
باقی نہ عندلیب میں جذب نہاں رہا — قائم بہار ہے وہی ہر گلعذار کی
دل ہی رہا نہ ذوق کلیمی کا آشنا — باقی نہ آرزو ارنی کی پکار کی

تبصرہ

بیسویں صدی کے شعراء و ادبا کا ذکر گو کہ خالی از دلچسپی نہیں۔ لیکن اس کی تفصیلی بحث کے لئے ایک مقالے کی دست درکار ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض خادمان ادب نے اس موضوع پر کتابیں لکھنی شروع کردی ہیں۔ اس کے لئے مواد کی فراہمی بھی دشوار نہیں ہے۔ ان میں چند کے سوا سب اپنے ادبی و علمی کارناموں سے مجلسوں اور محفلوں کو نوازتے رہے ہیں۔ ریاست اور بیرون ریاست کے اخباروں اور رسالوں میں ان کے مضامین نظم و نثر شائع ہوتے رہے ہیں۔ اپنے مقالے کی تنگیٔ دامانی کے پیش نظر میں نے ان تمام کا ذکر اس جلد میں نہیں کیا ہے۔ البتہ ان کا تفصیلی ذکر اس کتاب کی دوسری جلد میں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ان خادمان ادب کا ذکر بھی پیش ہوتا جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اردو کی خدمت کی ہے۔ میں یہاں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کروں گی۔ کہ ریاست میسور کے اخبارات و رسائل کا معیار کسی طرح دہلی یا لکھنو کے معیاری رسالوں سے کم نہیں ہے۔ میسور کی اس دور دراز سرزمین میں خادمان ادب کے ہاتھ اردو زبان کا علم تھامے ہوئے ہیں۔ اور شبانہ روز حتی المقدور اس کی خدمت میں منہمک ہیں۔

میسور میں اردو صحافت

اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں اخبارات و رسائل کا بڑا دخل ہے۔ اخبارات کا اجراء اور ان کی زندگی صرف اسی وقت ممکن ہے۔ جب کہ ملک میں ان کی مانگ اور قدر دانی کا جذبہ موجود ہو۔ میسور میں دہلی اور لکھنؤ کے دوش بدوش اردو زبان کے مطابع کے قیام اور اخبارات و رسائل کے اجراء میں سرگرم عمل رہا۔ مطبع فردوسی ۱۸۴۵ء میں بنگلور میں قائم ہوا۔ ۱۸۶۰ء میں اردو کا پہلا اخبار "قاسم الاخبار" اسی شہر کے افق صحافت پر نمودار ہوا۔ اہل ذوق و ارباب قلم کا خلوص اور اردو زبان کی خدمت کا ذوق گوشہ گوشہ میں اردو ادب کی اشاعت کا موجب ثابت ہوئے۔ اس کے بعد سے انیسویں صدی کے آخر تک کا زمانہ میسور کی صحافت نگاری میں نہایت اہم ہے کہ اس زمانے میں متعدد اخبارات و رسائل شائع ہوتے اور شوق کے ہاتھوں لئے جاتے تھے۔ ان اخبارات و رسائل کی متعدد جلدیں انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ یہ وہ ذخیرے ہیں جن کو بیس بائیس سال پہلے بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے دورۂ میسور کے زمانہ میں یہاں کے خادمانِ ادب نے پیش کئے تھے۔

اردو کا پہلا اخبار

قاسم الاخبار

یہ ہفت روزہ اخبار بڑی تقطیع
کے آٹھ صفحات پر شائع ہوا کرتا تھا
ہر صفحہ میں تین کالم ہوا کرتے تھے اور
ہر کالم میں تیس کے قریب سطریں ہوتی تھیں۔ اردو رسائل و
اخبارات سے مفید اور علمی مضامین نقل کئے جاتے تھے۔ ایک
اداریہ ہوتا تھا نیز نامہ نگاروں کے مضامین اور خطوط بھی درج
ہوتے تھے۔ اور مختصر خبریں ہند اور یورپ کی انگریزی
اخبارات سے ترجمہ کر کے شائع کی جاتی تھیں۔ میں نے اس کی
متعدد جلدیں انجمن ترقی اردو علیگڈھ کے کتب خانہ میں
دیکھی ہیں۔

قاسم الاخبار جلد ۱۲ نمبر ۱ ۱۸۷۲ء کی ابتدا میں
لکھا ہے۔

اخبار بھی آئینہ خورشید نما ہے — دیکھو تو کہیں جام جہاں بیں سے سوا ہے
روح ازلی جوہر اسے کہنا بجا ہے — ثبت اس میں ہے سب حال ہر اک راز کھلا ہے

قاسم الاخبار جلد ۱۲ نمبر ۲ ۱۸۷۲ء ۱۵ مارچ میں ایک
غزل متضمن اخبار کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

زمین شعر سے غش کھائے آسمان ہلال
ہے وصف چین جبیں غیرت بیان ہلال
اشارے ہوتے ہیں انگلی کے جس طرف میں چلوں
کہ نام غم سے ہے گردش میں آسمان ہلال

قاسم الاخبار جلد ۱۵ نمبر ۱ مطبوعہ ۸ فروری ۱۸۷۵ء
(مطابق یکم ماہ محرم ۱۲۹۲ھ بمقام بنگلور) ملاحظہ ہو۔ اس کے
پہلے صفحہ پر اشتہارات۔ ۲۔۳۔۴ پر خبریں۔ صفحہ ۵ پر چیدہ چیدہ

رین اور چھٹویں صفحہ پر لطائف و ظرائف لکھے ہوئے ہیں۔

قاسم الاخبار جلد ۱۵ مطبوعہ مارچ ۱۸۷۵ء طالب کی

غزل سب سے اہم ہے۔ جس کے دو ابیات یہ ہیں۔

خواب میں گر صورت جاناں نظر آجائے گی

نیند آنکھوں میں قیامت تک میری آئے گی

یین فصل گل میں ساقی دردتک خم میں نہیں

حیف یہ فصل بہاری اور تری بے مائگی

قاسم الاخبار جلد ۱۵ مطبوعہ ۱۵ مارچ ۱۸۷۵ء میں بھی

طالب کی نظم اہم ترین ہے جس کا مطلع ہے

جب تصور جانب دورخط شبگوں ہوا

خاطر ناشاد اپنا اور بھی محزون ہوا

قاسم الاخبار بنگلور ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء نمبر ۲۹ جلد ۴۰ کی

عبارت کا نمونہ یہ ہے

"مسٹر کے۔ شیشادری ایر صاحب، کے۔ سی۔ ایس۔ ای۔

گذشتہ اول ہفتہ کے روز اپنے دورہ سے واپس تشریف فرما

ہوئے۔ وہ اپنے دورہ میں بیرور شیموگہ۔ ریلوے اور تالاب

ماریکناوی کے کام کو ملاحظہ فرمایا اور خاص کر اس تالاب کے کام

میں ترقی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ یہ ان کے عہدِ دیوانی

کے اہم کاموں میں سے ایک سب سے بڑا کام ہے اور وہ کوئی ۱۸

سال پچھے اپنے دیوان ہونے کے عہد سے اس میں دل چسپی لے رہے

ہیں"۔ اس کے علاوہ ۲۸ اگست ۱۸۹۹ء اور مورخہ ۲ اکتوبر

اکتوبر ۱۸۹۹ء روز دوشنبہ کی جلدیں اسی کتب خانہ میں

ہیں۔ جلد نمبر ۴۰ اور جلد نمبر ۴۱ مجلد ہیں۔ ان میں نتائج نمبرہ

اشتہارات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس رسالہ کی مانگ زیادہ تھی۔ مقامی خبریں، تار کی خبریں، مختصر و چیدہ خبریں اشتہارات و لطائف و ظرائف ان کے عنوانات ہوتے تھے

منشور محمدی[1]

غدر کے بعد عیسائیوں نے کھلے بندوں اشاعت مذہبی کا آغاز کیا۔ تو بنگلور کے مسلمانوں نے اپنی قوم کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے عیسائیوں کے اخبار شمس الاخبار کے مقابلہ میں منشور محمدی جاری کیا جو ہندوستان بھر میں مقبول عام رہا

یہ اخبار بارہ صفحات کی بڑی تقطیع پر نکلتا تھا مذہبی مضامین اور مناظروں کے علاوہ مختصر خبریں انگریزی اردو اخبارات سے لی جاتی تھیں۔ یہ اخبار تقریباً بیس پچیس سال تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا

منشور محمدی کا پہلا نمبر بطور ضمیمۂ قاسم الاخبار ۲۰ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۷۲ء ضیا مراج پریس واقع عسکر بنگلور سے زیر اہتمام محمد قاسم غم شائع ہوا

اس کی سات جلدیں عسکر بنگلور کی مسلم لائبریری میں موجود ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار شمالی ہند میں بھی کافی مقبول رہا۔ چنانچہ صابری صاحب[2] لکھتے ہیں کہ ان کے والد

۱۔ میرا تفصیلی مضمون مہاراجہ کالج بنگلور کے مجلہ ارمغان اردو میں ملاحظہ کیجئے

۲۔ تاریخ صحافت اردو جلد اول از امداد صابری ۱۹۵۳ء ناشر سبھاش بکڈپو صفحہ ۱۴۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے کتب خانہ میں اس کے ۱۸۸۰ سے ۱۸۸۵ تک کے مکمل فائل موجود ہیں۔ منشورِ محمدی کے ایک شمارہ میں پہلے صفحہ پر ایک مثنوی چھپی ہے، جس سے اس کی اشاعت کی غرض و غایت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس اخبار کے بارہ صفحات میں سے دس یا گیارہ شمس الاخبار کے مضامین کی مخالفت کے لئے وقف ہوتے اور ایک دو صفحات میں مختصر اہم خبریں اور اشتہارات مندرج ہوتے تھے۔ کسی زبان کی ترقی میں احساساتِ مذہبی کا محرک ہونا بڑا کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ بالکل یہی حال میسور کا بھی ہوا۔ تحفظِ اسلامی کے جذبہ نے تعلیم یافتہ طبقہ کی فطری صلاحیتوں کو ابھارا۔ مسلمان اپنے احساساتِ مذہبی کو ٹھیس لگتے دیکھ کر اپنی پوری قابلیت و قوت کو بروئے کار لائے اور مشنریوں کے شمس الاخبار کی مخالفت و مقابلہ کے لئے میدان میں نکل آئے۔ بنابریں محمد حنیف صاحب اڈیٹرِ منشورِ محمدی، محمد قاسم صاحب مہتمم، عبدالحی صاحب سبزواری، عبدالحق صاحب تحقیق، نسیم اور موحد نے ایسے ایسے جواہر پارے بکھیرے، جن پر دنیائے ادب ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ اس اخبار کے ملاحظے سے تقریباً اسی سال پہلے کی اردو کا اندازہ ہوسکتا ہے اور دراصل اسی اخبار کے ذریعے سے شمالی ہند پہلے پہل میسور کے اردو ادب سے روشناس ہوا تھا۔

نمبر ۱۲ جلد اول میں محمد سعیدالدین احمد صاحب رئیس کٹھرہ کے اشعار بھی ہیں۔ اس کے علاوہ منشورِ محمدی میں منشی چمن لال عیسائی اور امداد حسین بیمار عیسائی کو عمر، عمر خاں میسوری، تحصیل، موحد نے نظم میں ترکی بہ

ترکی جواب دیا ہے۔

منشورِ محمدی شمس الاخبار کے مضامین کی تردید کے علاوہ لدھیانہ کے ایک مشنری اخبار ہمنام 'نور افشاں' کے اعتراضات کے جواب بھی شائع کرتا تھا۔ مناظرے اور شعر و شاعری میں طبع آزمائیاں ہوتی رہیں۔

۲۶ر جون ۱۸۷۳ء کو منشی محمد قاسم غم نے ایک مجلس بنام 'انجمنِ اسلامی بنگلور' قائم کی، اور منشورِ محمدی کا حساب کتاب وغیرہ اس کے سپرد کر دیا۔ پھر اس کا حقِ اشاعت ابتدائی ۱۸۷۴ء سے انجمنِ اسلامی سے خصوصاً اور جناب غم مہتمم قاسم الاخبار و انجمنِ اسلامی سے عموماً زمرۂ احباب کے سپرد کر دیا گیا۔ ۲۴ر نومبر ۱۸۷۵ء سے (جلد ۴ نمبر ۲۳) منشورِ محمدی 'انجمن خواستگارِ ترقی طریقۂ محمدیہ' کی طرف سے شائع ہوتا تھا۔

منشورِ محمدی جلد ۴ نمبر ۲۲ صفحہ (۲۶) پر 'انجمنِ خواستگارِ ترقیٔ طریقۂ محمدیہ' کے قیام کا ذکر ہے۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد پر طریقۂ محمدیہ کی اشاعت مقصود۔ انجمنِ ہٰذا کے تحت ایک کتب خانہ اور ایک مدرسہ قائم تھا، جس میں علوم دین کی جدید طرز پر تعلیم دی جاتی تھی۔

میسور اخبار :

اس اخبار کی متعدد جلدیں انجمن ترقی اُردو علی گڑھ کے کتب خانے میں مَیں نے دیکھی ہیں۔ ۱۸۷۳ء سے یہ اخبار ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ جلد ۲ نمبر 1 - ۳ر اپریل ۱۸۷۴ء مطابق ۱۲ر صفرالمظفر ۱۲۹۱ھ کی ایک جلد کی ابتدا میں لکھا ہے ؎

ناظر خدا کے فضل سے یہ پرچۂ رنگین ادا
ہے روز افزوں حسن سے ہے آزاد جوں سروچمن
ہجری مسیحی برس کہہ بلبل دل پھول کے
گلزار مضمون خفا - زیبا گلستانِ چمن
۷۴ ۶ ۱۸ ۹۱ ھ ۱۲

نیز ۲۸ر مئی $\frac{۱۸۷۴}{۱۲۹۱}$ جلد ۲ نمبر ۹ کے

شروع میں لکھا ہے ؎

ناظر بہ صدق آئین اخبار ہے کہ گلشن
ہر صفحہ کیفیت کے پھولے ہیں پھول رنگین
سال مسیحی و ہجری اے عندلیب دل کہہ
گلزار نخل مضمون یا چشمہ مضامین
۷۴ ۶ ۱۸ ۹۱ ھ ۱۲

اس اخبار میں بہت سے اشتہارات شائع
ہوا کرتے تھے جو اس کی مقبولیت کے شاہد ہیں۔
اس پرچہ میں تحقیق کی ایک غزل مندرج ہے :

یہ میری صحرانوردی یہ بیاباں، کانٹے
کفِ پا آبلہ ہے ایک، فراواں کانٹے

دشت پیمائی میں اب نائبِ مجنوں ہوں میں
زیست بھر مری رہیگی نہیں ویراں کانٹے

جشنِ بادِ صبا یاد جو آجاتی ہے
گُل کو ہوتی ہے خلش، ہونے میں لرزاں کانٹے

چشمِ حاسد میں کھٹکتا ہوں ہمیشہ تحقیق
کیا نحیفوں کو سمجھتا ہے یہ ناداں کانٹے

مذکورہ پرچہ کے عرضِ حال میں لکھا ہے :
"خُدا کے فضل سے ہمارے اخبار کے اجراء
کو سوا سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس عرصہ
میں ہم دیکھتے آئے ہیں کہ ہمارے اکثر
ہم عصر براہِ مہربانی جب "میسور اخبار" کے
خبروں سے کوئی خبر اپنے اخبار میں نقل
کرتے ہیں تو حوالہ ضرور دیتے ہیں، مگر
معلوم نہیں بعض حضرات کیوں اس شیوۂ
رضیہ سے راضی نہیں"

اس میں جناب عبدالحق صاحب تحقیق کی مندرجبا

غزل کے علاوہ منشی محمد کبیر صاحب تحصیل کی بھی ایک غزل ۱۸۷۵ء جلد دوم نمبر ۴۹ میں بہار کی ردیف میں مندرج ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔
اس پرچہ کے آخر میں جناب عبدالرزاق صاحب ناظر کا مندرجۂ ذیل قطعہ پایا جاتا ہے

یہ پرچہ بے بدل ہے تحفۂ ناظر
درج اس میں ہے سب کوائفِ مخلوقات

زیبا ہے سن اس کا بے کم و کاست کہوں
احوالِ جہاں خلاصۂ موجودات

---

۱۳ مئی ۱۸۷۵ء کے اخبار میں لکھا ہے

خداوند کرے صدقے اپنے حضرت کے
کہ ہم ہوں باغ ہو وحشی نسیم بنگلوری

آگے چل کر نواب محمد عمر علی خاں صاحب بہادر والئ ریاستِ باسوہ لکھتے ہیں

جس جا پہ نہو نسیم وحشی
سرسبز وہ بوستاں نہیں ہے

اس سے نسیم بنگلوری سے نواب صاحب کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

اخبار محافظ بنگلور

جناب عبدالحق صاحب تحقیق المعروف محافظ بنگلور کی زیرِ ادارت بنگلور سے مہینہ میں دو بار 'زمرۂ احباب سوسائٹی' کی طرف سے آٹھ صفحات پر شائع ہوا کرتا تھا۔ اس کے متعدد نمبر مَیں نے " انجمن ترقیٔ اُردو علی گڑھ " کے کتب خانہ میں دیکھے ہیں۔ جلد اول، نمبر ۱ مطبوعہ ۱۵ر اپریل ۱۸۷۵ء میں جناب عبدالرزاق صاحب ناظرؔ کی متعدد فارسی تاریخیں مندرج ہیں۔ اس کے مہتمم محمد عبدالمجیب زمرۂ احباب کے سکرٹری تھے۔ 'منشورِ محمدی' کے مطبع بحرالاسلام میں یہ اخبار چھپتا تھا۔

شمعِ سخن

۱۸۸۴ء سے عبدالحق تحقیق کی ادارت میں بنگلور سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں ہر ماہ شعرائے بنگلور کا کلام مندرج ہوتا تھا۔ شروع کے چند صفحات طرحی غزلوں کے لئے وقف تھے اور باقی صفحات پر مشہور شعرائے ہند کے کلام سے قارئین کو روشناس کرایا جاتا تھا۔

جناب عبدالحفیظ صاحب آرام نے ایک زنانہ اخبار

" ترغیب " ۱۸۸۰ء میں جاری کیا تھا ۔ اس کو
اُردو کا پہلا زنانہ رسالہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔
دراصل ۱۸۶۵ء سے میسور میں اُردو صحافت کا
آغاز ہوتا ہے ۔ اُنیسویں صدی کے آخر تک آفتاب
صحافت نصف النہار تک پہنچ چکا تھا ۔ اُردو زبان
و ادب کا ذوق عام ہوتا گیا ۔ اخبارات و رسائل
کی مانگ بڑھ گئی ۔ مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوئیں
اور علم و ادب کے چرچوں سے فضا گونجتی رہی۔
" نیّرِ اعظم " ۱۸۷۶ء ہفتہ وار سید شاہ محمد عبدالقدوس کی
ادارت میں اور ' بنگلور اخبار ' ۱۸۷۹ء سہ روزہ
زیرِ ادارت جناب محمد حسین اور واجد علی ، نیز "تعلیم" /
ماہوار ۱۸۸۰ء بہ ادارت عبدالحق صاحب تحقیق
اور اخبار ' مصلح ' ۱۸۸۱ء ماہوار بادارت عبدالحی
صاحب سبزواری ، رسالہ ' دستور ' ماہوار زیرِ ادارت
جناب قادر شریف صاحب جاری ہوئے ۔ جیسا کہ
' منشورِ محمدی ' کی مثالوں سے ظاہر ہے کہ اس
زمانے میں بنگلور میں اُردو ادب نے ایک نئی
کروٹ لی ۔ یہاں تک کہ قلیل عرصہ میں شمالی
ہندوستان اور جنوبی ہند کی کتابی زبان میں کوئی فرق
باقی نہ رہا ۔

بیسویں صدی میں اُردو صحافت پر ایک نظر

سری کرشن راج وڈیر کا عہد اوائلِ بیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے - یہ میسور میں اُردو صحافت کے زوال کا زمانہ ہے - گو کہ اس عہد میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے نئے نئے مدارس کھلتے رہے جن میں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیسی زبانوں کی بھی تعلیم دی جاتی تھی ، لیکن لوگوں کا رجحان انگریزی تعلیم کی طرف بڑھتا گیا اور دیسی زبانیں تنزل پذیر ہوگئیں - فاتح قوم کی زبان نے مفتوح اقوام کی زبانوں کو پسِ پُشت ڈال دیا -

مُسلمانوں کی مالی حالت خستہ ہوگئی تھی - وہ اخبارات و رسائل کی کیا حوصلہ افزائی کرتے ، جبکہ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی ہی ناممکن سی ہوگئی تھی - اس معاشی بدحالی سے اُردو اخبارات کو کافی نقصان اُٹھانا پڑا - کچھ اخبارات تو بند ہوگئے اور جو باقی رہے ان کا معیار پست ہوگیا - بایں ہمہ خادمانِ ادب نے بارہا کوشش بلیغ کی کہ عوام پھر اُردو زبان کی طرف ملتفت ہوں اور انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر بھی عبور حاصل

کریں - چنانچہ وہ ہر مُشکل کا مقابلہ کر کے اُردُو کی خدمت اخبارات و رسائل کے ذریعہ کرتے رہے ۔ جو اخبار جاری تھے ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

'ایڈورڈ گزٹ' شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے جلوس کی یادگار میں شائع ہونے لگا تھا - اس کے متعدد نمبر ہیں نے انجمنِ ترقئ اُردُو علی گڑھ کے کتب خانے میں دیکھے ہیں - جلد اول نمبر اول بنگلور مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۰۱ء مطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ روزِ دوشنبہ کے پرچے کے شروع میں لکھا تھا :

" ہمارے اخبار کی پہلی اشاعت ماہِ مُبارک ربیع الاول میں ہُوئی اور یہ ماہِ مسعود و محمود کا شرف و اعزاز محض بوجہ ولادت سراپا سعادت سرورِ کونین سیّد الثقلین سرتاجِ رسل و انبیائے اولوالعزم ، باعثِ تکوینِ آدم احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے ہُوئی "

" اخبار کیا ہے کہ " کے زیرِ عُنوان لکھا ہے :-

" یہ لو خریدارانِ " ایڈورڈ گزٹ " کا ہجوم ہو رہا ہے - اخبار ہے کہ ہاتھوں ہاتھ بِک رہا ہے - سارے مُلک میں دُھوم ہے کہ نیا اخبار نکلا ہے - شوکت کی عزّت بڑھی کہ اس کے اخبار نے

قدردانوں کو پایا - شہریوں کا خیال ہے
کہ ماہانہ دو آنے اور ایک روپیہ آٹھ آنے
قیمتِ سال اس کی حقیقت کیا ، لو پیشگی
دو اور اس کے خریدار بن جاؤ "

متاعِ حُسنِ یوسف کا ہے اخبار
خریدارو چلو ہے روزِ بازار

—

مراسلات کے زیرِ عنوان مختصر خبریں ہوتی تھیں ۔ پھر دُنیا بھر کی خبریں اسلامی ممالک کی خبریں ، مختصر اور چیدہ خبریں درج ہوتیں - یہ اخبار مطبع شوکت الاسلام بنگلور میں باہتمام غلام محمد شوکت صاحب مالکِ پریس ہر مہینہ میں چار بار شائع ہوتا تھا - اس میں نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں - ۲۴ اگست ۱۹۰۱ء کے پرچہ میں حکیم میر گل محمد صاحب انور بنگلوری شاگردِ رشید مرزا داغ دہلوی مقیم حیدرآباد دکن کی ایک نظم شائع ہوئی تھی ، جس کے بعض اشعار درج ذیل ہیں :-

گذرتا ہے زمانہ سب ہمارا عیش و راحت میں
مزا اللہ نے رکھا ہے کیا عشق و محبت میں
مری تعظیم کو فرہاد و مجنوں دوڑ کر آئے
گیا میں جانبِ صحرا جو انور جوشِ وحشت میں

—

۱۶ نومبر ۱۹۰۱ء جلد اول نمبر ۱۵ کے پرچہ میں

انورؔ کی ایک نظم شامل ہے، جس کی ردیف "ہنستے کھیلتے" ہے۔ مقطع ہے ؎

عالمِ طفلی میں ہے انورؔ کو کیا شوقِ سخن
کر دیا ہے جمع اک دیوان ہنستے کھیلتے

نمبر ۲۲ جلد اول کی شائع شدہ ایک نظم کا مطلع ہے ؎

الٰہی ذوق دے دل کو مِرے نعتِ پیمبرؐ کا
ہو جس کے فیض سے آسان صدمہ روزِ محشر کا

اس پرچہ میں منشی عبدالباسط صاحب خلف محمد عبدالرحمٰن صاحب فسٹ کلاس مجسٹریٹ معسکر بنگلور کی ایک نظم ہے جس کا مطلع ہے ؎

ارادہ ہوگیا جس دل میں حضرت کی زیارت کا
وہ دل جامِ جہاں پھر بن گیا انوار رحمت کا

غلامِ عبدِ باسط منتظر ہے آپ کا حضرت
کرم کا فیض کا عرفاں کا اور چشمِ عنایت کا

۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء میں ابواحمد عبدالرحیم صاحب ممتازؔ بنگلوری کی ایک غزل شائع ہوئی ہے، جس کے بعض اشعار یہ ہیں:—

تھی خوشی میرے لئے اور غم زمانے کے لئے
جب کمربستہ عدم کو مَیں تھا جانے کے لئے

جائے رنج و غم ہے دُنیا ڈھونڈ مت ممتازؔ عیش
ہم نہیں پیدا ہوئے آرام پانے کے لئے

—

نمبر ۲۲ جلد اول میں منشی محمد ضیاء الدین صاحب ضیا نگلوری کی ایک مسدس پردہ کی فضیلت کے متعلق درج ہے:

اے پردہ پہرہ داروں کا تو پردہ دار ہے
عصمت کا اب ترے ہی پہ دار و مدار ہے
وہ محترم عزیز نہیں جو چھپا نہ ہو
بن جائے شیشہ لعل تو وہ بے بہا نہ ہو

انجمنِ ترقی اُردو کے کتب خانہ میں اس اخبار کے ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء تک کے پرچے مجلد موجود ہیں۔ اس دور میں گو کہ اُردو صحافت میں تنزّل صاف نظر آ رہا تھا، گاہے گاہے اُردو کے اخبارات اور رسائل نکلتے۔ اخبار 'پنچ الپنچ'، ۱۹۰۲ء میں زیرِ ادارت قادر شریف صابر 'النصیر'، 'گلدستۂ محبوبیہ آصفیہ' اور اخبار 'المیسور' زیرِ اہتمام نواب محمد غوث علی خاں افسر۔ رسالہ "صبح بہار" زیرِ اہتمام حکیم محمد علی آزاد ۱۹۰۶ء میں اور "نگارستانِ خیال" مدیر احمد صاحب ولی ۱۹۰۸ء میں نکلے۔ رسالہ "حبیب" ۱۹۰۹ء میں زیرِ ادارت غلام محمد شوکت اور 'جارج گزٹ' ۱۹۱۵ء میں ہفتہ وار بزیرِ اہتمام عبدالباسط برق شائع ہوئے۔ (اخبارات مذکور کے متعلق اڈیٹر الکلام اور جناب محمود خاں صاحب مصنف 'سلطنتِ خداداد' نے معلومات بہم پہنچائیں۔ نیز "میسور میں اُردو" سے بھی استفادہ کیا گیا۔)

۱۹۱۶ء میں آٹھ اُردو اخبارات بنام

'کمرشیل اینڈ ٹکنیکل گائیڈ' جس کے مدیر حکیم محمد غوث صاحب کولاری اور 'شاہراہِ ترقی' جس کے مدیر ابو محمد عبداللہ۔ "المسلم" زیرِ اہتمام صابر و شوکت اور برق۔ "اڈوائزر" جس کے مدیر جناب عبدالباسط صاحب برق تھے۔ اخبار "ہلال" عبدالرحمٰن بی۔ اے پریسیڈنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ بنگلور سٹی اور محمد عبدالجبار صاحب گورنمنٹ کنٹراکٹر سابق ممبر اسمبلی میسور و سکرٹری مجلسِ ملیہ و سکرٹری جامع مسجد ملیہ اسلامیہ سلور جوبلی پارک بنگلور سٹی کی ادارت میں نکلے۔

"برقِ سخن" جس کے مدیر عبدالباسط برق تھے۔ "شوکتِ عثمانیہ" بزیرِ ادارت جناب محمد عبدالرحمٰن صاحب فیضی لشکر بنگلور اور علم و عمل زیرِ ادارت جناب یم، سید غوث محی الدین صاحب شائع ہوئے تھے۔ ۱۹۱۷ء اور اس کے بعد کے چھ برسوں میں "پیکرِ خیال" مدیر برق۔ "العرفان" جس کے مدیر جناب محمد اسحٰق صاحب تھے۔ "مذاقِ عروض" محمد علی صاحب فائق کی ادارت میں۔ "گلزارِ عروض" محمد عبدالرؤف صاحب اجمل۔ "ترانہ" اور "آفتاب" عبدالباسط صاحب نور کی ادارت میں نکلے، لیکن ان تمام اخبارات کی زندگی بہت قلیل رہی، یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء میں کلیم الملک سید غوث محی الدین نے بنام "الکلام" ایک اخبار جاری کیا جو ایک سال تک ہفتہ وار رہ کر بعد میں روزنامہ ہوگیا، جو اب تک

برابر جاری ہے۔ "الکلام" نے اُردو زبان کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ مدیرِ الکلام جناب سید غوث محی الدین صاحب نے اپنے اخبار کے ذریعے مُسلمانوں میں تعلیم کو مقبولِ عام بنانے کی خاص طور سے کوشش کی۔

"الکلام" کے اجراء کے کچھ عرصہ بعد "سیف اللہ" جس کے مدیر محمد رضا علی صاحب رضوی معسکر بنگلور تھے۔ "مذاقِ سخن" جس کے مدیر جناب عبدالرحیم صاحب ممتاز تھے۔ "نوجوان" "گلزارِ عروض" و "تصویرِ سخن" زیرِ ادارت شاد زیبائی بنگلور "ستارۂ میسور" ۱۹۲۷ء میں جس کے مدیر محمد سلیمان صاحب پرواز تھے۔ "درخشاں" بزیرِ ادارت ابوالمعانی محمد اسمٰعیل صاحب جوش بنگلوری تھے۔ روزنامہ بنگلور ۱۹۲۸ء میں بزیرِ ادارت شفیق الملک خان بہادر محمد عباس خاں صاحب بہادر جنرل سکریٹری صدر انجمن مُسلمانانِ ملکِ میسور بنگلور مرحوم اور جناب ڈاکٹر محمد حسین صاحب مرحوم بنگلور سٹی مسلم ہال بنگلور سٹی سے شائع ہُوا کرتا تھا۔

"قولِ میسور" ۱۹۳۰ء میں ماہوار سر قاضی حکیم محمد قاسم صاحب قسیم۔ "زہرۃ الملک" (مدیر سید زین العابدین صاحب تقدیر) "رفیق" سہ ماہی (مدیر محمد عبدالقدوس صاحب بی۔ اے) "البصیرت" ۱۹۳۲ء میں (مدیر سید عالم مہدوی) ۱۹۳۳ء میں اخبار "قوم" زیرِ ادارت ابوسعید عبدالقیوم صاحب، "دیندار" مدیر عبدالجبار صاحب خلیل اڈوکیٹ، "کوثر"

۱۹۳۵ء میں ماہوار زیرِ ادارت جناب محمود خاں صاحب محمود (مارسٹن) جاری ہوئے۔ "جلوۂ سخن" ۱۹۳۶ء میں (مدیر شرف الدین سلیم بنگارپیٹ) "روزی روزگار" ۱۹۳۸ء میں (مدیر محمد غوث صاحب کولاری) "دُرِیتیم" ۱۹۳۹ء (مدیر عبداللہ حسین صاحب) "فانوس" ۱۹۴۰ء میں (مدیر جناب ٹی۔ یم۔ عزیزاللہ صاحب عزیز بنگلوری) اخبار "آزاد" روزنامہ ۱۹۴۰ء میں زیرِ ادارت محمد علی کمال، محمد مصطفیٰ غازی، عبدالعظیم خاں عزمی، شائع ہوئے۔ "نونہال" سالانہ عبدالرحمٰن خاں بی۔ اے نے اور روزنامۂ "پاسبان" محمد اسماعیل صاحب تابش نے جاری کئے۔ "نیا دَور" زیرِ ادارت صمد شاہین و ممتاز شیریں بنگلور پانچ چھ سال تک ریاست بھر میں کافی مقبول رہا۔ ان کے علاوہ مہاراجہ کالج سے ۱۹۳۵ء سے "مخزنِ ادب اُردو" ۱۹۳۹ء سے مہارانی کالج بنگلور سے "ارمغانِ ادب" انٹرمیڈیٹ کالج بنگلور سے "جامِ ادب" سینٹ جوسف کالج بنگلور سے "اُردو میگزین" شائع ہونے لگے۔

اس وقت اُردو کے تین روزنامے "الکلام" "آزاد" (زیرِ ادارت عبدالہادی رفعت بنگلوری) اور "پاسبان" شائع ہو رہے ہیں۔

ان کے علاوہ ہفت روزہ اخبارات "قوم" "جمہور" "طوفان میل" "کاروان" اور "تنظیم" جاری ہیں - ایک ادبی ماہنامہ "غزل" شائع ہو رہا ہے۔ میسور یونیورسٹی کے اکثر کالجوں سے سالنامے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہُوا کرتے ہیں -

★

باب ہفتم

میسور میں سرکاری مدارس کا اجرا اور ان میں اُردو کا مقام

گذشتہ ابواب میں ہم نے میسور کی تعلیمی ، اقتصادی اور سیاسی حالات کا جائزہ عہدِ سرکارِ خداداد تک لیا تھا ۔ انگریزی راج کے قیام کے بعد بھی عرصۂ دراز تک انگریزوں نے میسور کے باشندوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ نہ کی ۔ ٹیپو سلطان کے ہمدرد افسر ابھی زندہ تھے ، جن کا انگریزوں کو ڈر تھا ۔ ۱۸۳۲ء میں عثمان بیگ کو انگریزی گورنمنٹ کو رسوا کرنے کی کوشش کے الزام میں پھانسی کی سزا دی گئی ۔ ۱۸۴۰ء تک انگریزوں کو وہ اطمینان و دل جمعی حاصل نہ ہوئی کہ ریاستِ میسور میں سرکاری مدارس کے قیام کی طرف خیال مبذول کیا جاتا اور رعایا کی تعلیم و تربیت کی کوئی خاص سکیم بروئے کار لائی جاتی ۔ تاہم مہاراجۂ میسور نے ۱۸۳۲ء میں اپنے صرفِ خاص سے ایک انگریزی مدرسہ کی بنا میسور میں ڈالی ۔ سرکاری مدارس کا قیام سر مارک کبن کی قیادت کا رہینِ منت ہے ۔ ۱۸۴۰ء کا وہ زمانہ تھا جب کہ ریاستِ میسور کمیشن کے ماتحت تھی اور انگریز بے خوف و خطر پورے ملک پر قابض ہو چکے تھے ۔ پہلی اکتوبر ۱۸۴۰ء میں مہاراجۂ میسور نے وسلین مشنری ٹی ہڈسن کی زیرِ نگرانی میسور میں اپنا قائم کردہ انگریزی مدرسہ دے دیا ۔ ۱۸۴۲ء میں وسلین مشن نے بنگلور میں بھی ایک انگریزی مدرسہ کی بنا ڈالی ، جس کی مدد کمیشن نے ماہانہ پچاس روپے سے کی ۔ اس مشن نے

بنگلور میں پہلا مدرسہ ۱۸۴۲ء میں کنڑی زبان کا قائم کیا اور ۱۸۴۶ء میں شموگہ میں دوسرے مدرسہ کی بنا ڈالی۔ بنگلور کے مدرسہ کو کچھ عرصہ کے بعد سے جے، گیاریٹ کے زیر انتظام (ملکی تعلیمی انسٹیٹوٹ) (NATIVE EDUCATION INSTITUTE) کا نام دیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں دیسی تعلیمی صیغہ قائم کیا گیا، جس کو ۸۰۰ روپیہ ماہوار دیا جانے لگا۔ ۱۸۵۲ء میں انگریزی مدارس ٹمکور اور ہاسن میں اور ۱۸۵۴ء میں شموگہ میں قائم کئے گئے۔ جنھیں ماہانہ ۵۰ روپے دئے جاتے تھے۔ ۱۸۵۲-۵۳ء میں گورنمنٹ نے تمام ملک میں تعلیم پھیلانے کی غرض سے ایک اسکیم اور کئی ہزار روپیے سالانہ تعلیم کے لئے منظور کئے۔ سے جے گیاریٹ نے مارک کبن کی راستے سے ورناکیولر اور انگریزی تعلیم کی ایک اسکیم بنائی اور نیٹو ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ جو ۱۸۵۱ء کے بعد ہائی سکول بن گیا تھا، صوبۂ میسور کے دوسرے انسٹی ٹیوشنوں کے لئے نمونہ قرار دیا گیا۔ ٹمکور اور شیموگہ کے مدارس بھی ۱۸۵۲-۵۳-۵۴ء میں انگریزی ہائی سکول بنائے گئے، گو کہ ان میں ابھی تک ابتدائی مدارس شامل تھے۔ گورنمنٹ کی طرف سے نیٹو ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشن کو مع اس کی شاخ کے ۸۰ روپے ماہوار اور ٹمکور ہائی سکول کو ۲۰۰ روپے اور ۲۲۰ روپے شیموگہ مدرسہ کو ماہوار ملتے تھے۔ ان مدارس کی حاضری ۳۵۹ - ۱۳۵ اور ۱۱۶ علی الترتیب تھی۔

اسی وسلین مشنریوں نے دیہاتی تعلیم کو بھی مروج کیا اور متعدد ورناکیولر مدارس کھولے۔ سنسکرت اور فارسی زبانیں پرانے اصولوں کے

THE ADMINISTRATION OF MYSORE UNDER SIR MARK CUBBON 1834 TO 1841 BY VENKATASUBBA SASTRY MADRAS PRINTED IN GREAT BRITAIN AND PUBLISHED IN 1932 PAGE 82

موافق لوگوں کے عطیہ سے کالجوں۔ مندروں اور مسجدوں میں پڑھائی جاتی تھیں اور سرکار ان کی بھی کچھ مدد کیا کرتی - الغرض ابتدا میں گورنمنٹ (کمیشن) مشنریوں اور مہاراجۂ میسور کی کوششیں میسور میں تعلیمی سرگرمیوں کا سبب بنی -

انگریزی کمیشن نے پہلے پہل مادری زبان اور ملکی رسم الخط میں مختلف علوم کی تعلیم دینے کے ذرائع مہیا کئے - مختلف مضامین اور علوم کا ترجمہ یہاں کی مروجہ زبانوں اور رسم الخط میں کیا - تجویز ہوئی کہ ان کے ساتھ ساتھ رعایا میں جن کو شوق ہو انگریزی بھی سیکھیں - اس زمانہ میں مشنریوں کی جانب سے نصاب کی کتابیں شائع کرنے کا بندوبست کیا گیا

وسلین مشن نے پہلا پریس میسور میں ۱۸۴۰ء میں قائم کیا اور مسز سیول نے جو ریورنڈ جے سیول لندن مشن کی بیوی تھیں بنگلور میں لڑکیوں کا مدرسہ کھولا -

گیاریٹ اور رائس نے مصنفوں، اُستادوں اور انسپکٹروں کی خدمات انجام دیں - پھر گیاریٹ نے مقامی مدارس کے اُستادوں کی تربیت کے لئے ۱۸۵۵ء میں ایک مدرسہ قائم کیا - ۵۶-۱۸۵۵ء میں کُل آٹھ مدرسے ریاست بھر میں موجود تھے - ۶ر فروری ۱۸۵۷ء میں ایک تعلیمی اسکیم بنائی گئی - اس کے بعد سے تعلیم کی نگرانی عام ہندوستان کی تعلیمی پالیسی کے مطابق کی گئی - پبلک انسٹرکشن کا علحدہ صیغہ قائم کیا گیا اور سوالاکھ روپیہ اس کے لئے منظور ہوا، جس کا پانچ فیصدی حصّہ خانگی مدارس کو بطورِ مدد دینا قرار پایا - اس کے بعد گیاریٹ، پھر کپتان اسٹیفن جو تنہا مددگار کمیشن اس کا ڈائرکٹر بنا اور فریڈرک گرین کو ان مدارس کا انسپکٹر بنایا گیا - پھر کچھ دنوں کے بعد ان مدارس کے انتظام کے لئے ایک ڈپٹی کمشنر اور دو سب ڈپٹی کمشنر بنائے گئے -

۱۸۵۹ء کے بعد ٹمکور، شیموگہ اور ہاسن کے انگریزی مشنری مدارس گورنمنٹ نے لے لئے اور ۵۹-۱۸۵۸ء میں بنگلور کے مدرسہ کو ہائی سکول بناکر سنٹرل ہائی سکول اس کا نام رکھا۔

۶۰-۵۹ء میں یہ سنٹرل ہائی سکول مدراس یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا اور ۶۱-۱۸۶۰ء میں چار اور انگریزی مدارس قائم ہوئے۔ پرائیوٹ مدارس میں سے ہندو گرلس سکول بنگلور اور ہندوستانی سکول معسکر بنگلور کو سرکاری مدد دی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں تعلیم پر مجملہ خرچ ۲۵،۰۰۰ روپیہ منظور کیا گیا

گورنمنٹ پریس (انگریزی میں) ۱۸۵۸ء میں ۷۵۰۰ روپے سالانہ کے حساب سے گیاریٹ کی زیر نگرانی کھلا۔ اس سے پہلے اس پریس کا کنڑی سکشن ۴۱-۱۸۴۰ء میں قائم ہو چکا تھا۔

۱۸۵۸ء میں بنگلور میں سات چھاپہ خانے مختلف پرائیوٹ انجمنوں کی طرف سے قائم ہو چکے تھے۔ گورنمنٹ نے آٹھواں پریس ۱۸۵۵ء میں بچوں کے نصاب کی کتابیں کم قیمت پر شائع کرنے کے لئے خریدا۔ اس وقت میسور میں کوئی پریس آکٹ نہیں تھا۔ دو اخبار بنگلور میں جاری تھے۔ بنگلور ہیرالڈ ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور انگریزی کنڑی ہفتہ وار اخبار جاری تھا۔ علاوہ بریں یہاں مدراس کے اخبارات بڑے شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ یہاں کی مقامی زبان کے متعلق تجویز[1] یہ تھی کہ ورناکیولر کے مدارس صرف وہاں بنائے جائیں جہاں کے لوگوں کی طرف سے اس کے لئے درخواستیں آئیں اور کچھ فیس بھی دینے کا یقین دلایا جائے۔ جب کوئی درخواست نہ آئی تو گورنمنٹ نے آگے بڑھ کر ایسے مدرسے قائم کرنے چاہے اور اعلان کیا کہ ۲ روپے ماہوار کی سرکاری

[1] MYSORE GAZETTER COMPILED FOR GOVERNMENT BY B L. RICE VOL I PAGE 747

ملازمت حاصل کرنے کے لئے بھی مادری زبان میں لکھنے پڑھنے کی قابلیت ضروری ہے۔ اس کے باوجود لوگوں نے دو سال تک خاموشی اختیار کر لی۔ انجام کار ۱۸۵۹-۶۰ء میں پندرہ درخواستیں مختلف تعلقہ جات سے موصول ہوئیں۔ اس کے بعد سے ریاست بھر میں ورناکولر کے مدارس قائم ہونے لگے۔ نیز ۱۸۶۱ء میں بنگلور میں ایک نارمل سکول قائم کیا گیا، جس میں انگریزی و کنڑی کے دو شعبے تھے۔

۱۸۶۲ء میں انجینئرنگ سکول کا قیام عمل میں آیا۔

۱۸۶۳ء میں تعلیمی صیغہ جو اب تک کمشنر JUDICIAL کے ماتحت تھا علاحدہ کر دیا گیا۔ دراصل ریاستِ میسور میں تعلیمی صیغہ کی علحدگی اسی سال سے عمل میں آئی۔

۱۸۶۲-۶۳ء میں ریاست بھر میں تیرہ[13] سرکاری مدارس میں ۹۹۰ طلباء زیرِ تعلیم تھے اور چودہ[14] مدرسوں کو جن میں ۱۳۸۳ طلباء زیرِ تعلیم تھے مدد دی جاتی تھی۔ میسور میں انگریزی کمیشن کے عہد میں تعلیمی حالت کا مفصل حال ہمیں میسور کی اڈمنسٹریشن کی سالانہ رپورٹوں سے مل سکتا ہے۔ پہلی رپورٹ ۱۸۶۵-۶۶ء کی ہے۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی و ترویج میں سرکار کی جانب سے جو کام کئے گئے ہیں، ان کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ اس وقت اُردو کے حسبِ ذیل مدارس کو گورنمنٹ کی جانب سے مدد دی جا رہی تھی:

مدرسۂ اسلامیہ	اُردو	سالانہ	۶۰۰	روپے
مدرسۂ محمدیہ	”	”	۶۰۰	”
مدرسۂ بورنگ	”	”	۶۰۰	”
ہندوستانی مدرسہ کمشریٹ	”	”	۱۰۲	”
کنگل ہندوستانی مدرسہ	”	”	۱۲۰	”
سیموگہ	”	”	۱۲۰	”

چھوٹا بالا پور ہندوستانی مدرسہ		اُردُو	سالانہ	۲۴۰	روپے
چن پٹن	،	،	،	۲۴۰	،
کلوس بیٹھ	،	،	،	۱۲۰	،
چینتامنی	،	،	،	۱۲۰	،
ایچن بلی	،	،	،	۸۴	،
فرنیج راکس	،	،	،	۵۰	،
			جملہ	۳۲۳۶	،

اس وقت جے گیاریٹ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے عہدے پر فائز تھے۔ اس سال حسب ذیل ہندوستانی کتابیں مقامی پریسوں میں مطبوع ہوئیں ۔ تاریخ ہند ۔ تاریخ انگلستان ۔ جغرافیہ حصۂ اول ۔ جغرافیہ حصہ دوم۔ گرامر حصۂ اول ۔ گرامر حصۂ سوم ۔ حساب ۔ وغیرہ ۔

اس سے پہلے یعنی ۶۵-۱۸۶۴ء میں میسور میں کُل سرکاری امدادی مدارس کی تعداد ۶۴ تھی، جس کی حاضری ۲۳۳۳ تھی ۔ ۳۰ اپریل ۱۸۶۶ء میں مدارس کی تعداد ۸۱ اور حاضری ۵۶۴۲ ہوئی ۔ ان میں سے مُسلمان ۱۳۵۱، ہندو ۳۴۸۱ اور یوروپین ۸۰۷ تھے ۔ گورنمنٹ پریس میں انگریزی، اُردُو اور کنڑی کتابیں چھاپی اور بیچی جاتی تھیں ۔ اس سال ان کتابوں کی فروخت سے سرکار کو ۷ - ۲ - ۱۷۱ ۷ روپے کی آمدنی ہُوئی ۔

تعلیمی رپورٹ ۶۷-۱۸۶۶ء[1] اس سال کُل مدارس ۵۵ اور امدادی مدارس ۳۹ تھے، جن میں ۵۹۶۶ لڑکے

---

[1] Annual Report of the Administration of Mysore for the year 1866-67 Section III "Education" Page 12 to 16, Printed at Mysore Government Press Bangalore

اور ۵۶۹ لڑکیاں تھیں اور بی۔ یل۔ رائس، انسپکٹر آف سکولس شعبۂ تعلیمات کی خدمات انجام دے رہے تھے۔

ہندوستانی مدارس کے متعلق انسپکٹر کی رپورٹ حسب ذیل ہے:

"پہلے حروفِ تہجی اور حرفوں کو ملانا سکھایا جاتا ہے اور جب لڑکا یہ سیکھ جاتا ہے تو قرآن دیا جاتا ہے جیسے وہ مضموں کو سمجھنے کے بغیر پڑھتا ہے۔ صحیح تلفظ سکھایا جاتا ہے اور لکھنے کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش پیدا کی جاتی ہے۔ ضرب کا ٹیبل یعنی پہاڑے سکھائے جاتے ہیں۔ پھر لڑکا فارسی گرامر پڑھتا ہے۔ فارسی کی نظمیں اور کہانیاں ہندوستانی ترجمہ کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی میں اشعار لکھنے کی پریکٹس کرائی جاتی ہے۔ الغرض زبان کے لحاظ سے یہ مدارس تسلی بخش ہیں۔"

سرکاری مدارس میں سے اس سال ریاست بھر میں ۸ مڈل اسکول تھے، جن میں ۳۴۳ ہندو، ۶ مسلمان اور ۲۵۵ عیسائی وغیرہ تعلیم پاتے تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے ابتدائی مدارس میں ۱۲۹۷ مسلمان تعلیم پا رہے تھے۔ لڑکیوں کے ۸ مدارس کو گورنمنٹ کی طرف سے مدد دی جاتی تھی جس میں ۳۹۸ ہندو، ۵۰ مسلمان اور ۱۹۶ عیسائی وغیرہ لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں۔ اور یہ سب مدرسے ویسلین لندن مشن کے ماتحت چل رہے تھے۔ اس کے علاوہ گوڈ شیفرڈ کانونٹ ۱۸۵۴ء سے قائم تھا، جس کو سرکار کی طرف سے مدد دی جا رہی تھی۔ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بڑی سردمہری کے ساتھ زیرِ غور تھا، چونکہ بہت کم تعداد میں لڑکیاں سکول میں زیرِ تعلیم تھیں۔ چنانچہ گورنمنٹ کا خیال تھا کہ یہاں کے بارسوخ لوگوں سے، تا ۱۹۱۰ء

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کھولا جائے۔

۱۸۶۷ – ۶۸ء کی تعلیمی رپورٹ[1]

اس سال دیہاتوں میں مدارس کے قیام کی تجویز زیرِ بحث رہی۔ یہ فیصلہ ہُوا کہ ریاستِ میسور کے ہر ہوبلی اور تعلقہ کے سب ڈویژن میں ایک مدرسہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ان عمارتوں میں رکھا جائے جو بغیر کرایہ کے مل سکیں (۲ پیسے تعلقوں، سب تعلقوں کی تعداد ریاست بھر میں ۶۴۵ اور آبادی تخمیناً (۶۰۴۰) تھی اور ہر گاؤں کے درمیان ایسا مدرسہ قائم کیا جائے اساتذہ کا انتخاب مروجہ خانگی مدارس کے اساتذہ میں سے ہو پھر ان اساتذہ کی تربیت کا انتظام ہر تعلق میں ایک ٹیچر کی زیرِ نگرانی ہو اور ان مدارس کی نگرانی کے لئے لوکل کمیٹیاں بنائی جائیں۔ ان مدارس کے علاوہ متعدد " نائٹ سکول " بھی قائم کئے جائیں۔ اس سال سرکاری مدارس کی تعداد ۶۴ (طلباء ۲۷۹۷) اور امدادی مدارس کی تعداد ۴۶ (طلباء ۴۱۳۸) تھی۔ ان میں سے ۱۳۹۸ مُسلمان طالب العلم تھے دوسرے خانگی مدارس میں بائیس ہزار بچے پڑھ رہے تھے۔ اس سال نو نئے مدارس بنائے گئے اور میسور کے "راجہ سکول" کو تعلیمی صیغہ کے ماتحت کر دیا گیا۔ مُسلم لڑکیوں کے بنگلور کے مدرسہ کو پچاس روپے کا عطیہ دیا گیا اور لڑکیوں کے لئے مزید مدارس بنانے کی تجویز ہوئی اور ہائی سکول کے طلباء کے وظائف کے لئے ۴۵ روپے کی رقم منظور کی گئی

رپورٹ ۱۸۶۸ – ۱۸۶۹ء[2]

ریاست کی تعلیم کے متعلق بی۔ یل۔ رائس ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن میسور نے مندرجۂ ذیل رپورٹ پیش کی۔ عوام کی تعلیم کے لئے اس سال دیہاتوں میں مدارس قائم کئے گئے۔

---

[1] Mysore Administration Report Section III Page 1 Education

[2] Annual report of the Administration of Mysore education

لڑکیوں کے متعدد مدارس کا قیام عمل میں آیا - نیز تعلق کے مدارس کی تعداد بڑھائی گئی -

ہائی سکول و انجینئرنگ سکول کے طلباء کے لئے وظیفے قائم کئے گئے -

اس سال ۳۰۹ مدارس تھے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

سکول	سرکاری	امدادی	جملہ
ہائی سکول	۸	۵	۱۳
مڈل سکول	۱۰	۸	۱۸
لور تعلق	۶۱	۳۳	۹۴
ہوبلی	۱۴۶	-	۱۴۶
لڑکیوں کے مدارس	۳	۲۸	۳۱
نارمل سکول	۴	-	۴
سپیشل سکول	۳	-	۳
جملہ	۲۳۵	۷۴	۳۰۹

گورنمنٹ کے مدارس میں سے دس اینگلو ورنا کیولر مڈل سکول تھے - لور تعلقہ مدارس میں سے ۷۵ کنڑی مدرسے اور ۴ ہندوستانی مدارس تھے - اس سال کی خصوصیت ہوبلی مدارس کا قیام تھا - اساتذہ کی تربیت اور اینگلو ورنا کیولر مدارس میں انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تجویز زیرِ غور تھی - اس سال ریاست بھر میں تیرہ ۱۳ پریس کام کر رہے - ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) گورنمنٹ پریس (۲) کولمبین پریس (۳) ویسلین مشن پریس (۴) رومن کیتھلک پریس (۵) کرناٹک پریس (۶) وچارا دپنا پریس (۷) کرشنا راجہ پریس (۸) مطبع سُنّی (۹) مطبع سعید فردوسی (۱۰) باقی پریس (۱۱) مطبع بھوی (۱۲) قاسم الاخبار پریس (۱۳) سلطان پریس -

میسور گورنمنٹ پریس سے ہر ہفتہ میسور گزٹ انگریزی اور کنڑی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ بنگلور ہیرالڈ ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ کولمبین پریس میں چھپتا تھا۔

۱۸۶۲ء سے بنگلور میں ایک مسلم کتب خانہ قائم تھا، جس میں عربی، فارسی اور اردو کتابیں موجود تھیں۔

۱۸۶۹-۷۰ء کی تعلیمی رپورٹ

یہ مسٹر جے، گیاریٹ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کی رپورٹ ہے۔ اس رپورٹ کے موافق اس سال مدارس اور طلباء کی تعداد حسب ذیل تھی :-

مدارس کی تعداد		طلباء کی تعداد
سرکاری مدارس	۹۸	۵۵۲۷
سب تعلق مدارس	۲۳۹	۵۸۳۷
گرانٹ اِن ایڈ (امدادی)	۷۸	۵۷۷۳
	۴۱۵	۱۷۱۳۷

ان میں سے مسلمان ۱۹۹۹ تھے۔ باقی ہندو اور یورپین۔

مدارس کی تفصیل یہ ہے :-

	سرکاری	امدادی
ہائی سکول	۷	۵
مڈل	۱۰	۹
لوئر تعلق	۶۹	۳۶
سب تعلق	۲۳۹	

Annual Report of the Administration of Mysore State 1869-70 "Education"

لڑکیوں کے	۵	۲۸
نارمل	۴	۰
اسپیشل	۳	۰
	۳۳۷	۷۸

اس سال دیہاتی اور ہوبلی مدارس بنانے کی اسکیم میں کافی ترقی ہوئی - پرائیوٹ اسٹی ٹیوشن میں ابتدائی مدارس میں ۱۵ مسلمان لڑکے اور ۳ لڑکیاں زیر تعلیم تھیں -

اس وقت ریاست بھر میں مسلمانوں اور دیگر اقوام کی آبادی حسب ذیل تھی :-

	۱۸۶۸-۶۹ء	۱۸۶۹-۷۰ء
مسلمان	۱۸۲۶۵۴	۱۸۹۲۷۲
ہندو	۳۷۹۳۷۴۴	۳۸۳۹۶۷۹
یورپین اور دوسری اقوام	۲۹۷۱۳	۲۷۸۱۵
	۴۰۰۶۱۱۱	۴۰۵۶۷۶۶

سال گذشتہ کے تمام ہندوستانی مطبعے کام کر رہے تھے - سعید فردی پریس سے ۷۵ ہفتہ وار اخبارات شائع ہوئے - قاسم الاخبار پریس سے ۶ کتابیں جن کی تعداد ۴۲۰۰ تھی شائع ہوئیں اور مطبع سنی پریس سے دس کتابیں ۳۸۰۰ کی تعداد میں چھپیں - ریاست بھر میں گیارہ اینگلو ورناکیولر مدارس تھے، جن میں ۲۸۷ طلباء تعلیم پا رہے تھے - ابتدائی جماعتوں کے مدارس میں چار ہندوستانی مدرسے شامل تھے، جن میں سے شہر کولار کا مدرسہ بہترین تھا -

ہر ہوبلی میں کئی دیہات شامل تھے - میسور میں ایسی ہوبلیوں کی

تعداد ۶۲۵ تھی ۔ اس سال ۱۶۸ مدارس کھولے گئے ۔ اس قسم کے لڑکیوں کے مدارس بنگلور ، چنتامنی ، سرینواس پور ، ماگڑی اور ہاسن میں تھے ۔ ان کے علاوہ نارمل سکول ، انجینرنگ سکول ، جیل سکول اور دوسرے خانگی مدارس قائم تھے جن کو سرکار کی سرپرستی حاصل تھی ۔ سرکاری مدارس میں تعلیم پانے والے لڑکوں کی تعداد حسب ذیل تھی ۔

سرکاری مدارس میں مسلمان لڑکے

۷ ہائی سکول	۲۶
۱۰ مڈل سکول	۴۱
۶۹ لور تعلق	۳۱۴
۲۳۹ لور ہوبلی	..
۵ لڑکیوں کے مدارس	
نارمل	۱۴
	۳۹۵

سرکار کی سرپرستی میں پرائیوٹ مدارس میں تعلیم پانے والے لڑکے

۵ ہائی سکول	۱۷
۹ مڈل سکول	۱۰
۳۶ لور سکول	۱۲۸۴
۲۸ لڑکیوں کے سکول	۲۰۲
	۱۵۱۳

جملہ ۱۹۰۸ مسلمان طلباء ریاست بھر کے مختلف مدارس میں تعلیم پا رہے تھے ۔ عوام کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے پر زور دیا جاتا تھا اور ان کی زبانوں میں نصاب کی کتابیں لکھی جاتی تھیں ۔

رپورٹ[1] ۱۸۷۰-۷۱ء اس سال کی ۴۲۷۳۵۴۴ کی جملہ آبادی میں سے مسلمان ۲۰۶۷۸۱ تھے اور باقی دوسری اقوام - لوئر سکنڈری مدارس میں ۵۵ مسلمان لڑکے اور تین مسلمان لڑکیاں تعلیم پارہی تھیں - کالج یا ہائی سکول میں کوئی مسلمان نہیں تھا - اُردو زبان کے پریسوں کی تفصیل یہ ہے :

(۱) فردوسی پریس : اس پریس سے تعلیم نامہ ، مبادئ الحساب حصۂ دوم ، اندرسبھا ، ہندی گلستان ، نظم مخارج ، نیرنگِ عشق ، دیوانِ لطیف ، قرأت الفرقان ، ہندوستانی ٹیچر ، روح الایمان ، مصباح الحیات ، اُردو کی پہلی کتاب ، آداب النساء ، تحریراتِ نعر برہند ، قصۂ دائی حلیمہ اور مراۃ الفقہ شائع ہوئیں -

قاسم الاخبار پریس سے ۸۰ پرچے ہفتہ وار رسائل کے نکلے - ان کے علاوہ سلطان پریس ، باقی پریس ، مہتابی نبوی پریس تھے - اس سال مسلمانوں کے ۱۸ مدرسوں کو سرکار سے مدد دی گئی - نارمل سکول بنگلور میں کنڑی اور ہندوستانی دونوں شاخیں قائم تھیں - ۱۸۶۲ء کا قائم کردہ مُسلم کتب خانہ بنگلور میں چل رہا تھا - اس میں فارسی اور اُردو کی کتابیں رکھی گئی تھیں - چندہ دینے والوں کو یہ کتابیں مستعار دی جاتی تھیں -

رپورٹ[2] ۱۸۷۱-۷۲ء اس سال ریاست میں سرکاری امدادی اور غیر امدادی مدارس کی تعداد ۲۶۸۳ تھی مدارس کے لئے جملہ امدادی رقم ۳۹۶۶۲ جو منظور کی گئی تھی ، اس میں سے

---

[1] Annual Report of The Administration of Mysore for The year 1870-71 Education

[2] Annual Report of The Administration of Mysore for The year 1871-72 Education

اُردو مدارس کی ۲۴۸۲۲ روپے سے مدد کی جاتی تھی -. جملہ ۱۸ ہندوستانی مدرسوں کو سرکار سے مدد ملتی تھی - لڑکیوں کے سرکاری و امدادی مدارس میں ۱۵۹ مسلمان لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں -

۱۸۷۱ء مورخہ ۷ راگست کے شملہ رزبولیشن کے مطابق اِس سال مسلمانوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی جا رہی تھی - میسور کے مسلمان ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کی مانند سرکاری مدارس سے مستفید نہیں ہو رہے تھے، لہٰذا انھیں کے ہندوستانی مدارس کو بہتر بنانے اور مسلمانوں کی حاضری بڑھانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں -

رپورٹ ۱۸۷۲ء-۷۳[1] اس سال کے مدارس کی تعداد حسب ذیل تھی ۔

سرکاری	۶۵۹
امدادی	۹۸
غیر امدادی	۱۴۹۳
جملہ	۲۲۵۰

ان میں ۴۴،۴۷۲ طلباء زیرِ تعلیم تھے، جن میں سے ۲،۸۰۸ مسلمان تھے - اس سال راَئس دوبارہ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے عہدے پر فائز کیئے گئے تھے - اس سال ۔ نئے ہندوستانی مدرسے کھولے گئے - اس رپورٹ کے صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہے " پچھلے تین چار سال سے ریاست بھر میں ہندوستانی مدارس کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے - ان مدارس کے معائنہ کے لئے اب صرف ایک مسلمان سب ڈپٹی انسپکٹر ہے - بہتر ہے کہ سٹاف میں اور مسلمان داخل کر لئے جائیں تاکہ ان تمام مدارس کا بہتر طریقہ پر معائنہ ہو سکے "

---

[1] Administration Report 1872-73

مختلف مدارس کو سرکار کی طرف سے ۳۹۱۰۹ روپے کی رقم بطور امداد دی گئی۔ اس میں مسلمانوں کے مدارس کو ۵۲۴۳ روپے دیئے گئے تھے۔

نیز اس رپورٹ میں لکھا ہے کہ اس وقت ہندوستانی زبان دکنی کی شکل میں تمام مسلمان جن کی آبادی تقریباً پانچ فیصدی ہے بولتے ہیں۔ ہندوستانی مدارس کی تعداد سرکار کی طرف سے ۱۲ ہے۔ ریاست بھر کی آبادی میں مسلمان ۴۰۷ فیصدی ہیں لیکن چونکہ وہ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں کسی خاص ضلع میں جمع نہیں ہیں، اس لئے ان کے مدارس کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے مقرر نہیں کی جاسکتی۔ نیز مسلمانوں کی زبان اور کنڑی و تلگو زبانوں میں زیادہ اختلاف ہونے کی وجہ سے مسلمان ان مدارس سے کم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ عموماً مسلمان دوسرے مدارس میں جو ان کے لئے خاص نہ کھولے گئے ہوں داخل ہونے کے خواہش مند نہیں ہیں۔"

اُردُو مدارس کے نصاب میں پسندیدہ ہندوستانی و فارسی کتابیں اور کچھ تاریخ و جغرافیہ اور حساب کے مضامین داخل تھے آخری مضامین کی تعلیم کے لئے پنجاب اور شمال مغربی صوبہ جات سے ابتدائی کتابیں حاصل کی جاتی تھیں مسٹر راٹس کی زیر نگرانی ان [illegible] کتابوں سے موافق بنائے جاتے تھے۔ اُردُو مدارس کے اساتذہ کی تربیت کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی اور ریاست میسور کی صوبجاتی زبان کنڑی کی بھی ابتدائی تعلیم ان مدارس میں دی جاتی تھی۔ اس سال ہونلی کے کل مدارس کی تعداد ۵۳۴ ہوگئی۔ ہندوستانی نارمل سکول سے اس سال ۶ طلباء کامیاب ہوئے۔ حساب، تاریخ اور جغرافیہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک اسسٹنٹ ماسٹر مسلمان جو فسٹ آرٹس امتحان میں مدراس یونیورسٹی سے کامیاب

ہوا تھا مقرر کیا گیا تھا - نیز نارمل سکول کے ساتھ ساتھ تربیت پانے والے اساتذہ کے فائدے کے لئے ایک ابتدائی جماعت مسلمان لڑکوں کے لئے کھولی گئی -

ہولے ہنور (ہالے ہنور) کنگیری ، ماگڑی ، داونگرہ ، ماستی ، کونور، نلمنگل ، ہری گمل کے ہندوستانی مدارس کو دس۱۰ روپے سے پندرہ۱۵ روپے تک مدد دی جاتی تھی - ان مدارس میں سرکاری مدارس کا نصاب اور کچھ دینیات کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی رہیں - اس سال اُردو نصاب کی کتابیں بڑی سرعت سے تیار کی جانے لگیں تاکہ آئندہ انھیں کے پڑھانے پر زور دیا جاسکے -

لڑکیوں کے مدارس کو بھی سرکار سے مدد دی جاتی تھی - دو مدارس مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک بنگلور سٹی میں اور دوسرا لشکر میں قائم تھے۔ ان میں ۱۳۵ لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں -

ریاست کے ۱۴۹۳ دوسرے غیر امدادی مدارس میں سے ۶۱ مدرسے مسلمانوں کے تھے - اس سال تیرہ مطابع ریاست میں تھے۔ دو گورنمنٹ ، چار یوروپین اور چار ہندوؤں کے اور تین مسلمانوں کے تھے - دو انگریزی اخباروں کے علاوہ تین ورناکیولر اخبار جو سب کے سب ہندوستانی تھے اس سال جاری رہے - ہندوستانی اخباروں کے نام یہ ہیں :- (۱) قاسم الاخبار (۲) طلسم کرناٹک (۳) میسور اخبار

رپورٹ[۱] سنہ ۱۸۷۳ سنہ ۱۸۷۴

اس سال کے آخر میں ۶۷۰ سرکاری مدارس، ۱۰۴ امدادی، ۱۵۳۶ غیر امدادی، جملہ ۲۳۱۰ مدارس تھے - ان مدارس میں ۳۱۳۱ مسلمان تعلیم پا رہے تھے - لوئر سکنڈری مدارس میں سے ۱۷ ہندوستانی مدارس تھے،

[۱] Administration Report 1873-74

جن میں ۷۷۷ طلباء زیرِ تعلیم تھے۔ ہوبلی کے مدارس میں جو ابتدائی تعلیم کے لئے کھولے گئے ان میں ۵ فیصدی مُسلمان تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لڑکیوں کے ۹ مدارس میں جو کولار، بنگلور اور ہاسن میں قائم تھے صرف تین مُسلمان لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔ غیر امدادی مدارس میں سے ۴۷ مُسلمانوں کے مدارس تھے اور پرائمری مدارس میں ۱۶۳۳ مُسلمان لڑکے اور تین مُسلمان لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔ نارمل اسکول میں ۱۳، آرٹس اسکول میں ۳، ٹکنیکل اسکول میں ۳۴، ہائی سکول میں ۵ لڑکے تھے۔ اس سال بحرالاسلام پریس قائم ہُوا اور منشورِ محمدی اخبار نکلنے لگا۔ اس کے علاوہ امسال میسور اخبار کے ۱۵۰ نمبر شائع ہُوئے۔ یہ اخبار مطبع فردوسی سے نکلتا تھا۔ اس کے علاوہ اس مطبع سے مندرجۂ ذیل اُردو کتابیں شائع ہُوئیں :-

تاریخ ہند (۵۰۰ کی تعداد میں) جغرافیہ (۵۰۰) زبدۃ الحساب (۵۰۰) حقائق الموجودات (۶۰۰) پہلی کتاب (۲۰۰۰) تحقیق القوانین (۱۰۰۰) منتخب نحو (۵۰۰) حکایاتِ لطیفہ (۵۰۰) مصباح الصلوٰۃ (۵۰۰) خطبے (۵۰۰) قولِ فیصل (۳۰۰) کتاب النساء (۵۰۰) آداب النساء (۵۰۰) سراج الشہادت (۵۰۰) زواجر (۵۰۰) اخوان الصفا (۵۰۰) کلمہ (۵۰۰) آمدن (۵۰۰) چہار کرسی احمد خاں شیرانی (۵۰۰) چہل سبق (۱۰۰۰) قواعدِ بغدادی (۱۰۰۰) الحمد (۱۰۰۰) الف لام میم (۱۰۰۰) قاسم الاسلام (۲۵۰) تعلیم نامہ حصّہ دوم (۵۰۰) سبیل الجنان (۵۰۰) قاسم الاخبار پریس سے قاسم الاخبار کے ۲۵۰ نمبر ہندوستانی زبان میں شائع ہُوئے۔

۱۸۷۴ء ـ ۱۸۷۵ء اس سال ۳۳۳۸ مسلمان زیرِ تعلیم تھے۔ ریاست میں تقریباً ۲۱۴۴ مدرسے قائم تھے۔ اس سال مدارس وسطانیہ کے لئے امتحان رکھا گیا اور سرکاری ملازم کے لئے جس کی تنخواہ بیس روپے سے زائد ہو اس میں کامیاب ہونا لازمی قرار پایا۔ امتحان کے لئے خوش خط، املا، قانون، حساب، تاریخ اور جغرافیہ کے مضمون تھے۔ ہر سال نومبر میں یہ امتحان بنگلور، میسور اور کولار میں رکھا جاتا تھا۔ لڑکیوں کے ۹ مدارس میں ابھی تک صرف چند مسلمان لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ہاسن، چنتامنی، کلوس پیٹ، ماگڑی اور سری نواس پور میں لڑکیوں کے لئے ابتدائی مدارس تھے۔ تعلیم عام ہوتی جارہی تھی۔ اس سال لڑکیوں کے خانگی مدارس جن کو گورنمنٹ سے کچھ مدد نہ دی جاتی تھی ریاست بھر میں چالیس[۱] چل رہے تھے۔

اس سال قاسم الاخبار چامراج پریس سے ۳۱۲ کی تعداد میں چھپا۔ اسی پریس سے ہدایت المسلمین نامی ایک کتاب کی ۳۰۰ جلدیں شائع ہوئیں۔ مطبع بحر الاسلام سے منشورِ محمدی ہر ماہ تین مرتبہ نکلتا رہا اور اس پریس سے دوسرا اخبار "بنگلور گارڈین" ننتو کی تعداد میں چھپا۔ ان کے علاوہ حسبِ ذیل کتابیں اس پریس میں چھپیں :- اظہارِ حقیقت (۲۵۰) سنت الایمان (۳۰۰) فتوی دہلی (۳۰۰) فردوس پریس سے میسور اخبار اردو میں ۳۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا اور اسی پریس سے حسبِ ذیل کتابیں چھپیں :- تعلیم نامہ (۱۰۰۰) روح الایمان (۱۰۰۰) دیوانِ وہیں (۲۵۰) حساب الاعمال (۴۰۰) پارۂ عم (۱۵۰) ہدایۂ مہدویہ (۳۰۰)

---

[۱] Annual Report of the Administration of Mysore State of 1874-75 "Education"

رپورٹ ۱۸۷۵ء ۔ ۱۸۷۶ء[1] ابتدائی سنٹرل کالج میں ۸ مسلمان اور راجہ کالج میسور میں ۱۴ مسلمان زیرِ تعلیم تھے ۔ ڈسٹرکٹ مدارس کی اعلیٰ جماعتوں میں ہندوستانی پڑھنے والوں کی تعداد حسبِ ذیل تھی :

چتلدرگ	۲۸
ٹمکور	۵۸
کولار	۶۲
چکمگلور	۵۶

میسور تعلقوں کے مدارس میں ہندوستانی مدارس کی تعداد ۱۷ تھی ۔ ان میں سے بنگلور میں ۴ ، کولار میں ۲ ، ٹمکور میں ۲ ، میسور میں ۳ ، ہاسن میں ایک ، شیموگہ میں ۲ ، کڈور میں ۲ ، چتلدرگ میں ایک تھی ۔ اس سال تین نئے ہندوستانی مدارس کھولے گئے تھے ۔ ہوبلی مدارس میں ۹۸۲ مسلمان زیرِ تعلیم تھے ۔ ہوبلی مدارس کے ساتھ ان کی شاخیں بھی قائم تھیں جو صرف ہندوستانی تعلیم کے لئے مخصوص تھیں ۔ ہندوستانی نارمل سکول بنگلور میں ۱۴ مسلمان اور ہوبلی ماسٹرس ٹریننگ سکولوں میں ۱۳ مسلمان زیرِ تربیت تھے ۔ امدادی مدارس میں بشپ کاٹن سکول ، سینٹ انڈریو سکول ، اینگلو ورناکیولر ویسلین انسٹی ٹیوٹ ، لندن مشن انسٹی ٹیوٹ ، ویسلین سکول میسور ، سینٹ جوسف سکول ، سینٹ جان سکول شامل تھے ۔

اینگلو ورناکیولر مدارس میں لندن مشن کنٹونمنٹ سکول ، لندن مشن السور سکول ، سینٹ میری ، سینٹ پیٹرک ، جاگیردار سکول بلندور کو

---

[1] Annual Report of the Administration of Mysore State for the year 1875–76

سرکاری مدد حاصل تھی - فارسی و ہندوستانی مدارس میں بنگلور کا مدرسہ سب سے بڑا تھا - ابتدائی جماعتوں کے امدادی مدارس میں ۱۶ ہندوستانی مدارس شامل تھے ، جن میں ۶۳۶ مسلمان زیرِ تعلیم تھے - ان کے علاوہ متعدد ابتدائی مدارس کو سرکار کی طرف سے مدد دی جاتی تھی -

اس سال فردوسی پریس سے ۱۷۴۰۰ کی تعداد میں کتابیں چھپیں - اس پریس کے مالک حافظ سید محمد تھے - نبوی پریس سے جس کے مالک منشی سید پاشاہ قادری تھے طلسم کرزنان مہینہ میں دو مرتبہ چھپتا رہا - اس کے علاوہ مندرجۂ ذیل کتابیں اس پریس سے شائع ہوئیں :- عربی حرف تہجی (۵۰۰) فہرست کتب (۱۱۰) قاعدہ بغدادی (۵۰۰) فہرست کتب (۲۰۰) عقاید محمدی (۵۰۰) پڑھنے کی پہلی کتاب (۱۱۰۰) پڑھنے کی دوسری کتاب (۵۰۰) ضرور المسلمین (۵۰۰) پڑھنے کی پہلی کتاب دوسرا ایڈیشن (۱۰۰۰) اور باقی دوسری متفرق چھوٹی کتابیں شائع ہوئیں - قاسم الاخبار محمد قاسم کے اہتمام سے چامراج پریس سے شائع ہوتا رہا -

۱۸۷۶ - ۷۷ء[1] اس سال قحط کی وجہ سے عوامی تعلیم کی سکیم چلانے میں دِقّت ہوئی تاہم متعدد ہندوستانی مدارس سلحدار اور فوج کے فائدے کے لئے ان کی قیام گاہوں اور چھاؤنیوں سے ملے جلے کھولے گئے - سنٹرل کالج بنگلور میں تین مسلمان زیرِ تعلیم تھے - راجہ ہائی سکول میں ۱۰ مسلمان اور شیموگہ ہائی سکول میں ۲ مسلمان تعلیم پا رہے تھے - ابتدائی جماعتوں کے مدارس میں سے گورنمنٹ تعلق مدارس ۷۵ تھے ، جن میں ہندوستانی کے ۲۵ مدرسے تھے -

[1] Annual Report of the Administration of Mysore State 1876-77 Education

ہوبلی مدارس میں ۸۶۰ مسلمان زیرِ تعلیم تھے۔ اس سال کنٹری اور ہندوستانی کتابیں جو تعلیمی صیغہ کے لئے طبع ہوئیں ان کی تعداد دس ہزار تھی اور مندرجۂ ذیل اُردو پریس بنگلور میں کام کر رہے تھے۔

پریس	مالک	اخبار
بحرالاسلام پریس	محمد شریف	منشور محمدی
چامراج پریس	محمد قاسم غم	قاسم الاخبار
مطبع محمدی	مولوی عبدالقادر	
فردوسی پریس	حافظ سید محمد	

(یہ پریس اور اخبار ۱۸۸۱ء کے آخر تک قائم رہے)

۱۸۷۷ء - ۱۸۷۸ء[1] اس سال گورنمنٹ اور امدادی مدارس میں ۳۴۹۱ مسلمان زیرِ تعلیم تھے۔

اُردو کے اساتذہ کے لئے ایک نارمل سکول کے قیام کی کوشش کی جارہی تھی۔ اس سال کی خصوصیت یہ کہ ہر ہوبلی یا تعلق کے سب ڈویژن میں ایک مدرسہ کی تعمیر ہوئی۔ عوام کے لئے تعلیم عام کر دی گئی، حالانکہ اس سے پہلے بھی ملک بھر میں خانگی مدارس کا جال بچھا ہوا تھا، تاہم ہوبلی مدارس کے قیام کی وجہ سے تعلیم منظم صورت میں ہونے لگی۔ اساتذہ کو وظیفہ دے کر تربیت دی جاتی تھی۔ متعدد وظائف کالج ہائی سکول اور دیسی مدارس کے طالب العلموں کے لئے منظور کئے گئے۔

۱۸۷۸ء - ۱۸۷۹ء[2] : تعلقوں کے پرائمری مدرسوں میں ۲۶ ہندوستانی مدارس تھے، جن میں ۹۸۲ طلباء زیرِ تعلیم تھے۔

---

1. Annual Report of The Administration of Mysore State for The year 1877-78
2. Annual Report 1878-79

ہوبلی مدارس جن کی تعداد ۹۵۳ تھی - اس میں ۵۸۷ مسلمان تعلیم پا رہے تھے - ہندوستانی نارمل سکول بنگلور سے پانچ مسلمان طلباء میں سے دو کامیاب ہوئے - اس سال انگریزی ہائی سکول میں ۱۲ ، انگریزی مڈل سکول میں ۱۷ اور ورناکیولر مڈل سکول میں ۱۴۷ ، پرائمری انگریزی جماعت میں ۱۱۲ اور ورناکیولر جماعت میں ۳۰۲۵ اور پرائمری لڑکیوں کے مدارس ورناکیولر میں ۱۳۷ ، نارمل سکول میں ۴ اور صنعتی مدرسہ میں ۳۰۰۱۰ مسلمان زیرِ تعلیم تھے -

۱۸۷۹ء - ۱۸۸۰ء[1] اس سال ریاست کے گورنمنٹ اور امدادی مدارس میں مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل تھی :

مسلمان لڑکے : انگریزی پرائمری جماعت میں ۹۵ ، انگریزی ہائی سکول میں ۱۵ ، انگریزی وسطانیہ مدارس میں ۴۷ ، ورناکیولر میں ۱۰۹ اور پرائمری ورناکیولر میں ۳۰۴۳ ، انڈسٹری سکول میں ۴۲ طلبہ زیرِ تعلیم تھے -

لڑکیاں :- صرف ورناکیولر پرائمری مدارس میں ۲۶۷ تھیں -

جملہ ۳۶۲۸ مسلمان زیرِ تعلیم تھے - تقریباً ۲۵ لڑکیاں - بنگلور، کولار اور سلگنڈ تعلق کے ابتدائی ہندوستانی مدارس میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی تھیں - سرکار کی طرف سے مسلمانوں کے مدرسوں کو ۵۳۸۹ روپے کی رقم بطورِ مدد منظور کی گئی - ان مدارس میں ۵۴۹۴ طلباء ہندوستانی زبان سیکھتے تھے -

۱۸۸۰ء - ۱۸۸۱ء[2] اس سال مہارانی سکول قائم ہوا -

اس سال متعدد ہندوستانی کتابیں رجسٹر

---

[1] Annual Report 1879-80

[2] Annual Report of the Administration of Mysore State 1880-81

ہوئیں، جن میں صحیح بخاری پر تبصرہ اور فیض الباری کی دو جلدیں شامل تھیں۔ اس سال مدارس میں مسلمانوں کی تعداد ۴۲۳۰ تھی، جس کی تفصیل یہ ہے:

ثانوی تعلیم

ہائی سکول		مڈل سکول	
انگریزی	مادری زبان	انگریزی	مادری زبان
۹	-	۵۷	۹۹

پرائمری تعلیم		صنعتی تعلیم		
انگریزی	مادری زبان	انجینرنگ سکول	میڈیکل	صنعتی مدارس
۸۹	۳۸۱۶	۱	۱	۱۰۱

ان کے علاوہ ۱۵۷ لڑکیاں پرائمری ورناکیولر مدارس میں زیرِ تعلیم تھیں۔
۱۸۸۱ء میں میسور میں عہدِ کمیشن ختم ہوتا ہے۔

عہدِ چامراجندر اوڈیر کی تعلیمی حالت:

چامراجندر اوڈیر کے سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد ۲۵ مارچ ۱۸۸۱ء میں ریاستِ میسور ان کے حوالہ کی گئی۔ فروری ۱۸۸۲ء سے کورگ کے مدارس سے میسور کے تعلیمی ادارہ کو الگ کر دیا گیا۔ ۱۸۸۴ء میں مدارس کے معیارِ تعلیم پر دوبارہ غور کیا گیا اور انگریزی پڑھنے سے پہلے ورناکیولر میں درجۂ دوم میں کامیاب ہونا لازمی قرار دیا گیا۔

تین سال صرف ورناکیولر کی تعلیم، پھر آٹھ سال اینگلو ورناکیولر کی تعلیم میٹرک سے پہلے ضروری سمجھی گئی۔ ہبلی کے مدارس کی نگرانی کے لئے

نئی کمیٹیاں بنائی گئیں اور ان کے فرائض متعین کئے گئے۔ ۱۸۹۱ء میں لور سکنڈری کا امتحان، انگریزی، سنسکرت اور دوسری مقامی زبانوں میں رکھا گیا اور اپر سکنڈری امتحان اور پھر ٹیچرس سرٹیفکٹ امتحانات مقرر کئے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں ایک اور نارمل سکول کھولا گیا، جس میں ۹۴ ہندو اور ۳۳ مسلمان زیر تعلیم تھے۔ ۱۸۹۵ء میں ریاست بھر کے کل مدارس کی تعداد حسب ذیل تھی :-

لڑکوں کے مڈل سکول (انگلش)	سرکاری ۶۴	امدادی ۱۵	غیرامدادی ۱
" " (ورناکیولر)	" ۷۷	" ۱۱	" -
لڑکیوں کے " (انگلش)	" -	" ۵	" ۳۷
" " (ورناکیولر)	" ۴	" ۵	" -

پرائمری مدارس (سرکاری، امدادی وغیرامدادی)، لڑکوں کے لئے ۴۹۵۹۵ اور لڑکیوں کے لئے ۱۵۱۷ تھے۔ مڈل سکولوں میں اکثر کنڑی یا ہندوستانی اور کچھ انگریزی سکھائی جاتی تھی۔ مسلمانوں سے صرف آدھی فیس لی جاتی تھی۔ پرائمری مدارس میں کنڑی کے علاوہ بہت سے ہندوستانی اور تلگو مدارس شامل تھے۔ نائٹ سکول بالغوں کی تعلیم کے لئے موجود تھے۔

لڑکیوں کی تعلیم میں ہر سال اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ۱۸۸۱ء میں مہارانی سکول قائم ہوا تھا۔ ۱۸۹۱ء میں سرکار نے اس کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ بنگلور اور میسور میں مدراس یونیورسٹی کے امتحانات ہوتے تھے۔

۱۸۹۴ء میں مہاراجہ کا انتقال ہوا اور کرشنا راج وڈیر چہارم اس وقت دس سال کی عمر کے تھے، لہٰذا رانی کو ریجنٹ بنایا گیا اور تین کونسلران کی مدد کے لئے مقرر کئے گئے جو دیوان کے ماتحت کام کرتے تھے۔ آٹھ سال تک یہی حالت رہی۔ اس زمانہ میں بھی تعلیم میں کافی ترقی ہوئی۔

مدارس کی تعداد جو ۱۸۹۴-۹۵ء کے آخر میں ۱۷۶۷ تھی، ۱۹۰۰-۱۹۰۱ء تک ۲۲۳۱ تک پہنچ گئی۔ رعایا کی تعلیم پر ساڑھے گیارہ لاکھ روپے سالانہ خرچ کئے جاتے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں مہارانی ہائی سکول میں دو درجے بڑھا کر انٹرمیڈیٹ کالج بنا دیا گیا۔ بنگلور اور میسور میں طلباء کی رہائش گاہیں بنائی گئیں۔ الکٹرک انجینرنگ کی تعلیم کے لئے وظیفہ دے کر چار طلباء کو امریکہ بھیجا گیا اور استانیوں کی تنخواہیں بڑھائی گئیں۔

میسور کی تعلیمی ترقی مہاراجہ کرشناراج وڈیر کے عہد میں ۱۹۵۵ تک

۸ اگست ۱۹۰۲ء سے مہاراجہ کرشناراج وڈیر بہادر کا عہد حکومت شروع ہوتا ہے۔

۱۹۰۳-۴ء کی رپورٹ[1] حسب ذیل ہے:

اس سال ریاست کے مختلف حصوں میں صنعت و حرفت کے سکول کھولے گئے لور پرائمری اور اپر پرائمری ہندوستانی دیہاتی مدارس میں نصاب تعلیم دہرایا گیا اور فارسی کی بجائے کنڑی زبان کا سیکھنا ضروری قرار دیا گیا اور زراعت سے متعلق ایک اردو کتاب پہلی اور دوسری جماعتوں کے لئے اردو کے طلبا کے فائدے کے لئے داخلِ نصاب کی گئی۔ ۷ وظیفے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم پانے والے میسوری مسلمان طلبہ کے لئے منظور کئے گئے۔ خانگی اور عام مدارس کی جملہ تعداد ریاست بھر میں ۳۷۹۸ تھی۔ کالجوں، ہائی سکولوں، مڈل سکولوں، پرائمری اور نارمل سنسکرت، تجارتی، انجینرنگ اور اندھے اور بہروں کے مدارس کے علاوہ ریاست بھر میں بہت سے خانگی مدارس لڑکے اور لڑکیوں کے لئے

[1] Annual Report of The Administration of Mysore, 1903-04

قائم تھے۔ اس سال ۵ اینگلو ہندوستانی (اُردو) اور ۴۳ ہندوستانی (اُردو) مڈل سکول کام کر رہے تھے، جن میں ۲۲۱۷ طلباء زیرِ تعلیم تھے۔ ۲۳۸ ہندوستانی پرائمری مدارس میں ۶۷۶۴ طالب علم تھے۔ خانگی مدارس میں سے ۶ مدارس میں فارسی، عربی اور دوسری مشرقی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۱ مدارس میں قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا۔ پبلک سکولوں میں مجملہ ۹۴۳۹۸ طلباء میں سے ۱۲۳۲ عربی اور ۴۱۳ فارسی زبان پڑھتے تھے۔ ۸۷۷۲۲ صرف ایک زبان پڑھنے والے طلباء میں سے ۹۵۴۹ ہندوستانی زبان سیکھتے تھے۔ خانگی مدارس میں تعلیم پانے والے ۱۸۴۸۲ طلباء میں سے ۱۷۰ عربی اور فارسی اور ۶۲۷ ہندوستانی زبان سیکھ رہے تھے۔

گورنمنٹ کے چار نارمل مدارس میں سے میسور نارمل سکول میں اُردو میں مولوی اور کنڑی زبان میں پنڈت کے امتحانات کے لئے طلباء کو تیار کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اپر سکنڈری گریڈ کی سرٹیفکٹ بھی اس امتحان میں کامیابی کے بعد دی جاتی تھی۔ ریاست میں ۱۷ لڑکوں کی اور ۴ لڑکیوں کی اقامت گاہیں تھیں۔ اس سال ایک مسلمان نے شعبۂ سائنس میں بی۔ اے ڈگری میں کامیابی حاصل کی۔

انگریزی زبان کے شعبہ میں ۲ مُسلمان لڑکے کامیاب ہُوئے۔ ثانوی زبان کے شعبہ میں تین مُسلمانوں نے کامیابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ بی۔ اے فرسٹ آرٹس کی جماعت میں ایک، مولوی امتحان میں تین، میٹرک کے امتحان میں ایک، انگریزی لوئر سکنڈری میں ۱۱، ورناکیولر لوئر سکنڈری میں تین، ٹریننگ سکول آف ماسٹرز میں (معلموں کے تربیتی مدرسہ میں) ایک، انجنیرنگ اور سروے میں تین اور صنعتی مدرسہ میں چار مسلمان کامیاب ہُوئے۔ ۲ مسلمان لڑکیوں نے بھی ورناکیولر لوئر سکنڈری

امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

ریاست بھر میں ۲۸ پریس موجود تھے۔ ان میں سے ۱۴ بنگلور میں، ایک کولار میں، ۱۱ میسور میں، ایک شیموگہ میں اور ایک چتلدرگ ڈسٹرکٹ میں تھا۔ گورنمنٹ گزٹ ملاکر ۶ اخبار اور ۸ رسائل جاری تھے۔[۱]

۱۹۰۴ء سنہ ۱۹۰۵ء

اس سال پبلک مدارس میں ۱۳۲۱۰ اور پرائیوٹ میں ۲۷ مسلمان لڑکے زیرِ تعلیم تھے اور مسلمان لڑکیاں پبلک مدارس میں ۳۱۹۱ اور پرائیوٹ میں ۲۷ تعلیم پا رہی تھیں۔ مدرسہ جانے کی عمر کے مسلمان لڑکوں میں سے ۵۹ء۵۰ فیصدی زیرِ تعلیم تھے اور لڑکیوں میں ۰۶ء۱۷ فیصدی مدرسہ جا رہی تھیں۔ گذشتہ سال کی بہ نسبت اس سال ان کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ ۱۳ مسلمان لڑکے کالج میں، ۱۰۴ ہائی سکول میں اور ۱۰۶۳ اینگلو ورناکیولر مڈل سکول میں، ۲۲۰۵ ورناکیولر مڈل سکول میں اور ۹۴۸۸ پرائمری مدارس میں تعلیم پا رہے تھے۔ ان کے علاوہ ۴۲ ٹریننگ سکول میں، ۴۷ صنعتی مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ مسلمان لڑکیوں میں سے ۳۵۸ مڈل سکول میں، ۲۸۳۳ پرائمری مدارس میں، ۷۲ دوسرے پرائیوٹ مدارس میں پڑھ رہی تھیں۔ ریاستِ میسور میں پانچ اینگلو ہندوستانی مدارس، ایک بنگلور، ایک چن پٹن، ایک کولار، ایک ٹمکور اور ایک میسور میں قائم تھے۔

اس سال مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے کی خاص کوشش کی جا رہی تھی۔ دوسرے وظائف کے علاوہ ۱۶۳۰ روپے ۸ مسلمانوں کو علی گڑھ کالج میں وظائف کے طور پر منظور کئے گئے تھے۔ ریاست میں مسلمانوں کے

---

[۱] Annual Report of The Administration of Mysore State 1904-5

۹۵ اینگلو ہندوستانی مدارس کے علاوہ ۴۲ ہندوستانی مڈل سکول، ۲۳۹ ہندوستانی پرائمری سکول تھے اور ۴۵ دوسرے پبلک مدارس میں انگریزی کے ساتھ کوئی ایک ورناکیولر اختیاری زبان ہوتی تھی - ۶ پرائیوٹ مدارس میں عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی - دو میں قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا - پبلک انسٹی ٹیوشن میں ۵۷۴ عربی کے طلباء اور ۶۰۴ فارسی کے طلباء تھے اور ۱۰۱۳۹ ہندوستانی زبان پڑھتے تھے اس سال ۲ مسلمان بی - اے ڈگری کے امتحان میں کامیاب ہوئے - دو مسلمان لڑکے انگریزی زبان میں - ، ۲ ثانوی زبان میں - ۸ ورناکیولر اپر سکنڈری امتحان میں اور ۴۰ مسلمان کنڑلی لور سکنڈری امتحان میں کامیاب ہوئے - ریاست بھر میں جملہ ۲۶ چھاپہ خانے تھے، جہاں سے ۸ اخبار ، ۱۵ رسالے نکلتے تھے - ۶ خانگی کتب خانوں اور ۴۱ دارالمطالعوں میں سے دو مسلمانوں کے تھے - ان کے علاوہ ایک گورنمنٹ کا کتب خانہ اور میوزیم بنگلور میں اور میسور میں علوم مشرقی کا کتب خانہ (اورنٹیل لائبریری) تھا -

۱۹۰۵ء - ۱۹۰۶ء[1] اس سال ایک مسلمان ڈپٹی انسپکٹر ہندوستانی مدارس کے لئے مقرر کیا گیا اور ایک اُردو اسسٹنٹ ڈپٹی انسپکٹر کا عہدہ انھیں مدارس کے معائنہ کے لئے منظور کیا گیا - ریاست بھر میں جملہ ۲۲۷۱ مدارس تھے اور ان میں ۱۵۲۷۲ مسلمان تعلیم پا رہے تھے - ۱۹۶۴۹ لڑکیوں میں سے ۳۵۲۰ مسلمان طالبات تھیں - آبادی کے لحاظ سے مسلمان لڑکے ۵٫۶۹ اور مسلمان لڑکیاں ۲٫۷۶ فیصدی زیر تعلیم تھیں - مسلمانوں کے ۵ اینگلو ورناکیولر

[1] Annual Report of the Administration of Mysore for the Year 1905–6 Page 70 Education.

مدارس میں ۵۷۳ طلباء تھے۔ ۴۳ ہندوستانی مڈل سکولوں میں ۲۴۷۱ متعلم تھے۔ مسلمان لڑکیوں کے لئے ۵ مڈل سکول اور ۶۶ پرائمری اسکول اُردو کے تھے، جن میں ۴۱۴ اور ۲۲۴۹ لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔ (ان کے علاوہ ہندو مسلمانوں کے کل ۱۸۲۲ خانگی مدارس تھے۔)

چار مدارس قرآن پڑھانے کے لئے وقف تھے۔ خانگی مدارس میں ۳۹ طلباء عربی زبان، ۱۱۷ طلباء فارسی زبان، ۴۲۳ طلباء ہندوستانی زبان سیکھے۔ مولوی کے امتحان میں عربی و فارسی کے تین طلباء کامیاب ہوئے۔ ریاست بھر میں ۲۹ چھاپہ خانے تھے جہاں سے ۸ اخبار اور ۱۷ رسائل نکلتے تھے۔ ان میں صرف ایک اُردو اخبار تھا۔

ادرنٹیل لائبریری، ایجوکیشنل لائبریری، میوزیم لائبریری، سنٹرل بک ڈپو قائم تھے۔

۱۹۰۷ء ۱۹۰۸ء

بیسویں صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۱ء میں ریاستِ میسور کی آبادی ۵۴،۴۹،۸۰۰ تھی، جس میں ۹۲.۶۳ فیصدی ہندو اور ۴.۹۲ فی صدی مسلمان اور ۰.۹۱ فی صدی عیسائی اور باقی دوسری اقوام تھیں۔ اس سال دیہاتوں میں ابتدائی اور اپر پرائمری مدارس کی تعلیم بلا فیس کر دی گئی اور اس سال کے آخر میں ریاست بھر میں ابتدائی ورناکیولر کی تعلیم کے لئے بھی فیس نکال دی گئی۔ پبلک مدارس کی تعداد ۲۲۷۹ سے ۲۳۶۶ کر دی گئی، جن میں ۱۵۴۸۱ مسلمان تعلیم پاتے تھے۔ مسلمان آبادی کے لحاظ سے ۵.۷۷ فی صدی تعلیم پا رہے تھے اور ۱۹۰۹۹ جملہ لڑکیوں میں ۳۵۸۱ مسلمان لڑکیاں

ا۔ Annual Report of The Administration of Mysore state for The year 1907-8, page 71 to 79 Education

تھیں - مسلمان لڑکیوں میں ۲۶۸ فیصدی لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں۔ مسلمان لڑکوں کے لئے ۶ اینگلو ہندوستانی مدارس میں ۷۵۵ طلباء زیرِ تعلیم تھے۔

۴۶ مڈل سکولوں میں ۲٫۵۰۸ مسلمان اور ۱۷۳ ہندوستانی ابتدائی مدارس میں ۵۱۰۵ طالب علم تھے - مسلمان لڑکیوں کے لئے ۷ مڈل سکول تھے، جن میں ۴۲۵ طالبات تھیں اور ۶۸ پرائمری سکول تھے، جن میں ۲۲۹۷ لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں - پانچ خانگی مدارس میں قرآن پڑھایا جاتا تھا - سات مسلمان لڑکے علی گڑھ کالج میں ۲۵ روپے ماہانہ وظائف سے تعلیم پاتے تھے -

۱۹۱۲ء - ۱۹۱۳ء اس سال حکومت کی طرف سے ڈھائی لاکھ روپے ابتدائی تعلیم کے لئے منظور کئے گئے - ۱۹۰۸ء سے مدارس میں مذہبی و اخلاقی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا - اس سال پبلک اداروں کی تعداد ۲۵۶۷ سے ۲۷۲۵ تک بڑھ گئی اور خانگی اداروں کی تعداد ۱۹۱۱ سے گھٹ کر ۱۸۴۳ رہ گئی -

اس سال پبلک اور پرائیوٹ اداروں میں ۱۵۶۴۴۰ طلباء زیرِ تعلیم تھے - لڑکوں کے کُل مدارس ۲۳۶۵ اور لڑکیوں کے ۳۶۰ تھے جن میں ۲۰۵۳۷ مسلمان لڑکے اور ۱۴۸۱۵ مسلمان لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں - آبادی کے لحاظ سے ۶۵ء۷ فی صدی مسلمان تعلیم حاصل کر رہے تھے - مسلمان لڑکوں کے لئے حسبِ ذیل مدارس ریاست میں قائم تھے :-

۸ اینگلو ہندوستانی مدارس، ان میں ۱۱۵۷ طلباء تعلیم پا رہے تھے -
۴۸ ہندوستانی مڈل سکول ۳۵۴۹ طلباء داخل تھے - ان میں ۵۵ لڑکیاں تھیں -
۱۹۸ ہندوستانی پرائمری سکولس ۶۰۳۵ لڑکے اور ۹۷۰ لڑکیاں تھیں -

مُسلمان لڑکیوں کے مدارس : ۲۷ ہندوستانی مڈل سکول تھے، جن میں ۱۸۷۰ طالبات تھیں۔

۶۷ ابتدائی مدارس میں ۲۴۷۷ لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں۔

ان کے علاوہ متعدد خانگی مدارس میں اُردو زبان اور عربی پڑھائی جاتی تھی۔ نیز ریاست بھر میں صنعتی مدارس، نارمل سکولس، اندھوں اور بہروں کے مدرسے، جیل میں مرد اور عورتوں کے لئے متعدد مدارس جاری تھے۔

اس سال رسالۂ صُبح بہار کی ۷۵ جلدیں سرکار نے ۲۲۵ روپے میں خریدیں۔ یہ روپیہ مصنفوں کی حوصلہ افزائی کی مد میں سے خرچ کیا گیا۔

۵۳ چھاپہ خانے تھے۔ ۸ اخبار اور ۳۳ رسالے نکلتے تھے۔ ان میں ایک اُردو زبان میں تھا۔

۱۹۱۷ء - ۱۹۱۸ء[1] : اس سال عام پبلک مدارس کی تعداد ۹۶۳۳ ہوگئی، جن میں ۳۳۸۸۷۲ طلباء تھے۔ پرائیوٹ اسکولوں کی تعداد ۱۷۶۴ سے گھٹ کر ۱۱۰۷ رہ گئی۔

سرکاری اور خانگی مدارس میں ۲۱۴۵۴ مُسلمان تعلیم پا رہے تھے۔ ۱۲،۴۵ فی صدی مُسلم آبادی کے لحاظ سے تعلیم پا رہے تھے اور لڑکیاں ۷،۴ فی صدی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

پبلک مدارس میں ۹۹۴۹ مسلمان طلباء اُردو پڑھتے تھے۔ مُسلمان

---

[1] Annual Report of The Administration of Mysore State of 1917-18. Education

لڑکوں کے لئے ۶ اینگلو ہندوستانی مدارس تھے جن میں ۹۶۶ طلباء زیر تعلیم تھے۔

ان کے علاوہ ان کے لئے ۵۵ اُردو مڈل سکولز تھے اور ان میں ۵۱۳۷ طلباء زیر تعلیم تھے۔

نیز ان کے لئے ۶۰۰ پرائمری ہندوستانی سکولز میں ۱۸۹۸۲ لڑکے پڑھ رہے تھے۔

مسلمان لڑکیوں کے لئے ۳۲ مڈل سکول قائم تھے، جن میں ۲،۵۲۰ لڑکیاں زیر تعلیم تھیں۔

نیز ان کے لئے ۱۲۲ اُردو پرائمری مدارس میں ۴۲۲۱ لڑکیاں پڑھ رہی تھیں۔

اُردو مدارس کے علاوہ ۹۷۹۸ مسلمان دوسرے مدارس میں تعلیم پاتے تھے۔ اس سال ۳۹ وظائف مُسلمان لڑکوں کو دیئے گئے۔ گنبد فنڈ سے ۵ وظیفے اور ۳ وظیفے ۲۵ روپے ماہانہ کے علیگڑھ کالج میں تعلیم پانے کے لئے دیئے گئے۔ نیز دس وظیفے مُسلمان طالبات کو گنبد فنڈ سے اُردو مدرسہ کی پانچویں جماعت میں دیئے گئے۔ ریاست بھر میں ۶۴ پریس قائم تھے۔ اس سال ۱۱ اخبار اور ۳۸ رسائل جاری تھے، جن میں صرف ۲ اُردو زبان میں تھے۔

۱۹۱۸ء - ۱۹۱۹ء[ا]

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء میں میسور یونیورسٹی کی تقسیم اسناد کا پہلا جلسہ مہاراجہ میسور کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سر اسوتس مکرجی نے ڈگری یافتگاں کو مخاطب کیا تھا اور اسی سال سر خان بہادر حاجی اسمٰعیل سیٹھ نے ۲۰،۰۰۰ روپے کا

ا۔ The Report of The Administration of Mysore for The year 1918-19 page 81

عطیہ اُردُو و فارسی زبانوں کی ترویج کی غرض سے طلبہ کو وظیفے دینے کے لئے عنایت کیا۔ اس وقت ۵۵ ہندوستانی مڈل سکول مُسلمان لڑکوں کے لئے اور ۲۸ مُسلمان لڑکیوں کے لئے تھے۔ جملہ ۲۹،۷۱۵ مُسلمان ہندوستانی مدرسوں میں تعلیم پاتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسری اقوام کے مدارس میں تعلیم پانے والے مُسلمانوں کی تعداد ۹۲۲۶ تھی۔ ان میں سے ۷ کالجوں میں تھے۔ ۳۳۹ ہائی سکولوں میں اور ۱۰،۰۲۱ مڈل سکول، اور ۲۷،۳۸۴ پرائمری مدارس میں اور ۱۵۰،۱ ٹکنیکل سکولوں میں تعلیم پا رہے تھے۔

لڑکیوں کے کُل ۶۳۰. مدارس میں سے ۴۹۵ میں کنڑی، اور ۱۳۳ میں ہندوستانی اور دو میں مرہٹی زبانیں مروج تھیں۔ ان کے علاوہ قریوں میں پرائیوٹ مدارس میں سے چھ خاص مُسلمانوں کے تھے، جن میں اُردُو زبان سکھائی جاتی تھی۔

اس سال مولوی کے امتحان میں چار اور اپر سکنڈری امتحان میں چار طلبہ نے کامیابی حاصل کی۔ اور ۱۸ مسلمان میٹرک میں، ۲۲۹ مڈل سکول میں، ۴۵ ٹیچرس سرٹیفکٹ امتحان میں کامیاب ہُوئے۔

اس سال گنبد فنڈ میں سے ۱۳ وظیفے ۳ سے لے کر ۹ روپے تک اُردُو زبان سیکھنے والوں کو دئے گئے۔ نیز تین سرکاری وظیفے ۲۵ روپے ماہانہ تین میسوری مُسلمان لڑکوں کو جو مُسلمانوں کے اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ میں تعلیم پا رہے تھے دئے گئے۔

۱۹۲۳ء – ۱۹۲۴ء[1] گذشتہ پانچ سال میں ریاست میسور میں انگریزی کے ساتھ ساتھ دوسری

---

[1] Mysore Administration Report 1923–24, page 67

ورناکیولر زبانوں کی تعلیم میں بھی نمایاں ترقی ہوئی - لڑکیوں کی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی ۱۹۲۴ء کے مختلف امتحانوں میں کافی لڑکیوں نے شمولیت کی - اس سال پہلی مسلمان لڑکی میٹرک میں کامیاب ہوئی۔ ورناکیولر لور سکنڈری امتحان میں ۷۹ مسلمان لڑکیاں کامیاب ہوئیں۔ ٹیچرس سرٹیفکٹ امتحان میں ۱۰ مسلمان لڑکیوں نے کامیابی حاصل کی -

اس سال ایک اڈویزری کمیٹی ریاست میں مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی کے لئے بنائی گئی - اُردُو مدارس کی کُل تعداد ۱۰۳۳ تھی جن میں ۳۳،۷۳۶ مُسلمان تعلیم پا رہے تھے - لڑکوں کے لئے ایک ورناکیولر ہائی سکول ، ۱۴ مڈل سکول ، ۵۱ ناتمام مڈل سکول (وہ مدارس جہاں صرف اُردُو زبان و حساب ، تاریخ و جغرافیہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور انگریزی زبان نہیں سکھلائی جاتی تھی) اور ۷۵۸ پرائمری سکول تھے - لڑکیوں کے لئے ۲ مڈل سکول، ۲۰ ناتمام مڈل سکول اور ۱۸۶ پرائمری سکول تھے -

نیز ۷۸۵۳ مُسلمان ان کے خاص اُردُو مدارس کے علاوہ دوسرے مدارس میں بھی تعلیم پا رہے تھے - اس طرح سے کُل ۳۰۲۳۰ لڑکے اور ۱۱۳۵۹ لڑکیاں پڑھتی تھیں مُسلمان لڑکیوں کے لئے مڈل سکولوں و پرائمری سکولوں میں گاڑیوں اور خادماؤں کا انتظام سرکار کے خرچ سے ہوتا تھا اور ہائی سکول کی مسلمان طالبات کے لئے پانچ سال تک ۹ ماہ کے لئے ۷ روپے ماہانہ گاڑی کا کرایہ دیا جانا منظور کیا گیا - مُسلمان لڑکیوں کی انگریزی تعلیم کے لئے زنانہ نارمل سکول میسور سے ایک مڈل سکول ملحق کیا گیا اور اس کو ایک بورڈنگ سکول بنایا گیا - اس کے علاوہ مُسلمانوں کو پست ماندہ اقوام کے ساتھ متعدد وظائف وغیرہ دئے جاتے رہے۔

اس سال جو مُسلمان طلبہ متعدد امتحانات میں کامیاب ہوئے ان کی تعداد حسب ذیل تھی :-

۳۲	ٹیچرس سرٹیفکٹ	۱	بی۔ یس۔ سی
۱۰	" لڑکیاں	۱۱	بی۔ اے
۱۱۱	انگلش لورسکنڈری	۱۱	انٹرنس
۲۵۸	اُردو لورسکنڈری	۵۲	ن۔ یس۔ یل سی
۷۹	لڑکیاں	۱۵	اپر سکنڈری

رپورٹ ۲۹-۱۹۲۸ء اس سال اُردو مدارس کی تعداد ۹۴۱ تھی، جن میں ۳۶،۶۱۲ طلبہ تعلیم پا رہے تھے۔ ان میں سے ۱۳۲ غیر مُسلم طلبہ تھے۔ لڑکوں کے لئے ایک ورناکیولر ہائی سکول (۵۷) ۲۶ مڈل سکول (۱۴۷۸) اور ۴۲ ناتمام مڈل سکول (۷۴۳) اور ۷۵۷ پرائمری سکول (۱۰،۱۵۱) تھے۔ ان کے علاوہ ۶۷۲۸ مسلمان دوسرے مدارس میں زیرِ تعلیم تھے۔ جملہ ۴۳۲۰۸ مُسلمان طلبہ میں سے ۳۰،۱۸۴ لڑکے اور ۱۳،۰۲۴ لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ۱۴۳ مُسلمان کالجوں میں، ۵۵۳ ہائی سکولوں میں، ۲۱۵۵ مڈل سکول میں اور ۹۶۷ ناتمام مڈل سکول میں، ۳۹،۱۴۴ پرائمری مدارس میں اور ۲۴۶ ٹکنیکل مدارس میں تعلیم پا رہے تھے۔

اس سال سرکار نے خاص مُسلمانوں کی تعلیم کے لئے ۴،۷۹،۰۰۰ روپے خرچ کئے۔ اس وقت مُسلمانوں کے لئے ۵ ہاسٹل ریاست بھر میں موجود تھے۔ مڈل سکول میں مُسلمان لڑکیوں کو داخلے پر مائل کرنے کے لئے متعدد وظائف ان کے لئے وقف کئے گئے

رپورٹ ۳۴-۱۹۳۳ء مسلمان لڑکے و لڑکیوں کی تعلیم کے لئے خاص ۸۶۵ مدارس تھے، جن میں ۳۵،۸۴۸ طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ ان میں ۱۲،۶۷۴ لڑکیاں شامل

تھیں - ان کے علاوہ دوسرے مدارس ہیں جہاں اُردو زبان ذریعۂ تعلیم نہ تھی ۶۲۷۹ مُسلمان تعلیم پا رہے تھے (جن میں ۱۱۸۹ لڑکیاں تھیں) اس طرح اس سال تک جملہ مُسلمان طلبہ کی تعداد ۴۲,۱۲۷ ہوگئی، جن میں ۲۸,۲۶۴ لڑکے اور (۱۳۸۶۳) لڑکیاں تھیں -

رپورٹ ۳۹-۱۹۳۸ء مُسلمانوں کی تعلیم کے لئے ۹۱۹ اُردو مدارس تھے، جن میں ۳۹,۸۴۰ طلبہ تھے - ان کے علاوہ ۷۰۰۹ مُسلمان دوسرے مدارس میں زیرِ تعلیم تھے - اس سال میسور کے محکمۂ تعلیمات کے مختلف امتحانات میں کامیاب ہونیوالے طلبہ کی تعداد حسبِ ذیل تھی :-

	لڑکے	لڑکیاں
یس - یس - یل - سی	۱۲۹	۱۱
مڈل سکول	۲۶۱	۲۹
اپر پرائمری	۱۳۱	۷۳
ٹی - سی - سکنڈری گریڈ	۴	۱
وی - ٹی - سی I امتحان	۳۴	۱۳
" II "	۱۶	۵
" آخری "	۱۶	۳

رپورٹ ۴۶-۱۹۴۵ء · مُسلمان طلبہ کے لئے خاص کر ۱۱۴۹ مدارس تھے، جن میں ۵۷,۱۴۳ طلبہ زیرِ تعلیم تھے - ان میں سے ۷۰ غیر مُسلم تھے - ان کے علاوہ ۱۰,۰۱۰ مسلمان طلبہ دیگر مدارس میں تعلیم پا رہے تھے - جملہ ۶۷,۰۸۳ مُسلمان طلبہ سرکاری مدارس میں تھے - اس سال مُسلمان طلبہ کو ۷۲,۵۰۰ روپے بطورِ وظائف دیئے گئے -

اس سال ریاست بھر میں ۱۴۹ چھاپے خانے تھے اور ۱۸ اخبارات اور ۴۳ رسالے نکلتے رہے۔ ان میں سے دو اُردو زبان کے اخبار تھے۔

رپورٹ ۱۹۴۸-۴۹ء : مسلمان طلبہ کے خاص مدارس کی تعداد ۱۱۹۴ ہوگئی، جن میں ۶۸،۵۸۴ طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ ان میں صرف ۶۲ غیر مسلم تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مدارس میں ۱۸،۹۶۸ طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ مسلمانوں کو خاص وظائف دیئے جاتے تھے۔ اس سال محکمۂ تعلیمات سے ۷ مسلمان لڑکوں کے وظیفوں پر ۶۰۳۰ روپے اور لڑکیوں کے لئے ۲۵۱۰ روپے خرچ کئے گئے۔

رپورٹ ۱۹۵۲-۵۳ء : خاص مسلمانوں کی تعلیم کے مدارس اس سال تک ۱۲۷۴ تک پہنچ گئے۔ (جن میں ۱۰۱۳ لڑکوں کے اور ۲۶۱ لڑکیوں کے تھے) ان میں ۴۳۲۵۴ لڑکے اور ۳۶،۳۰۲ لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں اس سال ۵۰۰ ۷ روپے مسلمان طلبہ میں بطور وظیفہ تقسیم کئے گئے۔

رپورٹ ۱۹۵۴-۵۵ء : مسلمان طلبہ کی تعلیم کے لئے علیحدہ ابتدائی مدارس اور نئی طرز کے وسطانیہ مدارس کی تعداد ۱،۲۴۸ تھی جن میں سے ۱۰۰۴ لڑکوں کے اور ۲۴۴ لڑکیوں کے مدارس تھے جن میں جملہ ۷۲۱۹۴ طلبہ زیرِ تعلیم تھے جن میں سے ۴۰،۲۳۳ لڑکے اور ۳۱۹۶۱ لڑکیاں مسلمان تھے۔ ان کے علاوہ ۷۶ اُردو مڈل سکول (۶۰ لڑکوں

---

1 The Administration Report of Mysore for The year 1954-55, published at The Govt. Press 1956 page 185

اور ۱۶ لڑکیوں کے لیئے جاری تھے) جن میں ۹۰۳۵ طلبہ (۶۳۱۷ لڑکے
اور ۲۷۱۸ لڑکیاں) تعلیم پا رہے تھے، لہٰذا ۱٫۳۲۴ مسلمانوں کی تعلیم
کے لئے علحدہ مدارس تھے، جن میں طلبہ کی تعداد ۸۸۶۲۹ تھی (۴۱۳۴۴
لڑکے اور ۴۱۶۸۲ لڑکیاں) ان میں سے ۴۶۹۰۸ مسلمان لڑکے
اور ۴۱٫۶۵۰ مسلمان لڑکیاں تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے مسلمان کالجوں
میں بھی زیرِ تعلیم تھے، جہاں اُردو و فارسی زبانِ ثانوی کی طرح یا
اختیاری مضامین کے طور پر لی جاتی تھیں۔ نیز ریاست بھر میں متعدد
مقامات میں تعلیم بالغات کے اُردو مدارس قائم تھے۔

الغرض ۱۹۱۸ء کے بعد سے نئے نئے انگریزی مدارس اور
کالج سرکار کی طرف سے قائم ہوتے رہے جہاں انگریزی کے ساتھ
ساتھ اُردو کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ کالجوں میں اُردو ثانوی زبان
اور اختیاری زبان کی طرح لی جاتی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں آغا عباس شوستری
صاحب ادارۂ اُردو، فارسی و عربی کے صدر بنائے گئے۔ ان کی
زیرِ نگرانی اُردو اور دیگر زبانوں نے خوب ترقی کی۔

اُردو کی ترقی میں میسور یونیورسٹی کا حصّہ

اوائل بیسویں صدی کا وہ زمانہ تھا، جبکہ اُردو زبان کے
قدر دان اور پُرخلوص خدمت گذار ایک ایک کر کے اُٹھتے گئے۔ اس کے
باوجود اُردو زبان اور ادب کے دھارے خاموشی سے بہتے رہے۔
چند خادمانِ ادب نے ان خشک اور مُردہ کھیتوں کی آبیاری کی۔ لہٰذا
ان کی کوششوں نے اس سسکتی ہوئی زبان کو مرنے سے بچائے
رکھا تاآنکہ میسور یونیورسٹی کا قیام ہوا اور اس میں اُردو و فارسی زبان کا

ایک علحدہ شعبہ قائم کیا گیا اور جناب آغا محمد عباس شوستری جیسی باوقار ہستی کا تقرر اس شعبہ کے صدر کی حیثیت سے عمل میں آیا۔ اس طرح ۱۹۱۹ء کے بعد سے اُردو فارسی زبان کی آبیاری انفرادی شخصیتوں کے ہاتھوں سے نکل کر ایک اجتماعی مرکز کے تفویض ہوئی۔ وہی نوجوان جو انگریزی کے متوالے بن کر اُردو زبان سے گریز کرنے لگے تھے اب اس کی ترقی و اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ جناب موصوف نے اُردو زبان کے بکھرے ہوئے علماء و فضلاء کو ایک جگہ جمع کر کے بنگلور و میسور کے کالجوں میں مختلف خدمات پر مامور کیا۔ کالجوں سے ملحق انجمنیں قائم کیں اور ان سے سالانہ میگزین نکلنے لگے۔ اب تو وہ اُردو دان طبقہ بھی جو احساسِ کمتری کی وجہ سے پردۂ گمنامی میں پڑا تھا منظرِ عام پر آنے لگا۔ متعدد دارالمطالعے قائم کئے جانے لگے۔ ادبی جلسے اور مشاعرے منعقد ہونے شروع ہوئے۔ اُردو زبان کا ذوق پھر عام ہونے لگا۔ لڑکیوں کے کالج میں بھی اُردو فارسی کی انجمنیں قائم ہوئیں، جہاں سے اُردو میگزین نکلتے اور سالانہ جلسے ہوتے تھے، جن میں اُردو کے مقابلے اور مناظروں میں کامیاب طالبات میں انعامات تقسیم کئے جاتے تھے۔ غرض پروفیسر شوستری صاحب کے تقرر کے صرف پچیس سال بعد جب یہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے تو میسور اور بنگلور کے ہر کالج میں آپ کے شاگرد جو اس وقت معلمی کے فرائض انجام دے رہے تھے نہایت ہی سرگرمی کے ساتھ اُردو کی خدمت میں لگے ہوئے تھے اور ہر سال بیسوں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ان کالجوں میں تربیت پا کر اُردو زبان کی خدمت اور حفاظت کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔

۱۹۴۲ء میں پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری کا تقرر یونیورسٹی میں بطور صدر شعبۂ اُردو و فارسی و عربی عمل میں آیا۔ آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے

ریاستِ میسور میں اُردو کی ترقی بڑے زوروں پر جاری رہی۔ میسور یونیورسٹی میں اُردو زبان ثانوی کے علاوہ بی۔اے میں اختیاری مضمون کی طرح لی جانے لگی اور اُردو میں ایم۔اے کی جماعتیں کھل گئیں۔

پروفیسر صاحب دن رات اُردو زبان کی خدمت میں مصروف رہتے۔ تصنیف و تالیف کے نئے نئے شعبے قائم کرتے اور طلباء کی ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ الغرض آپ کے زمانے میں جگہ جگہ اُردو کی انجمنیں بنیں۔ شعر و شاعری کی محفلیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۴۷ء تک کالجوں میں اُردو کا خوب چرچا رہا۔ اس کے بعد بھی دس سال ہوئے کہ بنگلور میں مہارانی کالج کی دس اُردو طالبات میں سے آٹھ نے بی۔اے میں اُردو اختیاری مضمون منتخب کیا تھا، جبکہ وہاں کی علاقائی زبان کنڑی کی ایک سو طالبات میں سے بمشکل چار نے کنڑی کو اختیاری مضمون کے طور پر چُنا تھا۔ اس کے علاوہ ہر سال صرف مہارانی کالج بنگلور کی ہی طالبات میں سے تین یا چار اُردو اختیاری مضمون لیتی رہیں۔ الغرض میسور یونیورسٹی کے کالجوں میں اُردو بھی دوسری زبانوں کے دوش بدوش ترقی کر رہی تھی اور سرکار کی طرف سے اُردو زبان کی اسی طرح سرپرستی کی جا رہی تھی جیسی کہ وہاں کی علاقائی زبان کنڑی یا ہندی یا سنسکرت کی۔ آج بھی جنوبی ہند کے شعراء و نثار اُردو زبان کی ایسی ہی خدمت کر رہے ہیں اور ان کا کلام شمالی ہند سے اب بھی خراجِ تحسین وصول کر رہا ہے۔ ممتاز شیریں کے افسانے ہندوستان بھر میں کافی مقبول ہوئے۔ یہ مہارانی کالج بنگلور کی فارغ التحصیل طالبات میں سے ہیں۔ یہ نہایت ہی ذہین طالبہ تھیں۔ فارسی ان کی ثانوی زبان تھی۔ ۱۹۴۲ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اُردو اور انگریزی زبانوں کے مقابلوں میں بھی شریک ہو کر انعام پاتی رہیں۔ ان کے علاوہ آج تک کالج کی دوسری طالبات بھی

خاموشی کے ساتھ اُردو زبان کی خدمت میں مصروف ہیں - اس کالج کے
قدیم اساتذہ میں عالی جناب آغا عباس شوستری صاحب کے علاوہ جن کے
ذوقِ علمی سے نے نوجوان طبقہ میں بیداری کی لہر دوڑا دی، سید محمد حسین ابوالمظفر
صاحب اور جناب محمود پاشاہ صاحب تھے۔ جن کی اُردو کے علاوہ فارسی اور
عربی زبان کی قابلیت سے نے صدرِ شعبہ کی کوششوں کو بار آور ہونے کا موقع
دیا - انھیں کا فیض ہے کہ آج بھی ہمارے طالب العلم اسی خلوص اور
محبت سے اُردو کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں -

باب ہشتم

اشاعتِ اُردو کے دوسرے ذرائع

اشاعتِ اُردو کے لئے مطبعوں کا وجود، انجمنوں اور دارالمطالعوں اور کتب خانوں کا قیام بے حد ضروری ہے - ان کی کثرت اس جگہ کے باشندوں کی علمی ترقی اور بیدارمغزی کی شاہد ہوتی ہے جنانچہ ذیل میں اجمالاً ان پر روشنی ڈالی جائے گی -

انجمنِ خواستگارِ ترقیٔ محمدیہ[1]**:** ریاستِ میسور میں ایک انجمن بنام "زمرۂ احباب" جس کا ذکر ہم نے گذشتہ صفحوں میں کیا ہے قائم کی گئی تھی - صدرِ انجمن مولوی اسداللہ خاں اور ناظمِ انجمن محمد عبدالمجیب صاحب سکرٹری 'زمرۂ احباب' مقرر ہوئے تھے - اُنھوں نے انجمن خواستگار ترقی محمدیہ کی بنا ڈالی لہٰذا ناظمِ انجمن اس انجمن کے افتتاحی جلسہ میں اس کے مقاصد و اغراض کے متعلق کہتے ہیں: "ہم غریب مُسلمانوں کو اپنے سچے پیشوا کے لائے ہُوئے طریقے کو یا یوں کہو کہ طریقۂ محمدیہ کو جو اِن دنوں بُرے خیالات کے باعث نہایت شکستہ ہوگیا ہے درست کرنا ضرور ہے، لہٰذا اس شہر بنگلور ضلع میسور میں ایک انجمن الموسوم بہ 'خواستگارِ ترقیٔ طریقۂ محمدیہ' اس کام کے لئے قائم ہونا لازم ہے"

اس کے اراکین صرف طریقۂ محمدیہ کے پیرو ہوتے تھے اور

[1] منشورِ محمدی جلد ۴ نمبر ۲۲ صفحہ ۲۶۱

اس انجمن کا ایک عام جلسہ ہر ہفتہ ہوتا تھا اور ہر سہ ماہ میں ایک جلسۂ خاص جسمیں صرف چند منتخب شدہ اراکین شرکت کر سکتے اور رائے دے سکتے تھے، منعقد ہوتا تھا۔

اس انجمن کے ساتھ ایک کتب خانہ اور ایک مدرسۂ دینیات جس میں علومِ دینی کی تعلیم بطرزِ جدید دی جاتی تھی ملحق تھے۔

ریاستِ میسور کی ایک اہم ترین انجمن صدر انجمن مسلمانانِ ملکِ میسور و بنگلور کے نام سے ۱۹۰۷ء میں قائم ہوئی جو اب تک نہایت کامیابی سے چل رہی ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صدر انجمن مسلمانانِ ملکِ میسور و بنگلور۔

۱۹۰۷ء میں اس انجمن کا بزیرِ صدارت میر حمزہ حسین صاحب افتتاح ہوا تھا اور خان بہادر محمد عباس خاں اس انجمن کے سکرٹری اور ریٹائرڈ سید حافظ صدر منتخب ہوئے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں سید صاحب کے انتقال کے بعد نواب غلام احمد کلامی اس کے صدر چنے گئے اور تیس ۳۰ سال تک یہ دونوں اصحاب ان اہم عہدوں پر فائز رہے ان کے علاوہ نائب صدر، خازنِ انجمن، مددگارِ سکرٹری کے عہدوں پر ریاست کے نامی وگرامی افراد فائز تھے۔ اس انجمن کی تیس ۳۰ سالہ تاریخ کتابی صورت میں چھاپی گئی ہے، جن میں مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی حالات کو بہتر بنانے کے لئے انجمن کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ایک ۳۲۲ صفحوں کی ضخیم کتاب ہے، جس سے اس انجمن کی تعلیمی جدوجہد، اوقاف اور سیاسی سرگرمیوں وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔

اس انجمن کی تعلیمی جدوجہد کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ۷ر جولائی ۱۹۰۷ء کو انجمن کی جانب سے دار المطالعہ اور کتب خانے کا

افتتاح کیا گیا۔ اس دار المطالعے میں ہندوستان بھر سے متعدد انگریزی، کنڑی اور اُردو اخبارات روزانہ اور ہفتہ وار اور ماہانہ رسالے خرید سے جاتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں اس کو حکومت کی طرف سے ۲۵ روپے اور بنگلور سٹی میونسپالٹی کی طرف سے ۲۵ روپے مدد دی جاتی تھی۔ دار المطالعہ اور کتب خانے میں آنے والوں کی تعداد روزانہ ۲۰۰ کے قریب تھی۔

عربی اُردو مدرسہ اسلامیہ چک پیٹ : یہ ایک خانگی مدرسہ خستہ حالت میں تھا۔ انجمن نے ۱۹۱۱ء میں اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس مدرسہ میں جدید طرز پر تعلیم دینے کا بیڑہ اُٹھایا۔ اس مدرسے میں سرکاری نصاب کی کتابوں کے علاوہ قُرآنی تعلیم اور عام مذہبی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کی طرف سے ۶۵ روپے کی گرانٹ دی گئی۔

ابتدائی مدرسہ اُردو کُمہار پیٹ : کمہار پیٹ میں انجمن کے فنڈ سے ۱۹۱۱ء میں یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء سے دس روپے ماہانہ سرکار کی طرف سے مدد دی گئی۔

سنٹرل مُسلم دار الطلباء یہ ایک طرزِ جدید کا دار الاقامہ ہے جو بنگلور میں تعلیم پانے کے لئے باہر سے آنے والے طلباء کے رہنے سہنے کے لئے ۱۹۰۹ء ماہ اگسٹ میں جاری کیا گیا۔ ۱۴ سال تک انجمن نے کرایہ کی عمارتوں میں یہ اقامت گاہ رکھی۔ ۱۹۳۴ء کے انجمن کے مجلسِ منتظمہ کے فیصلہ کے مطابق مُسلم ہال کے ہی احاطہ میں ہاسٹل کے لئے ایک خاص عمارت تیار کی گئی، جس میں ۳۵ طلبہ رہ سکتے تھے۔ پھر ۱۹۲۵ء میں دو اور عمارتوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس وقت

اس ہاسٹل کے طلبہ سے صرف ماہانہ پانچ روپے فیس لی جاتی تھی اور اس میں تمام ضروری سہولتوں کے ساتھ روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جاتا تھا۔ صبح اور عشا کی نماز جبری تھی۔ قرآنی تعلیم کی جماعتوں میں روزانہ صبح کا وقت ایک گھنٹے کی حاضری لازمی تھی۔ یہ طلبہ انجمن کے دارالمطالعے اور کتب خانہ سے بھی مستفید ہوتے تھے۔ گورنمنٹ کی طرف سے ماہانہ ۰-۸-۳۷ اور پھر سنہ ۱۹۳۶ء سے ماہانہ ۰-۸-۸۲ کی مدد دی جانے لگی۔

انجمن کے فنڈ سے مسلم طلبہ کو جو ہائی سکولوں اور کالجوں میں پڑھتے تھے وظائف دئے جاتے تھے۔

نواب غلام احمد کلامی کے سنہ ۱۹۱۱ء میں محمڈن اورینٹل کالج علی گڑھ کے بحیثیت ٹرسٹی کے تقرر پر بطور یادگار ایک فنڈ قائم کیا گیا اور جمع شدہ ۰-۲-۱۷۸۰ مسلم ہال کی عمارت کی تعمیر میں خرچ کئے گئے۔

مسلم سکالرشپ انڈومنٹ فنڈ کے لئے انجمن نے ۱۲ ہزار روپے کی رقم جمع کی اور سیونگ بیانک میں وقف کی حیثیت سے محفوظ کی۔ سرکار نے اس کی مساوی رقم اس تعلیمی بجٹ میں جمع کی اور اس وقف شدہ رقم پر جو منافع ملتا تھا اس میں مسلم طلباء کو وظائف دئے جاتے تھے۔ چنانچہ ۳۵-۱۹۳۴ میں ۲۴ وظیفے چھ روپے فی کس اور سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء میں ۴۸ وظیفے تین روپے فی کس اور سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء میں ۵۴ وظائف فی کس تین روپے دئے گئے۔

انجمن نے جنوبی ہند کی تعلیمی کانفرنس کو دعوت دی کہ وہ اپنا چوتھا اجلاس جسٹس عبدالرحیم صاحب کی صدارت میں بمقام بنگلور منعقد کرے چنانچہ اس میں مولانا شوکت علی، مولانا خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم لاہوری، مولانا سید سلیمان ندوی، محمد ابراہیم صاحب قریشی مدراس، اے۔ حمید حسن صاحب بی۔ اے مدراس اور دیگر ممتاز اشخاص نے شرکت

فرمائی تھی۔

۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو انجمنِ مہدویہ کے زیرِ اہتمام مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد کیا گیا۔

نیز ۹ اور ۱۰ دسمبر ۱۹۱۸ء کو بنگلور میں مسلم تعلیمی کانفرنس انسپکٹر جنرلِ تعلیمات مسٹر سی۔ آر۔ رڈی کے زیرِ صدارت منعقد کی گئی۔ جس میں ریاست بھر کے نامور اور ممتاز خادمانِ قوم نے شرکت فرمائی۔ اس میں متعدد قرار دادیں اُردو مدارس اور عمارتوں سے متعلق بغرضِ منظوری گورنمنٹ کے روبرو پیش کی گئیں۔

نیز ایک اور مسلم تعلیمی کانفرنس کا انعقاد بصدارت الیمن راجکمار بنرجی دیوانِ میسور ۲۸ اپریل ۱۹۲۳ء کو عمل میں آیا۔ جس میں دیہاتوں میں متعدد اُردو کے مدارس کے جاری کئے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ اُردو مدارس کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے منظور شدہ فنڈ کے صحیح مصارف کی نگرانی کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی کی منظوری ہوئی، جس کے ریاست کے ذی اقتدار اصحاب ممبر منتخب کئے گئے۔

۱۹۲۴ء میں محمڈن ایجوکیشن اڈوائزری کمیٹی کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی گئی تاکہ سال میں دو مرتبہ ڈائرکٹر صیغۂ تعلیماتِ میسور کی صدارت میں مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق ضروری مسائل پر غور و خوض کیا جائے۔

الغرض اُردو مدارس کو بہتر بنانے اور اُردو کی ترویج و اشاعت میں صدر انجمن مسلمانانِ میسور و بنگلور نے خاص طور پر حصّہ لیا ہے۔

انجمنِ مفید النسوان : محترمہ رقیہ بیگم مرحومہ نے میسور کی اس پہلی زنانہ اُردو انجمن کی بنا ڈالی تھی۔ اس کی صدر بیگم ظہیر الدین کی صاحبہ

نہیں - اس انجمن نے تیس سال تک - اُردو زبان اور ادب کی پُرخلوص خدمت کی - اس کے سالانہ اور ماہوار جلسے بڑے کامیاب ہوتے تھے - اس کا ذکر ہم نے گذشتہ صفحوں میں رقیہ بیگم اور عائشہ بیگم صدر انجمن کے علمی کارناموں کے زیرِعنوان کیا ہے -

اس کے علاوہ انجمنِ امدادِ نسواں ، انجمنِ اتحادِ نسواں ، انجمنِ مہدویہ نسواں اور کالجوں سے ملحقہ اُردو و فارسی زنانہ انجمنیں اس وقت تک اُردو کی خدمت بڑی گرمجوشی سے کر رہی ہیں -

کتب خانے : ریاست بھر میں متعدد اُردو کتب خانے قائم ہیں - ان میں سے مُسلم لائبریری بنگلور کے نام سے ایک کتب خانہ معسکر بنگلور میں ہے جو ۱۹۱۲ء میں عوام میں اُردو زبان کا ذوق و شوق پھیلانے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا - اس میں اُردو زبان کے بہت سے کمیاب نسخے پائے جاتے ہیں - کتب خانہ کی ۱۹۵۲ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال اس میں ۴۹۲۰ اُردو اور ۳۱۲ انگریزی کتابیں موجود تھیں اس کے ساتھ ملحقہ دارالمطالعہ میں ہندوستان بھر کے مشہور اخبارات و رسائل آتے ہیں - اس کے علاوہ " صدر انجمن بنگلور" کا کتب خانہ ہے ، جس میں اُردو کی ہزارہا کتابیں موجود ہیں - کتب خانۂ اسلامیہ میسور اور مہدوی لائبریری چن پٹن کے علاوہ میسور یونیورسٹی اور اس سے ملحق ہر ہر کالج میں جدید کتابوں کا بہترین ذخیرہ موجود ہے -

محترمہ فاطمہ بائی عُرف قرۃ العین نے تقریباً ۱۹۲۲ء میں ایک اُردو گشتی کتب خانہ خواتین کے لئے قائم کیا تھا جو بہترین اخلاقی کتابوں سے مزین تھا - ہر ہفتہ خادمہ فہرستِ کتب کے ساتھ تمام ممبروں کے گھر جاتی - پڑھی ہوئی کتابیں واپس لیتی اور ان کی مطلوبہ نئی کتابیں دوسرے

دن پھر انھیں پہنچاتی۔ اس طرح سے سخت سے سخت پردہ کرنے والی خواتین بھی اس کتب خانہ سے مستفید ہوتی تھیں۔ قرۃ العین صاحبہ کی شادی کے بعد جب انھیں بنگلور آنا پڑا تو یہ کتب خانہ بند ہوگیا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں حبیب النساء بیگم کے مہارانی کالج میں صدر شعبۂ اُردو فارسی کی حیثیت سے تقرر پر اس کی تقریباً دو سو کتابیں ان کے سپرد کی گئیں۔ بنگلور میں یہ کتب خانہ خوب چلا۔ پہلے پہل لیڈی سر مرزا اسمٰعیل صاحبہ اس کی سرپرست اور عقیلہ بیگم صاحبہ اس کی صدر قرار پائیں اور حبیب النسا بیگم سکریٹری کی خدمات انجام دیتی رہیں۔

ممبروں سے فیس صرف دو آنے ہفتہ وار ایک کتاب کے لئے اور چار آنے دو کتابوں کے لئے لی جاتی تھی۔ تین چار سال بعد جب ممبروں میں پہلا سا جوش و خروش نہ رہا، اس وقت بھی صرف صدر اور سکریٹری نے اپنے صرفِ خاص سے پانچ چھ سال تک نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ یہ کتب خانہ جاری رکھا۔ اس کے سالانہ جلسے ہوا کرتے، جس میں خواتین سینکڑوں کی تعداد میں شریک ہوتیں۔ بمبئی اور حیدرآباد کے نامی گرامی نادمانِ ادب اُردو کی تقریریں ہوتیں۔ ان میں سے ڈاکٹر سید محی الدین زورؔ اور جناب اشرف علی ندوی صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ الغرض کتب خانۂ نسوان نے اُردو کے ذوق کو عام کرنے کے لئے جو کوششیں کیں ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

صدرِ محترمہ عقیلہ بیگم اور بانی قرۃ العین صاحبہ کے انتقال کے بعد مجلسِ عاملہ کی رائے سے تقریباً دو سو ابتدائی کتابیں تعلیم بالغات کے مدرسہ کو بطورِ عطیہ دی گئیں اور باقی دو سو کے قریب جدید کتابیں معسکرِ بنگلور کے "مدرسۂ نسوان" کے کتب خانہ کو دی گئیں۔

ریاستِ میسور کی نشرگاہ جو آکاس وانی کے نام سے ۱۹۳۵ء میں معرضِ وجود میں آئی اب کُل ہند نشرگاہ بن چکی ہے، اس سے اُردو گانے، اُردو ڈرامے اور اُردو تقاریر نشر ہوا کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں شائع ہونے والی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں ہمیشہ ریاستِ میسور کے گوشہ گوشہ میں بغرضِ فروخت موجود رہتی ہیں، جن کے مطالعہ سے اربابِ ذوق مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

بیسویں صدی میں انگریزی تعلیم کی خواہش اور دیسی زبانوں سے بے پروائی کے باوجود ریاستِ میسور میں اُردو زبان کا دھارا خاموشی سے بہتا رہا۔ خادمانِ ادب نے سلطان شہیدؒ کے اس لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کی اور اس کو زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ گو کہ یہ بیسویں صدی کا دَور مولانا مولوی شہاب الدین اور رَوحی وغیرہ کی خدمات سے پانچ سال سے زیادہ مستفید نہ ہوسکا۔ تاہم ابھی تک ان کے باقیات الصالحات، حضرت طالبؔ، جاذؔو، قادر محی الدین مکیؔ عبدالوہاب مکیؔ، دیوانہؔ موجود تھے، جن کی علمی و ادبی خدمات نے ہر کہ و مہ سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

۱۹۴۲ء میں پہلے پہل میں نے جب اہلِ میسور کی اُردو زبان و ادب کی خدمات پر روشنی ڈالنے کا ارادہ کیا تو خاص طور سے ان خادمانِ ادب سے ملاقات کر کے معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی جو تمام عمر علم و ادب کی خدمت میں مشغول رہے تھے۔ اس سلسلہ میں میسور کے سر قاضی محمد قاسم صاحب قسیمؔ، سلطان محمود خاں سلمہٗ

اور آر- عبدالقادر صاحب سے ملاقات کی اور گھنٹوں بیسور میں اُردو کی ترقی کے متعلق بات چیت ہوتی رہی - یہ سب بزرگ اس وقت ستتر، اسّی سال کے لگ بھگ تھے - اُنھوں نے مجھے جو باتیں بتائیں اس مقالہ میں انھیں بھی قلمبند کر کے پیش کر رہی ہوں - اب یہ تینوں جلیل المرتبت ہستیاں انتقال فرما چکی ہیں، لیکن میری معلومات کا معتدبہ حصہ ان دفینوں کا منّت کش ہے جو ان کے سینوں میں مدفون تھے اور جنھیں ان مایۂ ناز شخصیتوں نے نہایت ہی فراخ دلی سے مجھے عنایت فرمائے تھے -

خاتمہ

میسور کے مسلمان باشندوں کی گھریلو زبان دکنی ہے علاقہ واری کنڑی بھی ہندوؤں سے میل ملاپ کے موقع پر بولی جاتی ہے۔ خصوصاً قریہ جات کے مسلمانوں میں کنڑی زبان زیادہ مروج ہے۔ یہاں بچوں کو اردو، عربی زبانیں گھروں میں سکھائی جاتی ہیں اور ابتدائی مدارس میں کنڑی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے لیکن یہ صرف ان دیہاتوں کی حالت ہے جہاں مسلمانوں کے صرف دو چار گھر ہوتے ہیں، ورنہ اکثر کنڑی کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے بھی ابتدائی مدرسے سرکار کی طرف سے قائم کئے گئے ہیں۔ ان کے اعداد و شمار کا ذکر پچھلے صفحوں میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

ریاست میسور میں اردو زبان کی اشاعت عادل شاہی حکومت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ یوں تو اس زبان کا داخلہ ریاست میسور کے حدود میں مسلمانوں کے داخلہ سے ہی شروع ہوتا ہے۔ پھر جنوب میں مسلمان جہاں گئے انہوں نے اپنی لسانی انفرادیت قائم رکھی۔ ڈراویڈی زبان کی چار مشہور شاخیں تامل، تلگو، ملیالم، کنڑی یہاں کے باشندوں کی گھریلو اور ادبی زبانیں تھیں۔ آندھرا میں تلگو، کیرل میں ملیالم، کرناٹک میں کنڑی، تامل ناڈ کے علاقے میں جہاں چیرا، چولا اور پانڈیا سلطنتیں حکمران تھیں، تامل زبان بولی جاتی تھی۔ ان علاقوں میں مسلمان جہاں جہاں گئے وہاں کی

صوبجاتی زبان کے سیکھنے کے علاوہ انھوں نے اپنی گھریلو بولی دکنی کو بھی برقرار رکھا اور یہی زبان ان کی ادبی زبان بھی رہی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عادل شاہی اور قطب شاہی ادبا اور شعرا دکنی زبان اور ادب کو ایک مستقل حیثیت بخش رہے تھے اور انسانی جذبات، خیالات اور احساسات کو کو بے مثال فنکارانہ خوبی کے ساتھ دکنی زبان میں ڈھال کر اس کو مالامال کر رہے تھے حالانکہ اس نوخیز زبان کا مرکز بیجاپور اور گولکنڈہ تھا لیکن اس کی فطری صلاحیتوں اور لطافت نے مرکزی حکومت سے دور دور تک ہر شخص کے دل کو گرمائے رکھا تھا۔

فی الوقت شاہ محمد صدرالدین کو عہد سرکار خداداد کا اولین شاعر اور ادیب مانا جاتا ہے۔ آپ کے متعدد رسالے مراۃ الاذکار، مصباح النور وغیرہ آپ کے علم و فضل کے شاہد ہیں۔ ان رسالوں کی زبان بہت ہی قدیم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مصنف نصرتی اور وجہی کے ہم عصر ہیں۔ ان کی نثر سب اس کی زبان سے ملتی جلتی اور ان کی شعری تخلیقات کی زبان قطب مشتری کی زبان کے اہم پایہ نظر آتی ہے

شاہ کمال الدین نواب حیدر علی خاں کی دعوت پر کڑپہ سے آکر سری رنگاپٹم میں مقیم رہے۔ ان کے دیوان کی زبان پر اس زمانے کی مروجہ دلی کی اردو زبان کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ریاست میسور میں دراصل شاہ صاحب نے اردو کے معیاری ادب کا بیج بو دیا تھا۔ اس

زمانے میں ولی میں دکنی زبان کی تراش و خراش شروع ہو چکی تھی ۔ ولی کی تقلید میں یہاں دیوانین لکھے جا رہے تھے اور دکنی زبان فارسی کے زیر اثر دن بدن نکھرتی سنورتی جا رہی تھی ۔ دوسری طرف ولی کے علاوہ فقیر اللہ آزاد دکنی ، فراق دکنی ، عزلت دکنی دہلی جاکر وہاں کی زبان سے کافی متاثر ہوئے تھے ۔ آبرو ، حاتم ، یکرنگ کے اشعار دکن پہنچ چکے تھے ۔ سودا ، میر درد اور سوز کے کلام نے سارے ہندوستان پر اپنی دھاک بٹھائے رکھی تھی ۔ دراصل یہی وجہ تھی کہ میسور نے بھی شمالی ہندوستان کی زبان کو ادبی زبان کے لئے منتخب کیا ۔ لالہ مہتاب رائے سبقت شمالی ہند سے نواب حیدر علی خاں کی دعوت پر میسور آکر منشی کی خدمت پر فائز رہے ۔ ان کا کلام اس وقت کی معیاری زبان کا آئینہ دار تھا ۔ نیز محمد اسحٰق کی ریاض العارفین میں جابجا اصلاح یافتہ دکنی زبان کی جھلکیں نظر آتی تھیں ۔ تحفۃ المجاہدین اور مفرح القلوب لسانی اعتبار سے دورِ سلطانی کی اہم یادگار ہیں اور مستقبل قریب میں میسور میں اردو زبان کے ایک درخشاں دور کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔ جب میسور کی ادبی زبان شمالی ہند کی زبان سے متاثر ہونے لگی اور وہاں کی زبان کو معیاری ادب کی زبان قرار دیا تو یہ زبان عوام کی زبان سے دور ہوتی گئی ۔ آج بھی ریاست بھر کی خصوصاً قریہ جات کی گھریلو بولی وہی دکنی ہے جو سلاطین بہمنی کے دور میں دکن میں بولی اور رکھی جاتی تھی ۔ بایں ہمہ میسور کے

بعض مصنفین نے عہد سلطنت خداداد میں اور اس کے بعد تقریباً نصف صدی تک بول چال کی زبان میں ہی مذہبی اور اخلاقی رسالے لکھنے کی کوشش کی اور ان کی یہ تصانیف کافی عرصے تک یہاں مقبول بھی رہیں۔ مثلاً احمد خاں شیرانی کی بڑی چہار کرسی اور فضل اللہ فقیر کی چھوٹی چہار کرسی بیسویں صدی کے اوائل تک بچوں کے ابتدائی نصاب میں داخل تھیں۔ ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں (شمالی ہند کی مروجہ) اردو اور دکنی زبان کی نایاب کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔

میسور کی دکنی کی لسانی خصوصیات :

دور سلطانی سے پیشتر بھی میسور کے تجارتی تعلقات بیجاپور اور دکن کی دوسری اسلامی ریاستوں کے ساتھ قائم تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کی صوبجاتی کنڑی زبان میں بیسیوں ایسی تجارتی اصطلاحات مروج ہوگئیں جنھیں مسلمان دہلی سے دکن لائے تھے مثلاً من، دھڑا، پنسور، پاؤ، چھٹانک تولہ، کھوا، کھو، بازار، رقم، قیمت، وصول، باقی، نفع، کاغذ، دستاویز، رجوع (دستخط) گواہ، زیادی، سراج ہراج وغیرہ۔ ان کے علاوہ رسے، سال، جھاڑ، دوجہ حل، جاری، حقدار، وارث، پل، بیچارو (بیزار) زخم، چاکو (چاقو) یکایکی، غیر حاضری، زمینداری، زور، سوار، نقصان، راضی، جوابداری، حکمت، قرار، اجمائش (آزمائش) خوف، دوست، مزد، پاشا، عمل کرنا، کم

رسید، کمک، خلاص، باجو (بازو) وغیرہ سینکڑوں الفاظ یہاں کی صوبجاتی زبان کنڑی میں داخل ہوگئے۔ اس طرح دکنی زبان میں بھی کنڑی زبان کے بے شمار الفاظ مروج ہوگئے۔ بطور نمونہ چند الفاظ ملاحظہ ہوں۔ لڈو، بڑے، چکلی، کھنڈات، ترت (جلدی) سمبندلو (متعلق) بنڈی (گاڑی) اجاڑ، نوگا (جوا) جنم، اوتار، پیر (پانی) وغیرہ

یسور کی دکنی اور کنڑی زبانیں لین دین کے لئے صرف عہد سلطنت خداداد کی ہی رہین منت نہیں بلکہ اس سے پہلے دکن کی تاریخ یہاں کے ہندو مسلم خوشگوار تعلقات کی شاہد ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں میسور کے باشندوں کی معیاری اردو کی پیروی کی انتہائی کوششوں کے باوجود کبھی کبھی ان کی تصانیف میں صوبجاتی اثر بھی صاف نمایاں ہونے لگتا ہے۔ خصوصاً اس زمانے کی ان کتابوں میں جو خاص کر عورتوں کے لئے عام بول چال کی زبان میں لکھی جاتی تھیں۔ مثلاً آداب انشاء، تعلیم النساء تنبیہ النساء۔ میر حیات نے انیسویں صدی کے اوائل میں مصباح الحیات نامی کتاب جو اسلامی عقائد اور احکام کے متعلق ہے یہاں کی عام فہم اور عوام کی زبان میں لکھی تھی۔ درگاہی صاحب کا محبوب موضوع شرک اور بدعت کے خلاف جنگ تھا، لہٰذا آپ نے تنبیہ النساء نامی کتاب عورتوں کی زبان دکنی میں لکھ کر اپنے مقصد کی تبلیغ و اشاعت فرمائی۔

لطیف ارکاٹی نے ہر قسم کے اصناف سخن میں

طبع آزمائی کی ہے اور دکنی اور شمالی ہند کی معیاری زبان کے امتزاج سے دلفریب اور پُراثر معجون مرکب تیار کیا، جس سے اُردو زبان کا ذوق و شوق ریاست بھر میں عام ہوگیا۔ ۱۸۴۸ء میں جبکہ مطبع فردوسی کا قیام عمل میں آیا، اردو کی اشاعت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ ادیبوں اور ماہرانِ فن کی ادبی کوششیں اخبارات و رسائل کے ذریعے منظر عام پر آنے لگیں۔ رسل و رسائل کی آسانی اور چھاپے خانوں کے اجرا نے شمالی ہند کے ادبا اور شعراء سے اہل میسور کو نہ صرف روشناس کیا بلکہ انھوں نے ان کے زیرِ اثر اُردو زبان وادب کی خدمت کے شوق میں خود ہی اپنا ایک نیا راستہ تلاش کر لیا اور قلمی معنے اس نوخیز زبان کی خدمت پر کمربستہ ہوگئے۔ اس زمانے میں میسور کے اردو روزنامے، ہفتہ وار پرچے، ماہنامے ٹھوس خدمت میں سرگرم کار رہے۔ میسور میں اردو زبان کے ارتقا میں ان کے کارہائے نمایاں کو بڑا دخل ہے اور یہ ایک ایسا وسیع مضمون ہے کہ صرف انیسویں صدی کے میسور کے اخبارات و رسائل پر ہی ایک طول وطویل مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔ الغرض میسور کے اردو بولنے والے عوام میں مذہبی ادبی، سیاسی شعور کے پیدا کرنے میں مذکورہ

بالا اسباب نے مل جل کر حیرت انگیز کام کیا ہے۔ یہاں تک کہ بہت تھوڑی ہی مدت میں میسور کا اردو داں طبقہ دہلی اور لکھنؤ کی ہمسری کے دعوے کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا ناصرؔ نے اپنے دیوان میں جا بجا میرؔ و دردؔ ، آتشؔ و ناسخؔ سے ٹکر لینے کی کوشش کی ہے۔ نسیمؔ نے میدانِ سخنوری کی شہسواری کرتے ہوئے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ عبدالحی واعظ جن کا موضوع زیادہ تر عقائد و مذہب تھا نثرنگاری میں یکتائے روزگار ہوئے ہیں۔ محمد قاسم غم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں جو صرف اُردو کے پہلے اخبار قاسم الاخبار کے بانی ہی نہیں ہوئے بلکہ متعدد انجمنوں اور مدارس کے اجرا کا سہرا بھی ان کے سر ہے۔ انھوں نے مختلف طریقوں سے تمام علمائے وقت کی انفرادی کوششوں اور کاوشوں کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ کبھی قاسم الاخبار کی اڈیٹر کی حیثیت سے کبھی " زمرہ احباب " کے سکریٹری یا صدر کی حیثیت سے راہ عمل پر گامزن رہے اور ان ہی کے زیرِ ہدایات منشور محمدی نے عیسائی مشنریوں کی تحریک کے خلاف نہایت ہی پُرجوش اور ولولہ انگیز نظموں کے ذریعہ دینِ محمدی کی تبلیغ و اشاعت

کا بیڑہ اٹھایا۔ صابر، ادیب اور عبدالحی سبزواری نے مل جل کر اردو کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کردی۔ پسور میں بھی سرسید احمد خاں کی تائید و مخالفت میں مضامین لکھے جانے لگے۔ "عطا کی خطا" وغیرہ کے نام سے مضامین اخباروں میں شائع ہونے لگے۔ اسی طرح سے تنقیدی ادب کے بھی پر پرزے نکلنے لگے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں تعلیم یافتہ طبقے نے اپنی تمام فن کارانہ صلاحیتوں کو ادب کی ترقی کے لئے وقف کر رکھا تھا

عوام کے دلوں کو شروع سے ہی اردو نے موہ لیا تھا۔ گھر گھر میں لڑکیوں کو بھی قرآن شریف کے ساتھ ساتھ عبدالحیُ واعظ کی تصنیف جنان السیر، چہار کرسی، مصباح الحیات پڑھائے جاتے تھے۔ سرکار کی طرف سے اردو مدارس کے اجرا نے لوگوں کے ذوق و شوق کو بروئے کار لانے کا موقع دیا۔ اردو زبان کی باقاعدہ تعلیم ہونے لگی۔ اردو نصاب کی کتابیں تصنیف و تالیف ہونے لگیں۔ اس سلسلہ میں حسین علی آہؔ اور دلؔ کی خدمات قابل الذکر ہیں۔ عبدالرحمٰن دلؔ اردو مدارس کے انسپکٹر تھے۔ انھوں نے متعدد کتابیں خود بھی لکھیں اور اوروں سے

لکھوائیں ۔ غلام محمود کی محمود اور عبدالوہاب کی نے کالجوں میں معلم بن کر نوجوانوں میں شائقانِ اردو کا ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعیٔ بلیغ فرمائی ۔

ہندوستان بھر میں بیسویں صدی کے اوائل سے ہی انگریزی تعلیم کی ترقی اور دیسی زبانوں کا تنزل شروع ہوگیا تھا ۔ میسور بھی نئی تہذیب کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا ۔ اہل میسور کی اردو زبان میں انگریزی کے کثیر الفاظ صرف چند لسانی خصوصیات کی تبدیلیوں کے ساتھ داخل ہونے لگے ۔ تاہم مولوی شہاب الدین شہاب طالب ، عبدالحق سبزواری ، صابر ، باقی الصالحات تھے جو علمی و ادبی خدمت میں مصروف تھے ۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں میسور میں جماعت علی شاہ صاحب کی تشریف آوری نے نہ صرف لوگوں کے اعتقاد میں ہلچل پیدا کردیا بلکہ اردو ادب پر بھی اس کا نمایاں اثر ہوا ۔ ادب عموماً اپنے ماحول کی سماجی و مذہبی زندگی کی عکاسی کرتا ہے ۔ میسور اور بنگلور میں خصوصاً لوگ لاکھوں کی تعداد میں ان کے مرید ہوئے اور شعرائے وقت نے بھی ان کی تعریف و توصیف میں فنکارانہ خوش اسلوبی کے ساتھ صدہا نظمیں لکھیں ۔ ادب کے ان شہ پاروں میں

سے حضرت جماعت علی شاہ دو چار نظمیں منتخب کر لیتے اور لاہور موضع علی پور اپنے وطن لے جاکر انوار الصوفیہ میں شائع کرادیتے۔ بنگلور اور میسور کے عوام میں یہ نظمیں بڑی مقبول ہوئیں۔ محمود خان محمود میسور، صفی سرینگپٹن، محمد قاسم انصاری نسیم اور فیاض بلگوڈی نے ادب میں روحانیت شامل کر کے اس کو پُر لطف بنا دیا۔ اوائل بیسویں کی خصوصیت مذہبی رجحان کی بیداری ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد ہندوستان بھر کی سیاسی بیداری اور اصلاحی تحریکوں سے میسور بھی متاثر ہونے لگا۔ اس زمانہ کو اُردو کے نشاۃ الثانیہ کا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ میں میسور یونیورسٹی میں اُردو فارسی کا شعبہ بھی قائم ہوا۔ لڑکیاں بھی زیور تعلیم سے مزین ہونے لگیں۔ انگریزی ادب سے نئے تعلقات قائم ہوئے تو ادیبوں کی نظر ادب کے مختلف پہلوؤں پر پڑی۔ مولویوں اور انگریزی دان طبقے کے درمیان جو خلیج وسیع ہوتی گئی تھی اس میں کمی واقع ہونے لگی۔ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اردو کی خدمت کا ذوق و شوق پیدا ہونے لگا۔

کالجوں میں اور ان سے باہر بھی متعدد انجمنیں قائم ہوئیں ۔ مطالعہ گھر بنائے گئے اور اخبار الکلام نے جدید ادب اردو کی پیغام رسانی کا کام لیا۔ درویش پیر صاحب کے زور بیان اور کلیم الملک غوث محی الدین صاحب کی اردو نوازی کے چرچے ہونے لگے ۔ غوث پیر صاحب ، سرور صاحب ، غوث محی الدین صاحب ، دستگیر صاحب ، سید احمد صاحب اردو نصاب کی کتابیں لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے دوسری طرف پرواز ، ذائق ، فائق ، جادو ، شوکت ، کی ترنم ریزی سے لوگوں کے دلوں کو لبھائے رکھا ۔ ان دنوں مقامی ادیبوں اور شاعروں کی تصانیف کے علاوہ دہلی اور لکھنؤ کے ادبی شہ پارے ریاست بھر میں مقبول رہے ، پے در پے مطبعے قائم ہونے لگے اور کتابیں نئے نئے اسلوب سے لکھی جانے لگیں ۔ شاعری میں جدت اور تنوع پیدا ہوا ۔ اور قومی تحریکوں نے لوگوں کو دیسی زبانوں کی پست ماندہ حالت سے باخبر کر دیا ۔ نئے تعلیم یافتہ طبقے نے اردو زبان کی خدمت کا بیڑہ اٹھا لیا ۔ آغا عباس شوستری کے زیر صدارت یونیورسٹی میں اردو فارسی کے شعبے کو خاص اعزاز نصیب ہوا ۔ پھر عبدالقادر سروری صاحب کی

تشریف آوری اور ان کی قیادت کے زیرِ اثر
اُردو کی ترقی و اشاعت میں تیزگامی پیدا
ہوگئی۔ آپ کی کوششیں بڑی حد تک
بارآور ہوئیں اور ڈگری کی جماعتوں میں
اردو زبان اختیاری مضمون کے طور پر منتخب
کی جانے لگی اور تشنگانِ علم و خادمانِ
ادب کو حاجی سر مرزا اسمٰعیل سیٹھ فنڈ سے
وظائف دیئے جانے لگے۔ اس زمانے میں
میسور لسانی اعتبار سے شمالی ہند کے دوش
بدوش چل رہا تھا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں محترمہ
سیدہ اختر صاحبہ کے زیرِ سرپرستی بنگلور میں
ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا جس کے
ذریعے بنگلور ہندوستان بھر کے شعرائے
عظام سے روشناس ہوا۔ الغرض اس صدی
میں شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان
کے ادبی اختلافات مٹتے گئے اور نصف
صدی سے پہلے ہی میسور کے باشندوں
نے شمالی ہند کی ادبی زبان کو اپنا لیا۔
گو کہ اس وقت تک ان کی گھریلو زبان
دکنی ہی رہی۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی
کالجوں اور اداروں اور کتب خانوں میں
اردو زبان زمانۂ سلف کی طرح پوری آن
بان سے قائم ہے۔

اردو کے ابتدائی مدارس تو ہر قریہ و شہر میں جاری ہیں اور ریاست بھر میں اردو کا مستقبل امید افزا نہیں تو مایوس کن بھی نہیں ہے ، گو کہ میسور اس وقت ایک عبوری دور کے زیر اثر ہے ۔ ممکن ہے کہ اس کے بعد ایک باضابطہ عوامی تحریک سے اردو زبان کی ترقی میں تنظیم پیدا ہو جائے اور فن کاروں کی تخلیقی صلاحیتیں نئے انداز سے بیدار ہونے لگیں ۔

فہرستِ ماخذ

(اُردو و فارسی)

تواریخ

ہندوستان کے گذشتہ شاہان اسلام کے مفصل حالات حصہ دوم
خاندانِ غزنوی و غوری
تاریخ فرشتہ جلد اول مقالہ دوم
تاریخ فرشتہ جلد دوم مترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب
حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کے شاہکار از آر عبدالقادر
سلطنتِ خداداد از محمود خان محمود بنگلوری۔
کارنامۂ حیدری
تذکرۂ والاجاہی آف برہان ابن حسن ترجمہ انگریزی بیس محمد حسین نیاری
صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ اول، اور دوم مترجمہ محمود بنگلوری
داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری
تاریخ زبان اردو از ڈاکٹر مسعود حسین خان
تاریخ شعرا اردو حصہ اول احسن مارہروی
اردو، ہندی، ہندوستانی از سجاد ظہیر
تذکرۂ ریختہ گویاں مولفہ سید فتح علی حسینی گردیزی

گلشن ہند از مرزا علی لطف
دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی
یورپ میں دکنی مخطوطات از نصیر الدین ہاشمی
مدراس میں اردو ، از نصیر الدین ہاشمی
میسور میں اردو ، عبدالخالق سعید
جواہر سخن ، مرتبہ محمد مبین کیفی پہلی جلد
اردوئے قدیم ، از شمس اللہ قادری
کیفیہ ، از برجموہن دتاتریہ کیفی
رابطۂ ادبی ایران و ہند از علی اکبر شہابی خراسانی
ہندوستان کی قدیم درسگاہیں از ابوالحسنات عبدالشکور ندوی
اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام از ڈاکٹر عبدالحق
نذر دکن ، از سکینہ بیگم
غازی اعظم از شہاب الحسن ادیب
گلشن رحمانی از عبداللہ حنان
انگریزی عہد میں تمدن کی ترقی
چشمۂ کوثر ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی اور علمی تاریخ دور قدما از شیخ محمد اکرام
نقوش سلیمانی از سید سلیمان ندوی
تاریخ صحافت اردو جلد اول از امداد صابری
صبح وطن ، از نواب غلام غوث خاں اعظم
فہرست اردو مخطوطات کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن مرتبہ عبدالقادر سروری
تذکرۂ اردو مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو ، مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
حصہ اول ، دوم ، سوم ، چہارم اور پنجم

نظم

بیاض العارفین از محمد اسحٰق بیجاپوری

مخزن العرفان از سید شاہ کمال الدین حصہ اول و دوم

مہتاب سخن از عبدالقادر سروری

دیوانِ لطیف مطبوعہ ۱۲۸۸

دیوان درگاہی

مصباح الحیات، از میر حیات

دیوانِ سالم، از سید اسحٰق سالم

دیوانِ ناصر، از منشی ناصر خان عرف قلندر بنگلوری

خمسۂ حیات از میر حیات

دیوانِ جادو

دیوانِ تحصیل

بیاض شاکرہ، از شہر بانو شاکرہ

جان السیر، از شاہ عبدالحی

رسالۂ قران السعدین از شاہ عبدالحی

رسالۂ حقوق الزوجین، از شاہ عبدالحی

رسالۂ سر الشہادتین شرح فی احوال الحسین از شاہ عبدالحی

رسالۂ فلاح کونین از شاہ عبدالحیؒ

رسالۂ کلید معرفت از شاہ عبدالحیؒ

رسالۂ عمدۃ الصلاح از شاہ عبدالحی

رسالۂ تحفۂ قبول، از شاہ عبدالحی

رسالۂ چہار گلشن از شاہ عبدالحی

رسالۂ حسن المقصد فی العمل المولد ، از شاہ عبدالحی
رسالۂ یا کریم و یا رؤف و یا رحیم ، از شاہ عبدالحی
ترجمہ مجموعہ خطب حرمین الشریفین از شاہ عبدالحی
رسالۂ مجموعہ فتاویٰ ، از شاہ عبدالحی
رسالۂ مسلک المریدین ، از شاہ عبدالحی
رسالۂ رد الملحدین ، از شاہ عبدالحی
دیوان نسیم ، از محمد حسین علی سلطان نسیم
دیوان ناثر مؤلف و مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب
دیوان مرغوب ، از سالار خان مرغوب
دیوان احمد ، از غلام احمد احمد
عرفان قریشی ، از قریشی عابد
حدیقۂ جنت ، از غلام محمد شوکت
ہدیۂ مہمان از خان بہادر جوہر مخلص محمد علی مہمان
وداع یاراں ، از مریدان جماعت علی شاہ صاحب
گلستان رحمت ، از مریدان جماعت علی شاہ صاحب
نو بہار منظوم از عبدالباسط سگوری
جلوۂ خانہ رحمت
پیام نور ، از عبدالوہاب مکی
بحریں ، از منشی احمد اللہ منجھے دیوانہ
تذکرۂ حبیب از سلطان محمود خاں سلطان
دیوان نسیم ، از محمد قاسم انصاری نسیم
دیوان نعتیہ ، از صوفی احمد علی احمد
تصویر شہید ، از ظہیر عاقل شاہی

ریاض ہاشمی، از محمد شرف الدین سلیم
جنان السیر، باب ہفتم از شاہ عبدالقادر علی قادری صوفی

اخبار و رسائل

قاسم الاخبار، مطبوعہ ۱۲ ر مارچ نمبر ۲ سنہ ۱۸۷۲ء
" " ۸ ر فروری سنہ ۱۸۷۵ء
" " ۱ ر مارچ سنہ ۱۸۷۵ء
" " ۱۰ ر مارچ سنہ ۱۸۷۵ء
" " جلد ۱۲ ۔ سنہ ۱۸۷۹ء
" " ۱۷ ر اگست سنہ ۱۸۹۹ء
" " ۲۸ ر اگست سنہ ۱۸۹۹ء
" " ۲ ر اکتوبر سنہ ۱۸۹۹ء
منشور محمدی ۔ ۲ ر دسمبر سنہ ۱۸۷۶ء
" ، جلد اول نمبر ۵
" ، " نمبر ۱۹
" ، جلد دوم نمبر ۲۵
" ، " نمبر ۲۷
" ، جلد چہارم نمبر ۱۱
" ، " نمبر ۱۲
" ، " نمبر ۱۳
" ، " نمبر ۲۲
ایڈورڈ گزٹ ۔ جلد اول نمبر ۱ یکم جولائی ۱۹۰۱
" " نمبر ۱۵ "

و

ایڈورڈ گزٹ جلد اول ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱

" ۲۴ مارچ ۱۹۰۵

میسور اخبار جلد دوم نمبر ۱ ۲ اپریل ۱۸۶۷ء

" " نمبر ۹ ۲۸ مئی ۱۸۶۷ء

" " نمبر ۹۴

" ۱۳ مئی ۱۸۶۸ء

اخبار محافظ بنگلور جلد اول نمبر ۱ مطبوعہ ۱۵ اپریل ۱۸۶۸ء

متفرقات

جواہر الہدایت ، از عبداللہ مستان

احسن الکلام جواہر الاحکام فی دین الاسلام از عبداللہ مستان

رموز المعرفت از قاضی فصیح الدین کمی

مفید الانسان یا تشریح جسمانی انسان از عبدالرحمٰن دل

تحفۂ سبحانی من الکلام رحمانی از عبدالسبحان ہوشیار

خطبات اسلام از عبدالسبحان ہوشیار

انوار الاسلام از عبدالسبحان ہوشیار

تحریرات اقلیدس از کونسلر عبدالرحمٰن دل

اشہر القواعد مسمیٰ بہ مظہر العقد الفوائد از حسن علی نقشبندی آہ

نردبان "

مجموعہ قوانار اُردو "

منتخبات اردو "

جغرافیہ جہاں حصہ اول و دوم از سید عبدالحی بنرداری

قلمی

حقوق المسلمین ، از سید عارف شاہ قادری عارف ،

مطلوب المریدین ، "

خلاصۂ توحید ، از خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

مثنوی اسرار عشق ، از مومن خاں مومن ۱۲۸۲ھ

تاریخ فرشتہ حصۂ سوم

مراۃ الاسرار از شاہ محمد صدر الدین

مصباح النور از محمد صدر الدین

شرح مصباح النور "

مراۃ الاذکار "

مفتاح النور "

کسب محویت "

کسب عروج "

دیوان کمال الدین شاہ

ارشاد نامہ ، از کمال الدین شاہ

رسالۂ تصوف "

وحدت الوجود "

اسرار التوحید ، از سید محمد شاہ میر

رسالۂ نادریہ "

رسالۂ حقائق "

انتباہ الطالبین "

روضۂ در بیان شہادت فرزندان حضرت مسلم طبعزاد شاہ میر اوراق ۲۲

نور الیقین ۔ از سید شاہ نور اللہ

وحدت الوجود ، از سید شاہ نور اللہ
چہار کرسی ، از احمد خاں شیرانی
چہار کرسی طریقت ، شیخ میاں فضل اللہ طاہر
فتح المجاہدین ، از میر زین العابدین شوستری
ریاض العارفین از محمد اسحٰق
فتح نامہ ٹیپو سلطان با مزاب سلطانی از حسین علی عزت
میسور کے مہاراجگان کی رواداری ، مصنفہ آر عبدالقادر میسوری
معراج العقائد ، مصنفہ میر حیات
معراج الفقہ ، مفتاح الایمان ، نور الاسلام ، ہدایت نامہ تعلیم النساء از میر حیات
چھوٹی چہار کرسی ، از عبدالحق صاحب
رسالۂ شمس لطائف ، از مسرور میسوری
رسالۂ نقشبندیہ ، "
کلام مقبل شاہ ، از سید شاہ فقیر محی الدین مقبل
دیوان عقیل ، از عقیل
اسرار خودی (اردو) منظوم ترجمہ از مرزا نذیر حسین نذیر
رموز بیخودی " " "
ارمغان حجاز " " "
تذکرۂ دل ، از قاضی عبدالغفار فیاض
تاریخ فرشتہ حصہ سوم
خلاصہ سلطانی (اردو) از محمد احمد
تجنیس اللغات (") از میر حسین علی کرمانی
بحر فطرت (") " "
دیوان برق از محمد باقر برق
دیوان علوی از محمد علوی
تذکرہ البلاد و الحکام از میر حسین علی کرمانی

ENGLISH BOOKS

1 Languages and the Linguistic problems
—by S K Chatterjee

2 Modern Linguistics —by Potter

3 Introduction to Elliot and Dowdon's History of India Vol 2 —by Prof Habeeb

4. Grierson's linguistic survey of India, Vol I, Part I

5 Influence of Islam on Indian Culture
—by Tara Chand

6 History of India, Part 2, Medieval India
—by K N Nilkanta Shastry

7 The Bahmanis of the Deccan
—by Haroon Khan Shervani

8 The Modern Vernacular Literature of Hindustani —by George A Grierson, Published by Asiatic Society in 1889

9 Imperial Gazetteer of India, Vol XVIII, Oxford Edition.

10 History of Mysore, The Yadava dynasty,
—by G R Josyer

11 A journey from Madras through the countries of Mysore, Canara and Malabar
—by Francis Buchanan, 3 Volumes V Bulmer & Co, London 1807

12 Historical Sketches of South India, Vol I, with an attempt to trace the History of Mysore
—by Lt Col Mark Wilkes, 1810 Edited with notes by M Lirraip Hamamick, Govt Press, London 1930

13 History of Tippu Sultan
—by Muhibul Hussain Khan

14 A history of the reign of Tippu Sultan being a continuation of Nishan-e-Hyderi
—by Mir Hussain Ali Khan Kirmani Translated from a Persian manuscript by Col W Milles

15 The history of Hyder Shah and Tippu Sultan
—by M M J T Revised and Corrected by H H Prince Ghulam Mohamad, son of Tippu Sultan, Published by W Thackeray & Co , London, 1855

16 A descriptive catalogue of the Oriental Library of the Late Tippu Sultan of Mysore
—by Charles Stewart, M A , Printed at the Cambridge University Press in 1809

17 History of Urdu Literature —by T G Bailey

18 The Nababs of Madras
—by Henry Dodwell, London 1926

19 The Administration of Mysore under Mark Cubbon from 1834 to 1841
—by Venkatasubba Shastry, Madras Printed in Great Britain in 1932

20 Mysore Gazetteer compiled for Government
– by B L Rice, Vol I

21. Catalogue of Hindustani Mss in the library of India Office --by James Fuller Blumhardt

22 Annual Reports of the Administration of Mysore Section III Education. Printed at Govt. Press Bangalore for the year from 1866 to 1881, from 1903 to 1908, from 1912 to 1913, from 1917 to 1919, 1923-1924, 1928-1929, 1933-1934, 1938-1939, 1945-1946, 1948-1949, 1952-1953, 1954-1955.